جلد دویم

وقائع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر

بعہد شاہجہان و اورنگ زیب

جسکو اول جناب کرنل ہنری مور صاحب بہادر سی بی (د) سی
ایس آئی ترجمان ہز ایکسلنسی کمانڈر انچیف صاحب بہادر نے ترجمہ
کیا۔ اور پھر اُن کی فرمائش سے جناب مشیر الدولہ ممتاز الملک خلیفہ سید
محمد حسین صاحب میر منشی ریاست پٹیالہ نے از سر نو ترجمہ فرما کر باضافہ مفید
حاشیوں کے بعد نظر ثانی جناب وزیر الدولہ مدبر الملک خلیفہ سید
محمد حسن خان صاحب بہادر وزیر اعظم ریاست موصوف کے چھپوا کر
بغرض فائدہ عام مشتہر کیا

بزیر نگرانی اہتمام کمترین محمد حسین مرادآبادی

سنہ ۱۸۸۶ء

مطبع ریاض ہند امرتسر مین چھپی

فہرست مضامین متعلق متن

صفحہ

مصنف کا پہلا خط

مصنف کا دوسرا خط

صفحہ

صفحہ

مُصنّف کا خط بنام مسٹر چیپ لین مُقام شیراز

جگن ناتھ کی رتھ جاترا کا بیان ،،

صفحہ

ستی کا بیان

صفحہ

ہندو اپنے مردوں سے کیا سلوک کرتے ہیں

ہندو فقیروں کا حال

ہندوؤں کے قوانین مذہبی اور علوم و فنون

فہرست مضامین متعلق حواشی

تمت بالخیر

جلد دویم

وقایع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر از عہد شاہجہان و اورنگ زیب

یعنی ڈاکٹر موصوف کے چند خطوط متضمن حالات ہندوستان

ہر کہ عاقل بود از خوبی عنوان داند ✦ کہ دریں نامہ چہ اسرار نکو خواہد بود

مصنّف کا پہلا خط بنام مانشیور دی مرویلیس* مقام دہلی مورخہ ۱۴ دسمبر سنہ ۱۶۶۴ سولہ سو چوسٹھ عیسوی متضمن حالات سفر اورنگ زیب بجانب کشمیر جنت نظیر

اورنگ زیب کا بعد شفا پاکر بغرض تبدیل آب ہوا کشمیر کو جانا۔

صاحب من! جب سے اورنگ زیب کا مزاج مائل بصحت ہوا ہے اُسی وقت سے یہہ خبر برابر مشہور ہو رہی تھی کہ بادشاہ بغرض تبدیل آب و ہوا اور آیندہ گرمی سے بچنے کے لئے جسکے باعث عود مرض کا اندیشہ تھا لاہور اور

* بعض فرانسیسی نام جو اس کتاب میں ہیں معلوم نہیں کہ خاص اُن کے لب لہجہ کے موافق انکا صحیح تلفظ کیا ہے اگرچہ یہہ دقت انگریزی میں بھی ہے کہ جن حروف سے کسی لفظ کو لکھتے ہیں تلفظ اُس کا اکثر مطابق اصوات مقررہ اُن حروف کے نہیں ہوتا۔ مگر یہہ دقت فرانسیسی الفاظ و اسماء کی تہجی میں اور بھی زیادہ ہے اور ناس اہل زبان سے سُنے بدون تصحیح ناممکن ہے۔ س۔ م۔ ح

1 Monsieur de Merveilles ۱ مانشیور دی مرویلس

کشمیر کی سیر کا عزم رکھتا ہے مگر حقیقت یہہ ہے کہ بہت سے عقیل آدمیوں کو اس بات کے یقین کرنے میں تامّل تھا کہ جس حالت میں کہ اُسکا باپ آگرہ کے قلعہ میں مُقیّد ہے وہ ایسا دُور و دراز سفر کرنے کی جرأت کِسطرح کریگا !

اورنگ زیب کے سفر کشمیر کا زیادہ تر باعث روشن آرا بیگم کی تحریک تھی۔

لیکن بہر حال حفظ صحت کے خیالات مصالح سلطنت پر غالب آے ! اور زیادہ تر روشن آرا بیگم کی ترغیب و تحریص اسکا باعث ہوئی جو بہت دنوں سے اِس امر کی آرزومند تھی کہ بہ نسبت اپنے محلات کی ہوا کے زیادہ صاف ہوا سے تفریح حاصل کرے اور اس اپنے اقتدار کے زمانہ میں شاہانہ کروفر سے فوج کے ساتھ جاے جیسے کہ اُسکی بہن بیگم صاحب شاہجہاں کے عہد میں گئی تھی۔

اورنگ زیب کا چھٹی دسمبر سن سولہ سو چونسٹھ عیسوی کو مہورت کے موافق دہلی سے لاہور کو کوچ کرنا۔

الغرض بادشاہ نے اِس مہینے کی چھٹی تاریخ تین ۳ بجے دن کے جو جوتشیوں نے اس لمبے سفر کیواسطے مبارک ساعت مہورت تجویز کی تھی! کوچ کیا اور شالا مار باغ میں جو پایہ تخت سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے جاکر قیام فرمایا اور وہاں چھ روز کامل اِس غرض سے توقّف فرمایا کہ اِس لمبے سفر کے سامان کیواسطے جو ڈیڑھ برس میں ختم ہونے والا ہے لوگوں کو فرصت اور مُہلت ملے۔ اور آج ہم سُنتے ہیں کہ بادشاہ نے حکم دیا ہے کہ خیام شاہی لاہور کی سڑک پر لگائے جائیں اور یہہ کہ دو مقام کرنیکے بعد پھر کوچ میں اَور زیادہ توقف نہ ہوگا۔

اورنگ زیب کے سفر کشمیر میں جو فوج ساتھ تھی اُسکی تعداد

اِس سفر میں بادشاہ کے ساتھ صرف وہی پینتیس ۳۵ ہزار سوار نہیں ہیں جو بطور قاعدہ مقرّرہ ہمیشہ اُسکے ہمرکاب رہتے

ہیں اور نہ صرف وہ معمولی پیادہ سپاہ جو دس ہزار سے زیادہ ساتھ رہا کرتی ہے بلکہ بھاری توپخانہ اور ہمرکاب توپخانہ بھی ساتھ ہے۔

ہمرکاب توپ خانہ اور اسکی وجہ تسمیہ۔

اِس توپ خانہ کو ہمرکاب توپخانہ اس واسطے کہتے ہیں کہ وہ بادشاہ کی ذات خاص سے کبھی جدا نہیں ہو سکتا کیونکہ بھاری توپ خانہ وقت بےوقت راہ کے نشیب و فراز وغیرہ کے باعث رکاب شاہی سے علیحدہ ہو کر پیچھے سے سہولت کے ساتھ آیا کرتا ہے۔

بھاری توپخانہ

بھاری توپخانہ میں ستّر توپیں ہوتی ہیں! جنمیں زیادہ پیتل کی ہیں اور اکثر ایسی بھاری ہیں کہ بیلوں کی بیس بیس جوڑیاں اُن کے کھینچنے کیواسطے ضرور ہیں اور بعضی تو ایسی بھاری ہیں کہ جب راہ ناہموار ہو یا کہ چڑھائی کا موقع ہو تو معمولی بیلوں کی مدد کے واسطے ہاتھی درکار ہوتے ہیں تاکہ توپ کے تخت اور پہیّوں کو اپنے سر اور سونڈ سے دھکیلیں۔

ہمرکاب توپخانہ کا بیان

ہمرکاب توپخانہ میں پچاس یا ساٹھ میدانی چھوٹی توپیں ہوتی ہیں! اور سب پیتل کی ہیں! اور ہر ایک توپ ایک چھوٹے سے خوبصورت اور خوش رنگ تخت پر چڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ جسپر زینت کیواسطے چند سرخ جھنڈیاں لگاتے ہیں چنانچہ اِسکا ذکر مینے کسی اور مقام پر بھی کیا ہے۔ ہر توپ کو دو خوبصورت گھوڑے کھینچتے ہیں۔ جنکو ایک گولنداز ہانکتا ہے۔ اور ہر ایک جوڑی کے ساتھ ایک تیسرا گھوڑا کوتل ہوتا ہے جسکو ایک اور سپاہی لیکر چلتا ہے۔ یہہ میدانی توپیں بہت تیز ہانکی جاتی ہیں تاکہ بارگاہ شاہی کے سامنے قائم کیجائیں اور اتنی پہلے پہنچ جائیں کہ بادشاہ کے لشکرگاہ میں پہنچتے ہی سلامی اُتار سکیں۔

فوج و لشکر کی کثرت سے لوگوں کا یہہ شبہہ کرنا کہ کشمیر کی جگہہ ہم قندہار کی مہم پر جاتے ہیں۔

یہہ بادشاہی لشکر اور ہم رکاب فوج ایسی بڑی اور کثیر التعداد ہے جس سے لوگوں کو یہہ شبہہ ہوگیا ہے کہ ہم کشمیر جانے کی جگہہ قندھار کے محاصرہ کے واسطے جاتے ہیں۔ جو حدود ایران اور ہندوستان اور ملک ازبک کے مابین ایک نہایت کارآمد مقام ہے۔ قندھار ایک خوش نما اور زرخیز ملک کا دارالحکومت اور بڑی آمدنی کی جگہہ ہے اور اس وجہ سے اُسپر قبضہ حاصل کرنے کو بادشاہانِ ایران اور ہندوستان کے باہم بڑے بڑے سخت معرکے اور محاربے ہمیشہ وقوع میں آتے رہے ہیں۔ اس عظیم الشان فوج کے کوچ کا اصل میں خواہ کچھ ہی منشا اور مقصد ہو مگر ہر ایک متنفس کو جو اس سے علاقہ رکھتا ہے اب دہلی سے روانہ ہونے میں جلدی کرنا ضروریات سے ہے اگرچہ اُسکے ضروری امور کیسے ہی مقتضی اس بات کے ہوں کہ کچھ توقف کرے پس اگر میں اپنے جانے میں دیر لگاؤں تو لشکر میں شامل ہونا مجھے مشکل ہو جائیگا۔

نواب دانشمند خاں کے علمی شوق کا ایک ضمنی ذکر

علاوہ بریں ہمارا نواب دانشمند خاں میرا نہایت منتظر ہے کیونکہ ہمارا آقا جو وزیر معاملات متعلق ممالک غیر اور سوار فوج کا میر بخشی ہے اپنے منصب کے اہم کاموں سے اُسکو صبح کیوقت تو فرصت نہیں ملتی اس وجہ سے وہ اپنے سہپر کے وقت کو جو کتب حکمیہ کے مطالعہ کے لئے مختص کیا ہوا ہے ضایع کرنا نہیں چاہتا۔ اُسکو علم ہئیت اور جغرافیہ اور تشریح کا خاص شوق ہے۔ اور وہ گیسینڈی[1] اور ڈِس کارٹِس[2] کی تصانیف کو بڑے شوق سے پڑھتا ہے۔

1 Gassendi. — گ ے س ی ن ڈ ے [1]
2 Descartes. — ڈ س ک ا ر ٹ س [2]

مصنف کی تنخواہ اور اُن چیزوں کا بیان جو سفر کشمیر میں اُسنے ضروری سمجھکر ساتھ لیں۔

بس اپنے ذاتی امور کا بندوبست کر لینے کے بعد میں آج رات کو ہی روانہ ہونگا اور چلنے سے پہلے مجھے اس قدر اسباب و سامان درست کر لینا چاہیئے جسقدر کہ رسالہ کے ایک ذیعزت عہدہ دار کو درکار ہے۔ کیونکہ میری تنخواہ تین سو روپیہ ماہوار ہے اور اسلئے ضرور ہے کہ دو اچھے ترکی گھوڑے مع ایک سائیس کے میرے پاس ہوں۔ اور ایک مضبوط ایرانی اونٹ بھی مع ایک شتربان کے ساتھ ہونا چاہیئے اور ایک باورچی اور ایک خدمتگار ہونا چاہیئے جو ملک کے دستور کے موافق پانی کی صراحی لیکر گھوڑے کے آگے آگے چلتا ہے۔ مینے ضروری اور آرام کی اور بھی سب چیزیں ساتھ کے لئے تیار کر لی ہیں۔ مثلاً ایک درمیانہ خیمہ ایک قالین اور ایک ہلکی سفری چارپائی جو چار ہلکے اور مضبوط بانسوں سے بنتی ہے۔ اور ایک تکیہ اور دو لحاف جنمیں سے ایک کو دوہرا کرکے توشک کا کام لیا جاتا ہے۔ اور ایک گول چرمی سفرہ کھانا کھانے کے واسطے اور چند رنگین رومال اور تین چھوٹے تھیلے باورچی خانہ کے ظروف اور گلی ظروف وغیرہ کے واسطے جو یہہ سب ایک بڑے تھیلے میں رکھے جاتے ہیں اور یہہ بڑا تھیلا پھر ایک ٹاٹ کے بڑے شلیتہ میں جسکے دو حصے ہوتے ہیں اور جسمیں تسمے لگے ہوے ہوتے ہیں باندھا جاتا ہے۔ علاوہ بریں شلیتہ میں آٹا دال وغیرہ کھانے کی چیزیں مع آقا اور ملازموں کے بستر اور کپڑوں وغیرہ کے رکھی جاتی ہیں۔ مینے احتیاطاً پانچ چھ روز کے خرچ کے موافق کچھ عمدہ چاول اور کچھ میٹھے بسکٹ بھی جنکو چاشنی اور نیبو کے عرق سے خوش ذائقہ بنایا گیا ہے رکھ لیے ہیں اسکے سوا باریک کپڑے کی ایک تھیلی

مع ایک آہنی قلابے کے جسمیں لٹکا کر دہی کو چھانا جاتا ہے مینے یاد کر کے ساتھ رکھ لی ہے۔ کیونکہ اس ملک میں لیمو کا شربت اور دہی نہایت مفرح چیز ہے۔ یہہ سب چیزیں جیساکہ مینے ابھی بیان کیا ہے ایک بڑے شلیتہ میں باندھ دی گئی ہیں جو حسب معمول ایسا بیڈھنگا پھیلا ہوا ہے کہ اُسے تین چار آدمی مشکل سے اونٹ پر لاد سکتے ہیں حالانکہ اونٹ شلیتہ کے نہایت قریب بیٹھا ہوا ہوتا ہے اور لادنے والوں کو صرف اتنا ہی کرنا ہوتا ہے کہ شلیتہ کا ایک سرا زمین سے اُٹھا کر اونٹ کی پیٹھ پر اُلٹ دیں۔ ایسے لمبے سفر میں اگر آرام چاہو تو مذکورہ بالا اشیاء میں سے ایک بھی فالتو نہیں ہے۔ کیونکہ ایسے ملک میں ہمکو فرانس کے سے اِنّ[1] یعنی مسافرخانوں اور آرام و آسایش کے سامان کی بہم رسی کی اُمید نہیں ہے اور ہماری مہمان سرا صرف ہمارا وہی ڈیرہ ہے جسکو عرب اور تاتاریوں کیطرح ہمکو ایک منزل سے اُکھاڑ کر اور دوسری منزل پر لیجا کر روزمرہ لگانا چاہیئے۔ اور ہم اپنی حاجت روائی لوٹ کھسوٹ سے بھی نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ ہندوستان میں ایک ایک بسوہ زمین خالصہ شریفہ سمجھی جاتی ہے اور رعیت پر دست درازی اور تعدّی کرنا گویا بادشاہ کے مال میں دست اندازی کرنا ہے۔

شہر دہلی کی بازاری روٹی اور پانی کی خرابی اور اُس سے اور سے کی بیماری کے پیدا ہونے کا ذکر۔

اس طویل سفر کے اختیار کرنے میں میرے دل کو صرف اتنی ہی خوشی ہے کہ ایک تو ہم شمال کیطرف کوچ کرتے ہیں دوسرے یہہ کہ معمولی برسات کی بارشیں ہو چکی ہیں اور یہہ سرما کا آغاز ہے اور فی الحقیقت ہندوستان میں سفر کیواسطے یہی موسم مناسب ہے کیونکہ جاڑے کے شروع میں بارش بھی ہو چکتی ہے اور گرمی اور گرد بھی

[1] Inn ۔ اِنّ

ایسی نہیں ہتی کہ جسکی برداشت نہوسکے۔ اور میں اس خیال سے بھی خوش ہوں
کہ اب مجھکو دہلی کے بازار کی روٹی کھانے کی آفت اُٹھانی نہ پڑے گی جو اکثر
خراب پکائی جاتی ہے اور گرد و غبار سے صاف نہیں ہوتی اور اب یہہ بھی
اُمید ہے کہ پینے کا پانی بھی دہلی سے بہتر ملے گا جسکا میلاپن مجھسے بیان
نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ہر انسان و حیوان بیدھڑک وہاں تک پہنچ سکتے ہیں اور
پانی کو انواع و اقسام کے میل کچیل کا مخزن بنائے رکھتے ہیں۔ اس پانی سے بہت
عسیر العلاج بیمیں پیدا ہوتی ہیں اور پنڈلی میں کیڑے یعنی نارو سے پیدا ہوجاتے
ہیں جنمیں بڑی سخت سوزش اور ورم ہوتا ہے اور آیندہ بڑے بڑے اندیشے
ہوتے ہیں۔ اگر مریض دہلی سے کہیں چلا جائے تو یہہ کیڑے جلد دفع ہوجاتے
ہیں۔ اگرچہ کبھی کبھی ایک برس اور کبھی اس سے بھی زیادہ عرصہ تک تکلیف دیتے
ہیں یہہ کیڑے اکثر عرض وطول میں چکارے کے تارے تانت کے موافق ہوتے
ہیں اور جن پر بے تکلف نس یا پٹھے کا دھوکا ہوتا ہے۔ ان کے نکالنے میں بڑی
احتیاط کرنی چاہیئے تاکہ ٹوٹ نہ جائیں اور ان کے نکالنے کی سب سے بہتر تدبیر
یہہ ہے کہ ایک تنکے پر لپیٹ کر روزمرہ آہستہ آہستہ اور تھوڑا تھوڑا نکالا جائے

دربار دہلی کے امرا کا معمولی پانی کی جسگہ گنگاجل استعمال کرنا۔

میرے لئے یہہ بات نہایت اطمینان کی ہے کہ میں اس
قسم کی بے آرامیوں اور خطروں سے محفوظ رہونگا کیونکہ
ہمارے نواب نے نہایت مہربانی سے حکم دیا ہے کہ ایک تازہ خانہ ساز روٹی
اور گنگا کے پانی کی ایک صراحی ہر روز صبح کیوقت مجھے عنایت ہوا کرے
کیونکہ اور امراے دربار کیطرح ہمارے نوّاب نے بھی اپنے ساتھ کے لئے

گنگا جل کے بہت سے اونٹ لدوا لئے ہیں۔

صراحی یا مٹی کے برتنوں میں پانی ٹھنڈا رکھنے کی ترکیب اور اسکی وجہ۔

پانی کی صراحی ایک ٹین* کا برتن ہے جسپر سرخ کپڑا منڈھا ہوا ہوتا ہے اور اسکو ایک خدمتگار ہاتھ میں لیکر اپنے آقا کے گھوڑے کے آگے آگے چلتا ہے اسمیں عموماً ایک سیر پانی آتا ہے لیکن مینے اپنی صراحی قصداً دو سیر کی بنوائی ہے اور مجھے امید ہے کہ یہہ تدبیر میرے لئے بہت مفید ہوگی۔ اس صراحی میں پانی خوب ٹھنڈا رہتا ہے بشرطیکہ وہ کپڑا جو اسپر منڈھا ہوا ہوتا ہے تر رہے اور صراحی بردار اُسے ہلا ہلاکر ہوا دیتا رہے یا اُسے ایک ہوادار جگہہ میں جیساکہ یہاں عموماً معمول ہے زمین سے اونچی ایک تپائی پر رکھا جاے تاکہ زمین کی گرمی صراحی کو نہ لگے۔ پس کپڑے کی نمی اور ہوا میں ہلانا یا ہوا میں رکھنا پانی ٹھنڈا رہنے کیواسطے ازبس ضرور ہے گویا کہ یہہ نمی جس سے کپڑا تر رہے اُن چھوٹے چھوٹے آتشی اجزا (فائری پارٹی کلز[1]) کو جو ہوا میں ہوتے ہیں اور جن سے پانی گرم ہوجاتا ہے صراحی کے اندر داخل ہونے سے روک لیتی ہے معہذا اُن شوریلے اجزا (ناٹٹرس پارٹی کلز[2]) اور اور اجزا کو جو اُس کپڑے اور ظرف کے اندر گھُس کر پانی میں سکون کا اثر پیدا کرکے اُسکو ٹھنڈا کر دیتے ہیں نہیں روکتی جسطرح شیشے میں سے روشنی تو اندر آجاتی ہے مگر پانی نہیں آسکتا اور یہہ امر شیشہ کی بناوٹ اور اُسکے اجزا کی خاصیت اور اُس فرق کیوجہ سے ہے

---

* اصل کتاب میں بجاے جست کے ٹین لکھا ہے۔ س-م-ج

1 Fiery particles — ۱؎ ف ائِ رِ ی پ ا رٹِ ی ک ل ز

2 Nitrous particles — ۲؎ ن ا ءِ ٹ رَ س پ ا رٹ ی ک ل ز

جو پانی اور روشنی کی لطافت* میں ہے۔

یہہ صراحی کہیں باہر جانیکے وقت کام آتی ہے۔ لیکن جب ہم لوگ مکان پر ہوتے ہیں تو پانی کو مٹی کے مٹکوں میں جو مسامدار مٹی سے بنائے جاتے ہیں رکھتے ہیں اور اُن پر تر کپڑا لپیٹتے ہیں اور اگر یہہ مٹکے ہوا میں رکھے جائیں تو اُنکا پانی اِن صراحیوں سے بھی زیادہ خنک ہوتا ہے۔

شورہ سے پانی ٹھنڈا کرنے کی ترکیب۔

بڑے اُمرا خواہ شہر میں ہوں خواہ لشکر میں شورہ کا استعمال کرتے ہیں اور اُسکی ترکیب یہہ ہے کہ پانی یا جو چیز سرد کرنی منظور ہو جست کی صراحی میں جسکی گردن لمبی اور پیٹ گول انگریزی بوتل کا سا ہوتا ہے ڈال کر اُسکو سات یا آٹھ منٹ تک اُس پانی میں ہلاتے ہیں جسمیں تین چار مُٹھی شورہ ڈالا ہوا ہوتا ہے اور صراحی کے اندر کی چیز نہایت سرد ہو جاتی ہے اور کسیطرح ناگوار یا مضر نہیں ہوتی جیسا کہ مجھے پہلے خیال ہوا تھا مگر ابتدا اُس کبھی کبھی کُچھ تلیین کا اثر کرتی ہے۔ لیکن معلوم نہیں بجائے ان خیالوں کے کہ شام سفر سر پر کھڑی ہے اور اس مُلک کی جلتی بلتی دھوپ

* جب کوئی سیّال جسم مثلاً پانی مٹی کے ایک ایسے برتن میں بھرا جاوے جسپر لعاب چڑھا ہوا نہو تو پانی کے اجزا برتن کے مسامات میں سے بھاپ بنکر اُڑ جاتے ہیں اور اس بھاپ کے ساتھ بہت سی حرارت بھی جو پانی میں جذب رہتی ہے نکل جاتی ہے تو اُس برتن میں پانی ٹھنڈا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ بیطرح ٹھنڈا ہو سکتا ہے اور یہہ تاثیر اُس وقت اور بھی زیادہ پیدا ہو جاتی ہے جبکہ برتن کو دھوپ میں رکھا جاوے اور اُس کے باہر کی سطح کو جس سے بھاپ خارج ہوتی رہتی ہے ہر طرف سے برابر تر کپڑا لپیٹا جاوے۔ اگلے زمانے میں علم کیمیا کے علما کا یہہ قیاس تھا کہ کوئی نہایت لطیف شے جسکے اُنھوں نے مختلف نام رکھے ہوئے تھے اس عمل کے وقت برتن کے مسامات سے خارج ہوتی ہے اور زمانہ حال کے علما اُس شے کو کیلورک[1] یعنی جوہر حرارت کہتے ہیں اور انگریزی

1 Caloric　　　　ک ے ل و ر ک [1]

میں جو کسی موسم میں بھی کامل ایذا سے خالی نہیں ہے روزمرہ چلنا پڑیگا اور ہر روز اسباب کسطرح لادا اور اتارا جائیگا اور نوکروں کو ہمیشہ یہہ وہ کرنے کو کہا جائیگا اور کبھی خیمہ لگانا اور کبھی اکھاڑنا ہوگا اور کبھی رات کو اور کبھی دن کو کوچ کرنا پڑے گا خصوصاً جبکہ ایسی بے ٹھکانے اور خانہ بدوشی کی گزران یقیناً ڈیڑھ برس تک جسکی بابت حکم مل چکا ہے کرنی پڑیگی۔ میں یہہ علمی جھگڑے کیوں لے بیٹھا۔

تو یار اب خدا حافظ! میں اپنا وعدہ پورا کرونگا اور آپ کو اپنے حالات کی وقتاً فوقتاً اطلاع دیتا ہوں گا۔ اور چونکہ فوج اس موقع پر نرم نرم کوچ کریگی کیونکہ کچھ اضطراب اور کسی دشمن کا فکر تو ہے ہی نہیں بلکہ ایک بڑی دھوم دھام اور شان وشوکت سے جیساکہ بادشاہان ہند کا معمول ہے کوچ ہونگے اسلئے سب دلچسپ واقعات لکھتا ہونگا تاکہ لاہور پہنچتے ہی آپکی خدمت میں بھیجوں۔

مصنف کا دوسرا خط بنام مانشیور دی مرویلیس مورخہ ۲۵ فروری ۱۶۶۵ء متمقام لاہور

دہلی اور لاہور کے فاصلے اور تماشا دیکھنے کی غرض سے دریائے جمنا کے کنارے کنارے اورنگ زیب کے آہستہ آہستہ کوچ کرنیکا ذکر۔

صاحب من! یہہ کوچ فی الواقع آہستہ اور باشان وشوکت طور کا ہے۔ جسے ہم یہاں اعلیٰ حضرت کا سفر کہتے ہیں۔ لاہور دہلی سے قریب سوا سو لیگ* یا پندرہ ۱۵ منزل کے ہے۔ مگر ہمکو لاہور پہنچنے میں قریب دو مہینے کے لگے۔

* یعنی تین سو پچھتر (۳۷۵) میل ہے۔

حقیقت یہہ ہے کہ بادشاہ نے فوج کا ایک بڑا حصہ ساتھ لیکر شارع عام سے
علیحدہ راستہ اختیار کیا تھا تاکہ شکار کے عمدہ عمدہ موقعے ہاتھ آئیں اور دریاے
جمنا کا پانی آسانی سے ملتا رہے - چنانچہ ہم ان دونوں باتوں کی خاطر معمولی
شارع عام سے دائیں طرف کو روانہ ہوے اور جسطرح بادشاہ نے بلحاظ آرام و
آسایش مناسب خیال کیا آہستہ آہستہ دریاے جمنا کے کنارے کوچ ہوتا رہا -
اور ایسی لمبی لمبی گھاس میں جسمیں سوار بھی نظر نہ آسکتے تھے بندوق کا
اور سب قسم کے شکاری جانوروں کا شکار ہوتا رہا اور سب طرح کا شکار بکثرت
ملا - اور اب ہم ایک عمدہ شہر میں بڑے آرام سے ٹھہرے ہوے ہیں اور مجھکو
اپنے صرف اوقات کے واسطے اس سے بہتر اور کوئی بات نہیں ہے کہ وہ طرح
طرح کے حالات جنکی طرف میرا دل دہلی چھوڑنیکے وقت سے متوجہ رہا ہے قلمبند
کروں - مجھے اُمید ہے کہ میں بہت جلد آپکو کشمیر کی سیر کراؤنگا - اور آپکو ایک ایسا
ملک دیکھاؤنگا جو دُنیا میں ایک نہایت خوشنما قطعہ* ہے -

* تاکہ اس مضمون کی زیادہ تشریح ہوجاے اس سفر کا حال عالمگیرنامہ سے بطور انتخاب نقل کیا جاتا ہے - اسمین لکھا ہے کہ بادشاہ کشمیر کی سیر بھی کرنا چاہتا تھا اور بعض مصالح ملک داری کے لحاظ سے بھی پنجاب کا جانا ضروری تھا اسلیے غرہ جمادی الاولی ۱۰۷۴ھ - ایک ہزار چہتر ہجری کو کہ اسکے جلوس کا سال ہفتم اور روز جشن وزن قمری یعنی تُل دان کا دن بتقریب سالگرہ آغاز سال چہل و ہفتم بحساب شمسی اور روز شروع سال چہل و ششم بحساب قمری تھا دار الخلافہ شاہجہان آباد سے خیمہ جات شاہی باغ اعزآباد میں (جسکو اس کتاب کے مصنف یعنی برنیر نے شالامار لکھا ہے) نصب ہوے اور ساتویں ماہ جمادی الاول کو مطابق ۲ ماہ آذر فارسی ساعت مقررہ یعنی مہورت کے موافق حضرت شاہ شریعت پناہ نے سوار ہوکر باغ مذکور میں ڈیرہ کیا - گیارہویں کو یہاں سے کوچ کرکے چند روز اُن شکارگاہوں میں جو وہاں سے قریب تھیں بسر کئے اور پھر قصبہ سونی پت یعنی سنپت کی راہ سے ۲۷ کو کرنال پہنچے - یہاں سے فاضل خاں میر سامان کو مع لشکر و اسباب زاید سیدھا لاہور کو روانہ کیا اور آپ معمولی شاہراہ چھوڑکر مختص پور کی سیر و شکار کو چلے گئے اور وہاں سے شکار کھیلتے ہوے پانچوین جمادی الآخر

بنائے ہوئے ہیں۔

بادشاہی ڈیوڑھی جو اس مربع قلعہ کے ایک ضلع کے عین وسط میں رکھی جاتی ہے وسیع اور پرتکلف ہوتی ہے اور اُسکی قناتوں کے اندر نقش و نگار بہ نسبت اُن قناتوں کے جن سے اِس قلعہ کی باقی طرفیں گھیری جاتی ہیں زیادہ خوشنما اور خوبصورت اور قیمتی ہوتی ہیں۔

خیمہ معروف عام و خاص اور بادشاہ کے دونوں وقت دربار کرنے کا ذکر۔

وہ پہلا اور سب سے بڑا ڈیرہ جو خیام شاہی میں لگایا جاتا ہے اُسکو عام و خاص کہتے ہیں۔ جہاں بادشاہ اور اُمرا نو بجے صبح کے جمع ہو کر امور سلطنت پر غور اور انصاف و عدالت کیا کرتے ہیں! ہندوستان کے بادشاہ خواہ تخت گاہ میں ہوں خواہ سفر میں روزمرہ دو دفعہ دربار کرتے ہیں جنمیں کبھی ناغہ نہیں ہوتا اور یہ دستور ایک فرض واجب اور منجملہ آئین سلطنت سمجھا جاتا ہے جسکی بجا آوری میں بہت ہی کم فروگذاشت ہوتی ہے۔

خیمہ معروف غسل خانہ کا ذکر۔

دوسرا ڈیرہ جو ذرا چھوٹا اور اندر کیطرف کو کچھ بڑھا ہوا ہوتا ہے اُسکو غسل خانہ کہا جاتا ہے یہاں سب اُمرا شام کے وقت مجرے کے لئے اُسی قاعدہ سے جمع ہوتے ہیں جیسے کہ خاص و عام میں۔

شام کے دربار کے لئے مشعلوں کے ساتھ امرا کے آنے جانے کا ذکر اور مشعل بنانے کی ترکیب

اِس شام کے دربار سے اُمرا کو بہت بے آرامی اور تکلیف ہوتی ہے لیکن جب وہ خیمہ گاہ شاہی کے طول طویل نمبروں میں سے مشعلیں ساتھ لئے ہوئے غسل خانہ کیطرف جاتے یا وہاں سے اپنے ڈیروں کو واپس آتے ہیں

تو دور سے اندھیری رات میں یہہ ایک بڑا اور دلچسپ تماشا دکھائی دیتا ہے۔ اگرچہ یہہ مشعلیں ہمارے وطن فرانس کی طرح موم سے نہیں بنتیں لیکن بہت دیر تک جلتی ہیں۔ درحقیقت اس طرح سے تیار کیجاتی ہیں کہ ایک لکڑی پر لوہے کی ایک نلکی جڑی جاتی ہے اور اُسکے اندر گودڑ کا ایک موٹا فتیلہ لگایا ہوا ہوتا ہے جو تیل میں تر ہوتا ہے اور جسپر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد تیل کی کپّی سے جو مشعلچی کے ہاتھ میں رہتی ہے اور جسکا گلا تنگ اور لنبا لوہے یا پیتل کا بنا ہوا ہوتا ہے تیل ڈالتے اور بوقت ضرورت اُس گودڑ کو بدلتے رہتے ہیں۔

خیمہ معروف خلوت خانہ کا ذکر

اِن دونوں سے چھوٹا اور زیادہ اندر کو بڑھکر ایک تیسرا خیمہ ہوتا ہے جسکو خلوتخانہ کہتے ہیں اس خیمہ میں سوائے بڑے بڑے اُمرا اور وزرا کے کوئی شخص دخل نہیں پاتا اور سلطنت کے اُمور اہم اور خاص کے سرانجام کے لئے یہی جگہہ ہے۔

بادشاہ کے خاص الخاص خیموں کا ذکر

خلوت خانہ سے اَور آگے کو بادشاہ کے خاص الخاص خیمے ہوتے ہیں جنکے گرداگرد ذرا چھوٹی قناتیں جو قد آدم سے زیادہ نہیں ہوتیں لگی رہتی ہیں اِن قناتوں میں سے بعض کے اندرونی جانب مچھلی پٹن کی عمدہ چھینٹ چڑھی ہوئی ہوتی ہے جسپر صدہا مختلف قسم کے پھول بنے ہوئے ہوتے ہیں اور بعض ریشمی مشجر سے آراستہ اور باریک ریشمی جھالر انپر لگی ہوئی ہوتی ہے۔

بیگمات اور محل سرا کی متعلقہ مستورات کے خیمون کا ذکر

اِن شاہی خیموں کے متصل بیگمات اور اَور معزز خاتونوں اور محل کی بڑی بڑی نوکروں چاکروں کے

ڈیرے لگتے ہیں۔ یہہ ڈیرے بھی مکلف قناتوں سے گھرے ہوئے ہوتے ہیں اور اُن کے بیچمیں ادنیٰ درجہ کی عورتوں یعنی سہیلوں اور خانہ زادوں اور ملازم عورتوں اور متعلقات محلسرا کے ڈیرے ہوتے ہیں اور یہہ ڈیرے اُن عورتوں کے مراتب اور درجہ کے لحاظ سے قرینہ کے ساتھ لگائے جاتے ہیں۔

خیمہ معروف عام خاص کی اونچائی اور تکلفات وغیرہ کا بیان۔

عام خاص اور پانچ چھ اور خیمے سب ڈیروں سے بلند ہوتے ہیں جس سے دو مطلب ہیں۔ ایک یہہ کہ گرمی سے حفاظت ہو۔ دوسرے یہہ کہ دور سے پہچانیں جا سکیں! ان کے باہر کی جانب کا کپڑا مضبوط اور سخت سُرخ رنگ کا ہوتا ہے جسپر سجاوٹ کے لئے بڑی بڑی رنگا رنگ کی پٹیاں لگی ہوئی ہوتی ہیں (جس سے مصنّف کی مُراد غالباً پٹاپٹی کا کام ہے) لیکن اندر کی جانب خوبصورت مچھلی پٹن کی چھینٹ ہوتی ہے جو مخصوص اسی کام کیواسطے بنائی جاتی ہے جسپر عمدہ اور بڑھیا رنگ رنگ کے ریشمی مشجر لگے ہوئے اور اُسپر ریشم یا سُرخ و سفید زری کا کارچوبی یا چکن کا کام مع نہایت نفیس اور باریک جھالر کے بنا ہوا ہوتا ہے۔ اسمیں تین چار پانچ موٹے روئی کے گدیلوں کا فرش ہوتا ہے اور اُن پر مکلف قالیں اور زربفت کی مربع مسندیں آرام سے تکیہ لگا کر بیٹھنے کے لیئے بچھی ہوئی ہوتی ہیں۔ ان خیموں کی چوبیں مُلمّع یا عمدہ روغن کاری کی ہوتی ہیں۔

اور ان دونوں ڈیروں میں جنمیں بادشاہ مع اُمرا ارکانِ دولت رونق بخش ہو کر نظم و نسق اُمور مملکت کیا کرتا ہے بادشاہ کے لئے ایک نہایت ہی مکلف اور آراستہ مرتفع جگہہ ہوتی ہے جسپر ایک مخملی یا ریشمی مشجر کے وسیع

شامیانہ کے تلے بیٹھکر بادشاہ لوگوں کا سلام مجرا لیتا اور عرض حال سنتا ہی

خرگاہ کا بیان

اور ڈیروں میں بھی ایسے ہی شامیانے ہوتے ہیں مگر اُن میں خرگاہیں ہوتی ہیں جو مثل ایک چھوٹی سی کوٹھری کے ہیں اور اُن کے چھوٹے چھوٹے دروازوں میں چاندی کے قفل لگے رہتے ہیں۔ خرگاہ کا نقشہ سمجھنے کے لئے یہہ تصوّر کرلینا چاہیئے کہ گویا ہمارے مُلک فرانس کا لپیٹ جانے والا ایک مربّع چھپرکھٹ* ہے۔ جو بمقدار دو چھپرکھٹوں کے بُلندی میں ہے مگر چھت اُسکی چورس نہیں ہے بلکہ گنبد کیطرح کی ہے۔ لیکن خرگاہ اور چھپرکھٹ میں بڑا فرق یہہ ہے کہ خرگاہ کے چاروں طرف پردوں کی جگہہ بہت پتلے اور سُبک باہر کی جانب مُلمّع یا روغن کئے ہوے تختے لگے ہوے ہوتے ہیں اور زیبایش کیواسطے گرداگرد ریشم اور زری کی جھالر ٹکی ہوئی اور اندر کیطرف قرمزی رنگ کا ریشمی مشجّر یا زربفت منڈھا ہوا ہوتا ہے۔

اِن حالات کے لکھنے کے بعد مجھے یقین ہے کہ اس مربع قلعہ کے اندر جو جو اُمور قابل بیان و لحاظ تھے مینے اُنمیں سے کوئی نہیں چھوڑا۔

---

* اس جگہہ لفظ چھپرکھٹ ہندوستانی مذاق کے موافق ترجمہ کیا گیا ہے مگر اصل کتاب میں لفظ (سکریِن) ہے جسکے معنی چھپرکھٹ کے نہیں ہیں بلکہ اوٹ اور پردہ کے ہیں اور چونکہ انگریزوں کے گھروں میں اکثر ایک قسم کے کپڑے سے منڈھے ہوے لکڑی کے ایسے جو کھٹے دیکھنے میں آتے ہیں جو تہہ کئے جا سکتے ہیں اور جنکو کمرے کے اندر کسی مناسب جگہہ پر کھڑا کرکے قنات یا پردہ کا کام لیا جاتا ہے تو اس سے خیال ہوتا ہی کہ غالباً مصنف نے کسی ایسی ہی قسم کی چیز سے خرگاہ کو تشبیہ دی ہو۔ س م ح

ط سَ کْ رِیْ ن 1 Screen

شاہی ڈیوڑھی کے دونوں طرف سجے سجائے کوتل گھوڑوں کے کھڑے رہنے اور ہمرکاب توپخانہ کی توپوں کا ذکر۔

اب اس مربع قطعہ کے باہر کی جانب کے منظر کا ذکر کرتے ہوئے پہلے میں اُن دو خوبصورت ڈیروں کا ذکر کرتا ہوں جو شاہی ڈیوڑھی کے دونوں جانب ہوتے ہیں یہاں پر چند عمدہ کوتل گھوڑے کسے کسائے اور نہایت متکلّف ساز و سامان سے سجے سجائے کھڑے رہتے ہیں تاکہ کسی ناگہانی ضرورت کیوقت فوراً کام آسکیں لیکن بڑی غرض اس سے شان و شوکت اور تکلّف دکھانا ہے۔

اسی شاہی ڈیوڑھی کے دونوں طرف ہمرکاب توپخانہ کی پچاس ساٹھ توپیں جو چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں ایک قاعدہ سے لگی رہتی ہیں اور جس وقت بادشاہ خیمہ میں داخل ہوتا ہے اطلاع اہل لشکر کے لئے انہیں سے سلامی لی جاتی ہے۔

خیمہ معروف نقارخانہ کا ذکر

بادشاہی ڈیوڑھی کے سامنے بقدر مناسب و ممکن ایک وسیع صحن جسمیں کوئی خیمہ وغیرہ بالکل نہیں لگایا جاتا ہمیشہ چھوڑ دیا جاتا ہے اور اس صحن کی انتہا پر ایک بڑا ڈیرہ کھڑا ہوتا ہے جسکو نقارخانہ کہتے ہیں کیونکہ اس جگہہ نقارے اور شہنائیں رہتی ہیں۔

امرائے چوکی دینے کا ذکر

اسی ڈیرہ کے قریب ایک اور بہت بڑا ڈیرہ لگتا ہے جسکو چوکی خانہ کہتے ہیں۔ یہاں اُمرا نوبت بنوبت ہفتہ میں ایک بار چوبیس گھنٹے پہرہ دیتے ہیں۔ مگر اکثر اُمرا ایسا کرتے ہیں کہ خاص اپنے ہاں کا ایک ڈیرہ ٹھیک چوکی خانہ کے متصل زیادہ آسایش و خلوت کی غرض سے کھڑا کر لیتے ہیں۔

مختلف کارخانوں کے خیموں کا ذکر

اس طرح سے مربع قطعہ کی باقیماندہ تینوں جانب کچھ تھوڑا سا فاصلہ دیکر بعض عہدہ داروں اور ایسے کارخانوں کے خیمے لگائے جاتے ہیں جنسے خاص خاص قسم کے شاہی اُمور متعلق ہیں اور اگر کوئی خاص وجہ مثل تنگی مقام وغیرہ مانع نہو تو یہہ خیمے ہمیشہ ایک ہی ترتیب اور قرینہ سے لگا کرتے ہیں۔ ان ڈیروں کے جُدا جُدا نام اور لقب ہیں لیکن ان ناموں کا تلفظ مشکل ہے اور چونکہ میرا یہہ مدعا نہیں ہے کہ میں آپکو ہندوستانی زبان کی تعلیم دوں پس یہہ کافی ہے کہ ان الفاظ کا مطلب بیان کردوں یعنی اُن میں سے ایک ڈیرے میں تو بادشاہی ہتھیار رہتے ہیں اور دوسرے میں نہایت قیمتی زین اور جڑاو ساز وغیرہ اور تیسرے میں کمخواب اور زربفت کی قبائیں وغیرہ جو بادشاہ کیطرف سے اکثر خلعت میں دیجاتی ہیں۔ اور چار علیحدہ علیحدہ خیمے واسطے گنگا جل اور شورے کے جس سے پانی ٹھنڈا کرتے ہیں اور قسم قسم کے میووں اور حلووں اور مٹھائیوں اور پان وغیرہ کے ہوتے ہیں۔ پان ایک قسم کا پتا ہے جو کچھ خاص مصالحے لگا کر تیار کیا جاتا ہے اور بطور علامت عنایات و الطاف شاہی کے عطا ہوا کرتا ہے جسکے چبانے سے مونہہ سے خوشبو آتی ہے اور لب سُرخ ہو جاتے ہیں۔ پندرہ سولہ ڈیرے اور ہوتے ہیں جو باورچی خانہ اور اُسکے متعلقہ اشیا کے کام آتے ہیں اور ان سب کے وسط میں بہت سے عہدہ داروں اور خواجہ سراوں کے ڈیرے ہوتے ہیں۔

سب سے اخیر خاصے گھوڑوں کے واسطے چھ ڈیرے اور ہیں جو نہایت لمبے لمبے ہوتے ہیں۔ اِنکے علاوہ اور بہت سے ڈیرے خاص بادشاہ کی

سواریکے ہاتھیوں اور شکاری حیوانوں اور شکاری جانوروں کے لئے جو ہمیشہ بادشاہ کے ہمراہ رہا کرتے ہیں اور جن سے دونوں مطلب حاصل ہوتے ہیں یعنی شان و شوکت بھی اور سواری کیوقت شکار بھی اور شکاری کتوں اور چیتوں کے لئے جو ہرن اور نیل گاے کو پکڑتے ہیں۔ اور شیروں اور گینڈوں کے لئے جو شوکت دیکھانے کے لئے ہمراہ لاے جاتے ہیں اور بنگالی بھینسوں* کے لئے جو شیر پر حملہ کرتے ہیں اور پلے ہوے ہرنوں کے لئے جو اکثر بادشاہ کے سامنے لڑاے جاتے ہیں۔

خیام شاہی کے مفہوم میں وہ خیمے بھی داخل ہیں جو مختلف کارخانوں وغیرہ سے متعلق ہیں

لفظ خیمہ گاہ شاہی کے سمجھنے کے لئے یہی خیال نہ کرلینا چاہیے کہ جو خیمے اس مربع قطعہ کے اندر ہیں صرف اُنہیں سے یہہ لفظ متعلق ہے بلکہ وہ بہت سے خیمہ جات جنکا ذکر میں ابھی کرچکا ہوں وہ بھی خیمہ گاہ شاہی کے مفہوم میں داخل ہیں اور اس تمام شاہی خیمہ گاہ کے لئے یہہ امر ضروریات سے ہے کہ حتی الامکان اُسکا موقع ہمیشہ سپاہ کے وسط میں ہو۔

خیام شاہی کی شان و شوکت اور عجیب پرشکوہ منظر کا بیان

اب آپ بآسانی سمجھ لینگے کہ یہہ شاہی بارگاہ کس عالیشان و شوکت اور کس کیفیت کی ہے اور جب یہہ عظیم الشان سرخ خیموں کا مجموعہ ایک بڑی سپاہ کے بیچ میں قرب وجوار کی کسی بلندی سے دیکھائی دیتا ہے تو دلپر اُسکی شان و عظمت کا ایک عجیب اثر ہوتا ہے۔ خصوصاً جبکہ لشکر گاہ کا میدان بقدر کافی کشادہ اور اس قسم کا ہو کہ بلا روک ٹوک سپاہ کے سب دستے اپنی اپنی معمولی ترتیب اور قرینہ سے

* ان بھینسوں سے جنگلی بھینسے جنکو ارنا بھینسہ کہتے ہیں مراد ہیں ۱۲ س۔م۔ح

اُسمیں اُتر سکیں۔

لشکر کے بازاروں اور اُنکی شناخت کے ذریعوں کا ذکر

جیسا کہ پہلے ہی بیان ہو چکا ہے سب سے اوّل میر سامان کو یہہ فکر کرنی پڑتی ہے کہ پیش خانہ شاہی کیواسطے ایک معقول موقع انتخاب کرے۔ اور سب خیموں سے خیمہ عام و خاص بلند موقع پر لگایا جاے۔ کیونکہ تمام لشکر کے اُترنیکا انتظام اور ترتیب اِسی کے باقرینہ نصب ہونے پر موقوف ہے۔ پھر وہ شاہی بازاروں کی جہاں سے تمام فوج کو رسد ملتی ہے داغ بیلیں لگواتا ہے۔ بڑا بازار ایک بڑی وسیع سڑک کی شکل پر کبھی عام و خاص کے دائیں اور کبھی بائیں سطور سے لگایا جاتا ہے کہ کُل لشکر کے اخیر سرے تک برابر چلا جاتا ہے۔ اور جہاں تک ممکن ہے ہمیشہ اُس طرف لگایا جاتا ہے کہ جس طرف سی کہ اگلی منزل کے راستہ پر پڑے۔ دوسرے بادشاہی بازار جو عرض و طول میں ایسے نہیں ہوتے اور جنکے رستے اسی بڑے بازار میں سے ہوتے ہیں بارگاہ شاہی کے کوئی ایک طرف اور کوئی دوسری طرف ہوتا ہے۔ اور ہر ایک بازار میں امتیاز اور شناخت کیواسطے ایک ایک نہایت بلند جھنڈا جسمیں سرخ پھریرا اور سرے پر سُورہ گاے کی دُم لگی ہوتی ہے تین تین سو قدم کے فاصلہ پر نصب ہوتا ہے۔

اُمرا کے خیمہ گاہوں اور اُن کے قرینوں وغیرہ کا ذکر۔

اِسکے بعد میر سامان اُمرا کی خیمہ گاہوں کے لئے جگہہ تقسیم کرتا ہے تاکہ ہمیشہ ایک ہی قرینہ اور ترتیب ملحوظ رہے اور ہر ایک امیر کی خیمہ گاہ بارگاہ شاہی سے اپنے اپنے

معمولی فاصلہ پر ہو خواہ دائیں ہو خواہ بائیں اور کوئی شخص اپنی معمولی جگہہ کو جو اُسکے لئے مقرر ہے یا اُس جگہہ کو جو قبل از شروع سفر کسی شخص کی درخواست پر اُسکے واسطے مخصوص ہو چکی ہو بدل نہ سکے۔

جو تعریف کہ مینے اُس بڑے مربع قطعہ کی کی ہے اکثر صورتوں میں وہی تعریف اُمرا اور راجگان کی خیام گاہ پر بھی صادق آتی ہے۔ یہہ لوگ بھی عموماً اُسی طرح دو پیش خانے رکھتے ہیں اور اُنکی خیمہ گاہیں بھی اُسیطور پر قناتوں سے جو اُنکے اور اُن کے زنانوں کے بڑے خیموں کے گرداگرد لگائی جاتی ہیں گھر کر مربع شکل کی ہو جاتی ہیں اور اُن کی اِن مربع صورت کی خیمہ گاہوں کے باہر بدستور اُن کے سرداروں اور سواروں کے ڈیرے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح ایک بازار بھی ہر امیر کی خیمہ گاہ کے متعلق ہوتا ہے جسمیں اُن کی فوج کے دوکاندار اور بہیر کے لوگ چھوٹی چھوٹی پالیں وغیرہ لگاکر گھاس دانہ چاول گھی وغیرہ اجناس بیچا کرتے ہیں اور اسطرح پر اُمرا کے لشکروں میں بادشاہی بازاروں سے جنمیں کُل سامان اور اجناس اکثر مثل پاے تخت کے میسّر آسکتی ہیں کسی شے کی خریداری کی چنداں احتیاج نہیں پڑتی۔ ہر ایک بازار کے دونوں سروں پر ایک ایک جھنڈا مع علیحدہ علیحدہ رنگ کے پھریروں کے جو بلندی میں بادشاہی بازاروں کے جھنڈوں کے برابر ہوتے ہیں استادہ رہتا ہے۔ تاکہ ہر ایک امیر کی خیمہ گاہ دُور ہی سے جُدا جُدا معلوم ہو جاے

اُمرا کو بہت اونچے اور سرخ رنگ کے خیمے رکھنے اور خیام شاہی کیطرف پشت کر کے اپنے خیمے لگوانے کی ممانعت کا ذکر۔

اگرچہ بڑے اُمرا اور بڑے بڑے راجے اُونچے اونچے ڈیرے رکھنا اپنا فخر جانتے ہیں مگر یہہ

ضرور ہے کہ وہ اسقدر اونچے نہ ہوں کہ بادشاہ کی نظر اُنپر پڑجاے اور وہ اُن سے گرا دینے کا حکم دیدے جیسا کہ اُسنے ہمارے اِسی سفر میں کیا تھا۔ اور اسی وجہ سے یہہ بھی ضرور ہے کہ اِن کے خیموں کی بیرونی جانب بھی تمام سرخ نہ ہو کیونکہ یہہ رنگ صرف بادشاہی ڈیروں کے واسطے مخصوص ہے۔ اور شاہی تعظیم اور ادب کے خیال سے یہہ بھی واجب ہے کہ اُمرا کے خیموں کے موُنہہ عموماً عام و خاص اور قیام شاہی کی طرف کو ہیں۔ (یعنی پشت وغیرہ اُس طرف نہ ہونے پاے)

چھوٹے درجہ کے امرا اور [illegible] اہل لشکر کے خیموں وغیرہ کے قرینہ کا ذکر —

باقی زمین جو مابین خیام شاہی اور اُمرا کی خیمے گاہوں اور بازار کے ہوتی ہے اُسمین چھوٹے درجہ کے امیروں اور منصب داروں اور اہل توپخانہ اور ہر قسم کے تاجروں اور دُکان داروں اور مُلکی عہدہ داروں اور اَور اشخاص کے خیمے نصب ہوتے ہیں جو اپنی اپنی اغراض اور مطالب مختلفہ کی وجہ سے لشکر کے ہمراہ رہتے ہیں اور اس سبب سے اس لشکر میں بیحد و نہایت خیمے ہوتے ہیں اور زمین کا ایک بہت ہی بڑا سطح اُنکے کھڑے ہونے کے لئے درکار ہوتا ہے۔

کُل لشکر کے لئے جسقدر زمین درکار ہوتی ہے اُس کا بیان —

اگرچہ کُل اشخاص موجودہ لشکر کی تعداد اور وسعت زمین خیمہ گاہ کی نسبت بعض فرنگستانی سیّاحوں نے بہت مبالغے کئے ہیں مگر اصل یہہ ہے کہ جب کبھی لشکر کا قیام کسی ایسے پڑاو میں بھی ہوتا ہے کہ جسمین ترتیب

معیّنہ کے موافق کُل خیمہ جات بخوبی فراغت سے نصب ہو سکیں تب بھی میرے قیاس میں لشکر کا کُل دَور چھ سات میل سے زیادہ نہیں ہوتا۔ حالانکہ لشکرگاہ کے اندر زمین کے بعض قطعات اکثر یوں ہی خالی اور بے مصرف پڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ البتّہ مجھے اِس جگہہ یہہ بات بھی ظاہر کردینی واجب ہے کہ بھاری توپخانہ جسکو ہمیشہ بہت جگہہ درکار ہوتی ہے عموماً کُل لشکر سے ایک دو منزل آگے چلا جایا کرتا ہے۔

بادشاہی لشکر کے عجیب انتشار اور شور غل کا ذکر ——

علی ہذالقیاس جو عجیب انتشار اور شور و غُل اس لشکر میں ہوا کرتا ہے اور جو کسی نووارد شخص کو حیرانی میں ڈالتا ہے اُسکے بیان میں بھی بہت مبالغہ کیا گیا ہے۔ حالانکہ آپکو اگر تھوڑی سی بھی واقفیّت اِس امر کی ہو کہ اس لشکر میں خیمے کس تفریق و ترتیب سے نصب ہوتے ہیں تو آپ ایک تھوڑی سی دقّت کے ساتھ ہر جگہہ جہاں ضرورت ہو پُہنچ سکیں گے۔

لشکر کے مختص الوضع جھنڈوں اور نشانوں کے رہنما ہونے کا ذکر۔

خیام شاہی اور ہر ایک امیر کے مختص الوضع خیمے اور نشان اور وہ سُورہ گاے کی دُم والے جھنڈے جو بادشاہی بازاروں میں لگتے ہیں۔ اور جو سب بہت دُور سے نظر آتے ہیں۔ چند روز کے تجربہ کے بعد ایسے راہبر ہو جاتے ہیں کہ بھولنے نہیں دیتے۔

منزل پر پہونچنے کے وقت فرودگاہ کے پہچاننے اور اُس تک پہنچنے میں جو کبھی کبھی دقت پیش آتی ہے اُسکا ذکر

مگر واقعی باوجود اِن سب احتیاطوں اور علامات کے بھی کبھی کبھی ڈیرے کے پہچاننے اور

ملنے میں ایک نہایت خلط ملط اور دقت ہوتی ہے خصوصاً فجر کو جب فوج اپنی فرودگاہ پر آتی ہے اور ہر شخص بڑی سرگرمی سے اپنی خیمہ گاہ کی تلاش اور ڈیرہ کرنے کے بندوبست میں مشغول ہوتا ہے اور گرد و غبار کے مارے یہہ سب نشان اور علامتیں بالکل چھپ جاتی ہیں اور بارگاہ شاہی اور مختلف بازاروں اور اُمراء کے خیموں کا پہچاننا اور امتیاز کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ علاوہ بریں وہ خیمے جو نصب کئے جانے کے لئے پھیلاتے ہوتے یا نیم استادہ ہوتے ہیں اکثر رستہ ملنے میں حارج ہوتے ہیں اور نیز وہ طول طویل رسّیاں جو کم درجہ اُمراء اور منصب دار جنکے پاس پیش خیمے نہیں ہوتے اپنی اپنی حدود کے گھیر لینے کو اور بغرض انسداد آمد و رفت عوام اور اس مراد سے (بصورتیکہ اُن کے قبائل ساتھ ہوں) کہ اُن کے قریب کوئی غیر شخص ڈیرہ نکر سکے بندھوا دیتے ہیں بڑی سدّراہ ہوتی ہیں۔ کیونکہ اُنکے نوکر چاکروں کی ایک فوج ہاتھوں میں ڈنڈے لئے نگہبانی کے لئے کھڑی رہتی ہے جو ان رسّیوں کو نہ تو سرکانے ہی دیتے ہیں اور نہ نیچا کرنے دیتے ہیں اور لامحالہ اُلٹے پاؤں پھرنا پڑتا ہے اور اس عرصہ میں جو اس طرف راستہ لینے میں بیفائدہ سعی ہوتی رہتی ہے دوسری طرف کا راستہ بھی بند ہو جاتا ہے۔

اب اونٹ لدے کھڑے ہیں اور اُن کے نکال لیجانے کی بجز اسکے کوئی سبیل نہیں ہے کہ اُن نوکر چاکروں کو دھمکائیے بھی اور منت سماجت بھی کیجئے اور سمجھانے بوجھانیکے ساتھ کبھی ایسا غصہ دکھلائیے کہ

گویا تم اُن کو ابھی پیٹ ڈالو گے مگر کسیکو ہاتھ تک لگانا نہیں چاہیئے۔ اور دونوں طرف کے نوکروں چاکروں کے باہم اوّل ایک سخت قال و مقال پیدا کرکے پھر اُن کو یہہ ڈرا وا دینا چاہیئے کہ اِس حرکت کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ اور اِس طرح پر اُن کے باہم صُلح کرا کر وقت کو غنیمت جانیئے اور اپنے اونٹ نکال لیجائیے۔

شام کیوقت دھوئیں کی کثرت سے اِدھر اُدھر جانے میں جو دقت پیش آتی ہے اُس کا ذکر—

شام کیوقت جب کسی کام کے لیئے کچھ دُور جانا پڑتا ہے تو حقیقت میں کمال دقّت ہوتی ہے کیونکہ اسوقت عوام الناس اپنا اپنا کھانا پکاتے ہیں اور اکثر اُپلے اور اُونٹوں کی مینگنیاں اور گیلی لکڑیاں جلاتے ہیں اور اِن کے بیحد و شمار چولھوں کا دُھواں خصوصاً جبکہ ہوا کم ہو نہایت مکروہ اور ناگوار ہوتا ہے اور آسمان بالکل تیرہ و تار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ میں بھی تین چار بار اس دھوئیں کے سمندر میں پھنس گیا تھا اور ہرچند راستہ دریافت کرتا تھا مگر نہیں ملتا تھا اور اگرچہ اِدھر اُدھر بہت سا چکر آتا پھر اگر کچھ معلوم نہ ہوتا تھا کہ کدھر جاتا ہوں اور ایک مرتبہ تو ایسا ہوا کہ دھوئیں کے موقوف ہونے اور چاند کے نکلنے تک ایک جگہہ توقف کرنا پڑا اور پھر ایک دوسری مرتبہ میں بڑی مشکل سے اکاس دیئے تک پہنچا اور مع

اکاس دیا اور اُسکے فوائد کا ذکر

اپنے گھوڑے اور سائیس کے اُسی کے نیچے رات بسر کی— یہہ اکاس دیا جہاز کے ایک بڑے مستول کی مانند مگر نہایت نازک اور پتلا ہوتا ہے جسکے اُتارتے وقت الگ الگ تین ٹکڑے ہو جاتے ہیں یہہ بارگاہ شاہی کی طرف نقارخانہ کے قریب لگایا جاتا ہے۔ اور

رات کیوقت اسکی چوٹی پر ایک قندیل لٹکتی رہتی ہے - یہہ نہایت ہی مفید چیز ہے - کیونکہ اس دھواں دھار تاریکی میں جب کچھ نظر نہیں آتا تو یہہ دیکھائی دیتا ہے اور جو لوگ راستہ بھول جاتے ہیں وہ یا تو اسی کے نیچے چوروں سے امن میں رات کاٹ لیتے ہیں یا وہاں پہنچکر پھر اپنے ڈیرے کا ڈھونڈ دھانڈ کر پتا لگا لیتے ہیں -

لفظ آکاس دیا کا ترجمہ آسمانی روشنی کے لفظ کے ساتھ ہوسکتا ہے کیونکہ حقیقت میں یہہ قندیل دور سے ستارہ سا چمکتی ہوئی معلوم ہوتی ہے

بادشاہی لشکر میں چوری کے انسداد کا جو انتظام ہے اُس کا ذکر -

انسداد وزدی کیواسطے ہر ایک امیر اپنے اپنے خیمہ پر چوکیدار رکھتا ہے جو رات کو برابر ڈیرے کے آس پاس گشت کرتے "خبردار خبردار" پکارتے رہتے ہیں - اسکے علاوہ تمام فوج کے گرد اگرد پان پانسو قدم کے فاصلہ پر پہرہ والے ہوتے ہیں جو اپنے پاس آگ جلائے رکھتے اور "خبردار خبردار" پکارتے رہتے ہیں - اس احتیاط کے علاوہ کوتوال ہر ایک طرف اپنے برقنداز بھیجتا ہے جو خاص کر بازاروں کی زیادہ تر خبرگیری کرتے اور شور و غل کے علاوہ نرسنگا بھی بجاتے رہتے ہیں - مگر باوجود ان سب احتیاطوں اور خبرداریوں کے چوری اکثر ہوتی رہتی ہے اسلئے مقتضائے احتیاط یہہ ہے کہ ہمیشہ بڑی خبرداری اور چستی سے رہنا چاہیئے اور اپنے ملازموں کی حفاظت اور بیداری پر زیادہ بھروسہ نرکھنا چاہیئے اور رات کو اوّل وقت کچھ آرام کر لینا چاہیئے تاکہ باقی ماندہ رات کو حفاظت کیواسطے گنجایش ہو -

بادشاہ کی سواری کے طریقہ کا بیان

اب میں شہنشاہ کے سفر کرنے کے وہ مختلف طریقے جو اُسنے اس موقع پر اختیار کئے تھے بیان کرتا ہوں۔

تخت رواں کا ذکر

اکثر اوقات بادشاہ تخت رواں پر سوار ہوتا ہے۔ جسکو کہار اُٹھاتے ہیں۔ یہ تخت ایک قسم کا مکلّف چوبیں بنگلہ ہوتا ہے جسکے روغن کاری اور مُلمّع کے ستون اور آئینہ دار کھڑکیاں ہوتی ہیں جو تیز ہوا اور بارش وغیرہ کے وقت بند کیجاتی ہیں۔ اِس تخت کے چاروں ڈنڈے جو کہاروں کے کاندھے پر ہوتے ہیں تیز رنگ کی سُرخ بانات یا کمخواب سے منڈھے ہوتے اور زری اور ریشم کی نہایت کامدار جھالر سے آراستہ اور سجے ہوئے ہوتے ہیں اور ہر ایک ڈنڈے کو دو مضبوط اور خوش پوشاک کہار لگے رہتے ہیں جنکی بدلی کے واسطے نوبت بہ نوبت اور آٹھ کہار موجود رہتے ہیں۔

کبھی بادشاہ گھوڑے پر سوار ہوتا ہے۔ خصوصاً جب موسم موافق اور قابل شکار کے ہو اور کبھی ہاتھی پر میگھ ڈنبر یا ہودے میں بیٹھ کر سفر کرتا ہے جو نہایت ہی شاندار اور باشوکت سواری ہے۔ کیونکہ اُسکی جھول ایسی عمدہ اور ساز و سامان اس قدر قیمتی اور مرصع اور زرق برق کا ہوتا ہے کہ اُسکی زیبایش پر کوئی چیز فوق نہیں لیجا سکتی۔

ہاتھی کے میگھ ڈنبر اور ہودے کا بیان

میگھ ڈنبر روغنکاری اور مُلمّع کا ایک چھوٹا سا چوبی بنگلہ مربع شکل کا سمجھنا چاہیئے۔ اور ہودا بیضوی شکل کی ایک نشست ہے جسکے سنہری اور نہایت منقش ستونوں پر ایک نہایت مکلّف شامیانہ ہوتا ہے۔

کوچ کے وقت امرا اور راجے بادشاہ کے ساتھ جسطرح سے چلتے ہیں اُس کا بیان

ہر ایک کوچ میں بادشاہ کے ہمراہ بہت سے اُمرا اور راجے ہوتے ہیں جو بہت قریب قریب اُسکے پیچھے گھوڑوں پر چلتے ہیں اور بطور ایک بے ترتیب مجمع کے سب کے سب باہم اِس طرح ملے جُلے چلتے ہیں جنمیں چنداں لحاظ کسی قاعدہ کا نہیں ہوتا۔ کوچ کے روز علی الصباح سب اُمرا باستثنا اُن کے جن کی عمر زیادہ ہو یا اُن کا عُہدہ ہی مقتضی اِس استثنا کا ہو خیمہ عام وخاص میں جمع ہوتے ہیں اور اِس کوچ سے اُمرا کو بہت کوفت اور ماندگی ہوتی ہے خصوصاً شکار کے دن کیونکہ اُنکو اِس حالت میں اکثر اوقات سہ پہر یعنی تین بجے تک برابر دُھوپ اور گرد میں عام سپاہیوں کی مانند حیران ہونا پڑتا ہے۔

امرا بادشاہ سے علیحدہ جس لطف سے منزل طے کرتے ہیں اُسکا بیان۔

مگر یہہ آسایش پسند اُمرا جب بادشاہ کے ہمرکاب نہیں ہوتے تو اَور ہی طرح سفر کرتے ہیں اور نہ تو اُن کو دُھوپ ہی ستاتی ہے اور نہ گرد ہی بلکہ حسب پسند طبع بند یا کُھلی پالکی میں ایسے جاتے ہیں جیسے پلنگ پر لیٹے ہوے اور بلا دِقت آرام سے سوتے ہوے اپنے خیمہ میں جا پہنچتے ہیں جہاں اُن کو یقیناً عمدہ کھانا اور ہر ایک ضروری چیز تیار ملتی ہے۔ کیونکہ یہہ سب سامان رات کو کھانا کھانے کے بعد فوراً آگے کو روانہ کردیا جاتا ہے

سواری کے وقت جو گرزبردار امرا اور بادشاہ کی سواری کے ساتھ رہتے ہیں اُن کا ذکر ——

سواری کی حالت میں ان اُمرا کے گرد وپیش بہت سے سوار جنکو گرزبردار کہتے ہیں اور

جن کے پاس چاندی کا گُرز ہوتا ہے سب طرح سے ساز و سامان سے درست موجود رہتے ہیں۔

بہت سے گُرز بردار بادشاہ کے بھی ہمرکاب ہوتے ہیں جو آگے آگے دائیں اور بائیں پیدلوں کے ایک بڑے جمگھٹ کے ساتھ چلتے ہیں۔ گُرز بردار چیدہ اور وجیہ جوان ہوتے ہیں اور حکام اور فرامین شاہی وغیرہ اُن کے ہاتھ بھیجے جاتے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں بڑے بڑے عصا ہوتے ہیں اور بادشاہ کی سواری کے آگے سے لوگوں کو ہٹاتے رہتے ہیں تاکہ راستہ صاف ملے۔

راجاؤں کی سواریوں کے بعد قور جس طریقہ سے چلتا ہے اسکا بیان

راجاؤں کی سواریوں کے بعد قور* چلتا ہے جسمیں بہت سی شہنائیں اور نقارے بھی ملے ہوئے چلتے ہیں۔ اس قور میں جیسا کہ مینے پہلے بیان کیا ہے چاندی کی بنی ہوئی بہت سی مختلف الوضع چیزیں بھی جو ایک چاندی کی لمبی چوب پر

---

* قُور (قُ وُ ر) بمعنی ہتھیار ترکی لفظ ہے اور اس سے بادشاہی سلح خانہ مُراد ہے۔ آئین اکبری میں لکھا ہے کہ شہنشاہ اکبر نے یہ آئین باندھا تھا کہ مختلف قسم کے سلاحات مثلاً تلوار نیزہ خنجر کمان جمدھر کٹار وغیرہ جیسے کہ اُسوقت مروج تھے روزمرہ ایک مقررہ تعداد کے موافق منصب داروں اور احدیوں کی ایک جماعت کو اس مطلب سے سپرد رہتے تھے کہ بادشاہ سفر اور حضر میں جسوقت چاہے اُن میں سے کوئی ہتھیار لیکر خواہ خود استعمال کرے خواہ ہم وقت کے موافق کسی سردار یا سپاہی کو حسب ضرورت بخش دے اور سفر کے وقت جب یہ سلح خانہ چلتا تھا تو شان و شوکت دیکھانے کے لیے سامان جلوس شاہی یعنی نشانوں اور ماہی مراتب اور نقاروں وغیرہ کے ساتھ مِل جُل کر چلتا تھا گو دراصل یہ کارخانے قور سے علحدہ تھے۔

س۔م۔ح

نصب کی ہوئی ہوتی ہیں شامل ہو کر چلتی ہیں۔ جنمیں سے بعض تو عجیب عجیب جانوروں کی صورت کی ہیں بعض ہاتھ کے پنجے اور ترازو اور مچھلی وغیرہ اور بعض اور بعید الفہم اشیا کی شباہت کی۔

توپخانہ کے بعد منصب داروں کا جو غول آتا ہے اُس کا بیان۔

اِس کے پیچھے ایک بڑا غول منصب داروں یعنی کم درجہ کے اُمرا کا آتا ہے جو ہتھیار سجائے عمدہ گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ یہہ لوگ اُن اُمرا سے جو بادشاہ سے پیچھے چلتے ہیں تعداد میں کہیں زیادہ ہیں۔ کیونکہ اُن منصب داروں کے علاوہ جنکو اپنے پہرہ کی وجہ سے علی الصباح بادشاہی خیمہ پر بادشاہ کی ہمرکابی کے لئے جمع ہونا ضرور ہے اَور بھی بہت سے منصب دار اِس غرض سے شریک جلوس سواری ہو جاتے ہیں کہ بادشاہ کی زیر نظر رہکر کچھ ترقی حاصل کریں۔

بیگمات کی سواری کی چیزوں اور اُنکی زیب و زینت کا بیان۔

شہزادیاں اور محل کی بڑی بڑی بیگمیں بھی کئی قسم کی سواریوں میں چلتی ہیں جنمیں سے کسی کو تو چوڈول پسند ہے جسکو کہار اُٹھاتے ہیں اور تخت رواں سا ہوتا ہے اور جسپر مُلمع اور روغنکاری کا کام بنا ہوا ہوتا ہے اور رنگا رنگ کے ریشمین خوشنما گھٹا ٹوپ پڑے ہوئے اور زری کی جھالریں اور خوبصورت پھندنے وغیرہ ٹکے ہوئے ہوتے ہیں۔ بعض عمدہ عمدہ پالکیوں میں جو چوڈولوں کی طرح خوب سجی سجائی ہوتی ہیں سوار ہوتی ہیں۔ اور بعض شاہزادیاں بڑے بڑے محملوں میں جو دو مضبوط اُونٹوں یا دو چھوٹے ہاتھیوں کے بیچمیں معلق ہوتے

ہیں جاتی ہیں۔ چنانچہ مینے کبھی کبھی روشن آرا بیگم کو محمل میں سوار دیکھا ہے اور کئی بار یہہ بھی دیکھا ہے کہ محمل کے آگے کی جانب جو کھلی ہوئی تھی ایک نوجوان خوش لباس لونڈی بیٹھی ہوئی گرد اور مکھیوں کے دور کرنے کے لئے بیگم صاحبہ کو مورچھل کر رہی تھی۔ بیگمیں اکثر ہاتھیوں پر بھی سوار ہوتی ہیں جنکے بڑے بڑے چاندی کے گھنٹے پڑے ہوے اور بڑی قیمتی ساز و سامان سے سجے ہوے ہوتے ہیں۔ اور جنکی جھولیں وغیرہ نہایت زرق برق اور بیش قیمت اور وہ آرائشی چیزیں جو جھول وغیرہ میں لٹکائی جاتی ہیں نہایت عمدہ زردوزی کام کی ہوتی ہیں۔ یہہ حسین اور ممتاز بیگمیں اپنی میگھڈنبروں میں بیٹھی ہوئی یوں دیکھائی دیتی ہیں گویا ہوا میں پریاں اُڑی جاتی ہیں اور ہر ایک میگھڈنبر میں آٹھ عورتیں بیٹھ سکتی ہیں۔ چار ایک طرف چار دوسری طرف اور میگھڈنبر کے ہر ایک خانہ پر ریشمین جالی کا غلاف پڑا ہوا ہوتا ہے۔ اور چوڈول اور تخت رواں کی شان و شوکت اور زرق برق سے کسی طرح کم نہیں ہوتا۔ اور بیگمات کی سواریوں کا تجمل اسقدر دلچسپ ہے کہ اس سفر میں یہہ تماشا میرے لئے بدرجہ غایت کشش دلی کا باعث رہا ہے اور اُسکی یاد اور خیال سے اب بھی طبیعت کو ایک مسرت حاصل ہوتی ہے

روشن آرا بیگم کی سواری کے جلوس کا ذکر۔

چنانچہ آپ اپنے خیال کو خواہ کیسی ہی وسعت اور طول دیجئے مگر روشن آرا بیگم کی سواری سے

زیادہ کوئی دلچسپ اور اعلیٰ درجہ کا تماشا قیاس میں نہ آئیگا۔ یہہ بیگم بیگو کے ایک بہت عمدہ اور بڑے قد آور ہاتھی پر ایسے میگڈنبر میں سوار ہوتی ہے جسکی سنہری اور لاجوردی رنگتوں کی چمک دمک قابل دید ہے اُسکے ہاتھی کے پیچھے پانچ چھ اور ہاتھی چلتے ہیں جنپر اُسکے محل کی معزز عورتیں ہوتی ہیں۔ اور اُن کے میگڈنبر بھی شان اور خوبصورتی میں روشن آرا بیگم کے میگڈنبر جیسے بلکہ قریباً ویسے ہی ہوتے ہیں۔ شاہزادی کے قریب بڑے بڑے اور خاص خاص خواجہ سرا بھاری بھاری پوشاکیں پہنے ہوے نفیس گھوڑوں پر سوار ہاتھوں میں چھڑیاں لیئے ہوے چلتے ہیں اور اُسکے ہاتھی کے اِرد گرد ایک رسالہ کشمیری اور تاتاری عورتوں کا ہوتا ہے جو بڑے بناؤ سنگار کیے ہوے خوبصورت اور بادپا گھوڑوں پر سوار ہوتی ہیں اِن کے علاوہ اور بہت سے خواجہ سرا گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں جنکے ساتھ ایک بڑی بھیڑ پیدل ملازموں کی ہوتی ہے جو ہاتھوں میں بڑی بڑی چھڑیاں لیئے ہوے شاہزادی کی سواری کے دائیں بائیں بہت دُور آگے اِس مُراد سے چلتے ہیں کہ راستہ کو صاف اور کھلا رکھیں اور ہر ایک شخص کو جو سامنے آجاے ہٹاتے جائیں۔

بڑی بیگم اور اور بیگموں کی سواریوں کا ذکر۔

روشن آرا بیگم کی سواری کے ساتھ ہی محل کی بڑی بیگم کی سواری نمودار ہوتی ہے اور قریباً یہی سب تکلّفات اُسمین بھی ہوتے ہیں۔ غرضکہ اِسی طرح پندرہ سولہ بڑی بڑی بیگمیں شان و شوکت اور دھوم دھام کے ساتھ جو اُن کے مرتبہ اور

مشاہرہ اور منصب کی مناسبت سے کم زیادہ ہوتی ہے گزرتی ہیں

بیگمات کی سواریوں کی شان وشوکت اور دلچسپی کا ذکر

ان ۶۰ ۷۰ ہاتھیوں کا وہ تول تول کر قدم رکھنا اور میگڈنبروں کی وہ چمک دمک اور نہایت خوش لباس اور بے شمار ہمراہیوں اور خدم وحشم کا انبوہ کثیر واقع میں دیکھنے والے کے دل پر شاہی شان وشوکت کا ایک عجیب اثر ڈالتا ہے اور اگر میں ان سب دلفریب سامانوں کو فلسفیانہ بے اعتنائی کی نظر سے نہ دیکھتا تو بیشک میں بھی انہیں ہندستانی کبیشروں کی مانند جو استعارے کے طور پر یہہ کہتے ہیں کہ یہہ شاہزادیاں نہیں بلکہ دیویاں ہیں جو ہاتھیوں پر میگڈنبروں میں بیٹھی ہوئی خلایق کی نظروں سے پوشیدہ جا رہی ہیں اپنے خیالات کی بلند پروازی کا مغلوب ہو جاتا ۔

جو سخت انتظام بیگموں کی سواری کے نزدیک نجانے کے باب میں ہے اسکا اور ایک اپنے گزرے ہوے معاملہ کا ذکر

اور واقعی نہایت مشکل ہے کہ کوئی متنفس ان بیگمات کے نزدیک جا سکے اور گویا محال ہے کہ وہ انسان کو نظر آسکیں پس وای بر حال اُس سوار کے جو کسی اتفاق سے بیگمات کی سواری کے نزدیک جا نکلے کیونکہ یہہ شخص خواہ کیسا ہی ذی رتبہ کیوں نہ ہو خواجہ سراؤں اور خواصوں وغیرہ کے ہاتھ سے پٹے بغیر نہیں رہ سکتا اور یہہ لوگ ایسے موقع پر بڑے شوق سے اُسکی خوب ہی گت بناتے ہیں ۔ چنانچہ میں ایسی جلدی نہیں بھول سکتا کہ ایکبار میں بھی اِس بلا میں پھنس گیا تھا اور ہزار دقّت و مشکل اُس بیرحمانہ سلوک سے نجات پائی تھی جسمیں بہت سے سوار پھنس چکے

تھے - مینے یہہ ٹھان لی تھی کہ خواہ کچھ ہی ہو ایک خوب مقابلہ کیے بغیر میں اُن سے مار نہیں کھانے کا - پس مینے اپنی تلوار کھینچ لی اور خوش نصیبی سے میرا گھوڑا بھی مضبوط اور بہت جاندار تھا اور اِس طرح پر اُس قابل ہوگیا کہ تیغ بکف اُن حملہ آوروں کی بھیڑ کو چیر کر نکل گیا اور ایک نیم زدہ ندی میں جو سامنے تھی گھوڑا ڈال کر پار اُتر گیا -

حقیقت یہہ ہے کہ تمام فوج میں یہہ بات ایک مثل کیطرح مشہور ہے کہ تین موقعوں سے نہایت بچنا اور احتیاط کرنا واجب ہے - **اوّل** خاصے اور کوتل گھوڑوں میں جا گھسنے سے جہاں دولتیاں اور شکنین بیحساب ہیں **دویم** شکار گاہ میں جا داخل ہونے سے - **سویم** بیگمات شاہی کی سواری کے قریب جا رہنے سے - ! اور ایران میں تو یہہ تیسری صورت سب سے بُری ہے - کیونکہ میں سنتا ہوں کہ اگر وہاں کوئی شخص خواجہ سراؤں کو اتنے فاصلہ پر بھی نظر پڑ جاے کہ جہاں سے بیگمات تک ایک میل کا فاصلہ ہو تو اُس غریب کی جان نہیں بچ سکتی اور یہہ ضرور ہے کہ جس شہر اور گانو میں ہوکر بیگمات کی سواری نکلے وہاں کے تمام مرد اپنے اپنے مقام و مسکن کو چھوڑ کر بہت فاصلہ پر بھاگ جائیں -

بادشاہ کے شکار کھیلنے کے طریقہ کا ذکر -

اَب میں کچھ بادشاہ کے شکار کا بیان کرتا ہوں ! میری سمجھ میں کبھی نہ آتا تھا کہ شہنشاہ مغلیہ ایک لاکھ آدمی کے لشکر کے ساتھ کسطرح شکار کھیل سکتا ہے - لیکن بلا شک ایک خاص صورت ہی جسکے سبب سے دو لاکھ بلکہ اِس سے بھی زیادہ فوج کے

ساتھ شکار کھیل سکتا ہے - چنانچہ وہ صُورت یہہ ہے کہ آگرہ اور دہلی کے
نواح میں دریاے جمنا کے کنارے کوہستان تک اور اُس
شاہراہ کے دونوں جانب جو لاہور کو جاتا ہے زمین کا ایک بڑا حصّہ بنجر پڑا
ہوا ہے جو جنگلی درختوں اور جھاڑیوں اور مختلف الاقسام گھاس سے جو
دو دو گز اونچی ہے ڈھکا رہتا ہے - اور اُن سب زمینوں کی بڑی نگرانی
سے محافظت کیجاتی ہے - اور سواے تیتر بٹیر اور خرگوش کے جنکو
ہندوستانی لوگ جال سے پکڑتے ہیں کوئی شخص خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو
شکارگاہ میں جاکر کسی قسم کے شکار کو جو احتیاط اور حفاظت کی وجہ سے
بیشمار ہے نہیں چھیڑ سکتا - جب کبھی بادشاہ شکار کو جاتا ہے تو وہ شکاری جسکے
ضلع کے قریب ہوکر لشکر شاہی کا گزر ہو حاضر ہوکر میر شکار شاہی کو اپنے
علاقہ کے مختلف القسم شکاروں کے حالات اور اُس جگہہ کے احوال سے
جہاں شکار بافراط موجود ہو مطّلع کرتا ہے اور اُسکے اِطّلاع دینے پر شکار گاہ
کے ناکوں اور خاص خاص موقعوں پر پہرے بٹھا دیئے جاتے ہیں
تاکہ وہ قطعے جو منتخب کئے گئے ہیں کامل طور پر محفوظ رہیں - یہہ قطعات
کبھی کبھی دس دس میل کے وسعت میں ہوتے ہیں اور اُس شکار گاہ
سے کہ جہاں بادشاہ شکار کھیلا چاہتا ہے اہل لشکر کوچ کے وقت دائیں
یا بائیں کو اِس طرح پر بچکر چلتے ہیں کہ بادشاہ بغیر کسی طرح کی دقّت کے
صرف اُس قدر اُمرا اور لوگوں کے ساتھ جنکو اجازت دیگئی ہو شکار گاہ کے
اندر بلا ہرج مرج داخل ہوکر بخوبی و اطمینان تمام انواع و اقسام کے شکاروں

ہے جیسا جیسا کہ موقع اور حالت ہو محظوظ و مسرور ہوتا ہے

چیتے وغیرہ کے شکار کا ذکر

اب میں اوّل یہہ بیان کرتا ہوں کہ سدھائے ہوئے چیتوں سے ہرن کا شکار کسطرح کیا جاتا ہے مجھکو یاد ہے کہ مینے کسی اور موقع پر آپکو لکھا تھا کہ ہندوستان میں سینگ والے ہرن بکثرت ہیں جو ہمارے مُلک کے اُس قسم کے ہرن سے جسکو فان[1] کہتے ہیں بہت مشابہ ہیں اور اِن کی ڈاریں ہوتی ہیں جن میں اکثر پانچ چھ ہرن سے زیادہ نہیں ہوتے - اور ایک نر ہرن ڈار کے پیچھے چلتا ہے جو اپنے رنگ سے بآسانی پہچانا جاتا ہے -

اب شکار کا طریقہ سُنیے کہ ہرنوں کی ڈار کے نظر پڑتے ہی ایک چیتے کو جو ایک چھوٹی سی گاڑی پر زنجیر سے بندھا رہتا ہے وہ ڈار دکھلا دیتے ہیں اور یہہ سیانا اور مکار جانور فوراً اُسکی طرف نہیں دوڑ پڑتا بلکہ ایک بڑی احتیاط سے اُنکے اِرد گرد چھپ چھپ کر اور دبک دبک کر چلتا ہے اور اِس طریق سے بے معلوم ایسا نزدیک جا پہنچتا ہے کہ پانچ ہی چھ جستوں میں جنکی لعبید القیاس سُرعت اِس جانور میں مشہور ہے اُن کے پکڑ لینے کا قابو بخوبی حاصل کر لیتا ہے اور اگر اپنے حملہ میں کامیاب ہوتا ہے تو معاً شکار کے خون اور دل و جگر سے پیٹ بھر لیتا ہے - اور اگر وار خالی جاتا ہے (چنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے) تو پھر دوسرا حملہ نہیں کرتا بلکہ چپکا کھڑا ہو جاتا ہے ! فی الواقع اس امر میں کوشش کرنا کہ سیدھی

---

[1] فوان Fawn

اور دراصل دوڑ میں چیتا ہرن کو پکڑے بیفائدہ ہے کیونکہ ہرن چیتے سے بہت تیز رَو اور دُور دم ہوتا ہے ! چیتے بان کو اُسکے پھر پکڑ کر گاڑی پر بٹھا دینے میں کچھ دقّت نہیں اُٹھانی پڑتی چنانچہ آہستگی سے اُسکے پاس جاکر چمکارتا اور دو ایک گوشت کے ٹکڑے آگے ڈالکر اور آنکھیں بند کرکے زنجیر سے باندھ دیتا ہے -

اِسی سفر میں ایک چیتے نے اتفاقاً ہم لوگوں کو ایک عجیب اور حیرت افزا تماشا دکھلایا یعنی ایک روز جو ہرنوں کی ایک ڈار فوج کے درمیان ہو کر نکل بھاگی جیسا کہ اکثر ہوا کرتا ہے تو اتفاقاً دو چیتوں کے بہت ہی قریب ہو کر نکلی جو حسب معمول گاڑیوں پر زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے اور اُن میں سے ایک نے جسکی آنکھیں بند نہ تھیں ایک ایسی تیز جھپٹ کی کہ زنجیر توڑ کر ہرنوں کے پیچھے دوڑ پڑا - لیکن کسیکو پکڑ نہ سکا لوگوں کی دُوڑ دہک اور تعاقب سے مجبور ہو کر یہہ ہرنوں کی ڈار جو پھر پیچھے کو ہٹی اور ایک ہرن اُسی چیتے کے پھر قریب ہو کر نکلا تو اُسنے باوجودیکہ بہت سے گھوڑے اور اُونٹ بیچ میں حائل تھے جھپٹ کر اُسکو پکڑ لیا اور اِس سے یہہ عام مقولہ کہ "چیتا اپنے شکار پر جو اوّل دفعہ کی جھپٹ سے بچ جاے پھر نہیں دوڑتا" غلط ثابت ہو گیا -

نیل گاے کے شکار کرنیکا طریقہ بہت دلچسپ نہیں ہے - اِن کو بڑے بڑے وسیع جالوں میں گھیر کر بتدریج اُن کے دائرہ کو تنگ کرتے جاتے ہیں اور جسوقت اُسکی وسعت بہت کم رہجاتی ہے تو بادشاہ اُمرا اور شکاریوں کو ساتھ لیکر اُسمیں داخل ہوتا ہے اور اُنکو تیر اور برچھی اور تلوار اور قرابین سے

مار لیتے ہیں اور کبھی کبھی یہہ جانور اسقدر مارے جاتے ہیں کہ بادشاہ اُن کا گوشت تحفہ کے طور پر سب اُمرا کے لیے بھیجتا ہے۔

کونجوں کے پکڑنے کا عجیب اور قابل دید طریقہ ہے اور اُن کی اُس جرأت کے دیکھنے سے جو وہ اپنے بچاؤ اور حفاظت کے لئے شکاری پرندوں کے مقابلہ میں دکھاتی ہیں بڑا لطف حاصل ہوتا ہے حتیٰ کہ کبھی کبھی وہ اپنے حریف کو مار بھی لیتی ہیں لیکن سست پروازی کی وجہ سے جو پھُرتی کے ساتھ اِدھر اُدھر نہیں پھر سکتیں دشمنوں سے جنکی تعداد دمبدم بڑھائی جاتی ہے مغلوب ہو جاتی ہیں لیکن ان سب شکاروں میں شیر کا شکار صرف خطرناک ہی نہیں بلکہ خاص بادشاہی شکار ہے کیونکہ بجز خاص اجازت کے جو کسی امیر کو دیجاے بادشاہ اور شہزادوں کے سوا اِس شکار میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا اِسکے شکار کے لئے سب سے پہلے یہہ ترکیب کیجاتی ہے کہ شکاری لوگ جب یہہ معلوم کر لیتے ہیں کہ شیر فلاں جگہہ آکر سوتا ہے تو وہاں ایک گدھا باندھ دیتے ہیں جس بدنصیب کو شیر پھاڑ کھاتا ہے اور چونکہ یہہ اُسکے پیٹ بھرنے کو کافی ہوتا ہے پھر وہ کسی اور شکار کی تلاش نہیں کرتا اور بغیر اسکے کہ کسی بیل یا بھیڑ بکری یا کسی چرواہے کو ستاے پانی کی تلاش میں جاتا اور پانی پیکر پھر اپنی اُسی آرامگاہ پر آجاتا ہے اور اگلی فجر تک پڑا سویا کرتا ہے چنانچہ شکاری لوگ چند روز تک یہی حکمت اُسکے ایک ہی جگہہ پر مائل رہنے کے لیے کرتے رہتے ہیں اور جب بادشاہ کے قریب پہنچنے کی اطلاع ملتی ہے تو وہ ایک اور گدھا جسکے حلق میں بہت سی افیون ٹھوس دیجاتی ہے

اُسی موقع پر جہاں اسقدر گدھے قربانی ہو چکے تھے باندھ دیتے ہیں اور یہہ آخری دعوت بیشک اِس مُراد سے ہوتی ہے کہ شیر کھا پیکر سُکھ کی نینْد سو جاے - اِس کے بعد یہہ تدبیر کیجاتی ہے کہ قرب وجوار کے گنْواروں کو جمع کر کے بڑے بڑے وسیع جال جو خاص اِسی کام کے واسطے بنائے ہوے ہوتے ہیں تنوا دیئے جاتے ہیں اور جیسا کہ نیل گاے کے شکار میں کیا جاتا ہے اِن کو بتدریج کھینچ کھینچکر اُنکی دائرہ کی وسعت کو تنگ کرتے جاتے ہیں اور جب سب سامان اِس طرح تیار ہو جاتا ہے تو بادشاہ ایک ہاتھی پر جسپر فولادی پاکھر پڑی ہوئی ہوتی ہے مع میر شکار اور چند فیل نشین امیروں اور بہت سے گرزبردار سواروں اور پیدل شکاریوں کے جنکے ہاتھ میں چھوٹی چھوٹی برچھیاں ہوتی ہیں جلدی سے جال کے باہر کی طرف ٹھہر کر شیر پر ایک بڑی بندوق سے فیر کرتا ہے - اب شیر جو اپنی عادت معہودہ کے موافق زخم کھا کر ہاتھی پر جھپٹتا ہی تو جال میں اُلجھ کر رہجاتا ہے اور بادشاہ پیہم گولیاں مارکر اُسکو مار لیتا ہے -

اِسی سفر کے ایک شکار میں ایکبار ایسا اتفاق ہوا کہ ایک بپھرا ہوا شیر جال پر سے کُود کر ایک سوار پر جا پڑا اور اُسکے گھوڑے کو مار ڈالا اور اِس طرح پر کُچھ دیر کے لئے جان بچا کر بھاگ گیا مگر شکاریوں نے تلاش اور پیروی کر کے ڈھونڈھ ہی لیا اور پھر جال سے جا گھیرا ! شیر کے بھاگ جانیکی اِس واردات سے تمام فوج کو نہایت دقّت اور پریشانی اُٹھانی پڑی یہانتک کہ ہم تین چار روز تک برابر ایک ایسی سرزمین میں سرگرداں رہے جسمیں

پہاڑوں سے ندّیاں اور نالے آ کر گرتے تھے اور تمام میدان جھاڑیوں اور اونچی اونچی گھاس سے جسمیں اُونٹ تک چھپ جائیں ڈھکا ہوا تھا کچھ بازاروں کا بندوبست بھی نہ ہوا تھا اور کوئی شہر اور بستی بھی نزدیک نتھی پس وہ لوگ بڑے ہی خوش نصیب تھے جو اس پریشانی اور سرگردانی میں کسی طرح کچھ اپنی گرسنگی رفع کر سکے ! کیا اب میں آپکو اس نالایق مقام میں غیر ضروری توقّف کا اصلی سبب بھی بتا دوں؟ لو بتائے دیتا ہوں۔ آپکو خوب جان لینا چاہیئے کہ جب بادشاہ ایک شیر مارتا ہے تو یہاں اسکو بڑی مبارک فال سمجھا جاتا ہے اور اِسکے برعکس اگر شیر بچ جاوے تو بیحد و نہایت بدشگونی اور سلطنت کیواسطے بڑی بدفالی خیال کیجاتی ہے اسلئے شیر کے شکار کا انجام حسب دلخواہ ہوتا ہے تو اِس مبارک تقریب میں بڑے اہتمام اور تکلفات عمل میں لائے جاتی ہیں چنانچہ بادشاہ ایک عام دربار کرتا ہے جسمیں سب اُمرا حاضر ہوتے ہیں اور مارا ہوا شیر بادشاہ کے حضور میں لایا جاتا ہے اور جب اُسکی لاش بڑی احتیاط سے ناپ لی جاتی ہے اور بڑی تفصیل اور باریک بینی سے اُسکا امتحان اور ملاحظہ ختم ہو لیتا ہے تو بادشاہی دفتر میں لکھکر رکھا جاتا ہے کہ فلاں بادشاہ نے فلاں تاریخ ایک شیر اِسقدر لمبا چوڑا اور اِسطرح کے قد و قامت اور جلد و پوست کا جسکے دانت اِسقدر دراز تھے اور جسکے پنجوں کی مقدار ایسی اور ایسی تھی شکار کیا۔

شکار کی اس کیفیت کے ساتھ مجھکو چند لفظ اُس افیون کی بابت

بھی جو گدھے کو کھلائی جاتی ہے اضافہ کرنے واجب ہیں چنانچہ ایک ذی رتبہ میر سرکار نے مجھسے کہا کہ یہہ تو صرف حمقا اور عوام کی بنائی ہوئی کہانی ہے - اصل یہہ ہے کہ شیر جب خوب پیٹ بھر کر کھا لیتا ہے تو یہہ شکم سیری ہی اسکی گہری نیند کا باعث ہوجاتی ہے -

پنجاب کے دریاؤں اور کشتیوں کے پلوں کا ذکر

مینے دیکھا کہ بڑے بڑے دریاؤں پر عموماً پل نہیں ہیں اور ان دریاؤں سے فوج نے بذریعہ دوہرے پلوں کے جو کشتیوں سے کسیقدر سمجھ بوجھ ہی کے ساتھ بنائے گئے تھے عبور کیا - ان پلوں کے باہم دو تین سو قدم کا فاصلہ رکھا جاتا ہے اور ان کے سطح پر مٹی اور بھوس ملا کر ڈالدیا جاتا ہے تاکہ چوپایوں کے پانوں نہ پھسلیں مگر ان دونوں کے سروں پر ایک بڑی گھبراہٹ اور پریشانی اور دھکا پیل کا موقع ہوتا ہے نہ صرف اسوجہ سے کہ وہاں ایک سخت بھیڑ بھاڑ اور بڑے ہنگامے اور چپقلش کی جگہہ ہوتی ہے بلکہ زیادہ تر اس باعث سے کہ ان کے دونوں سروں کی سلامی اور گزرگاہ چونکہ نرم اور گیلی پھسلنی مٹی سے بنائی جاتی ہے اس وجہ سے راستہ ایسا ٹوٹا پھوٹا ہوتا ہے اور انمیں اتنے گڑھے پڑے ہوئے ہوتے ہیں کہ گھوڑے اور لدے ہوئے بیل ایک دوسرے پر گرے پڑتے ہیں اور اہل لشکر کو انہیں گرے پھنسے حیوانات کے اوپر سے کمال بے ترتیبی اور گھبراہٹ سے گزرکرنا پڑتا ہے اور اگر کل فوج کو ایک ہی دن میں پار اترنا پڑتا ہے تو یہہ خرابی نہایت ہی بڑھ جاتی ہے - لیکن بادشاہ یہہ تدبیر کرتا ہے کہ

دریا کے وار ایک میل کے فاصلہ پر اپنے ڈیرے کھڑے کروا کر ایک دو دن وہاں ہی ٹھہرے رہنے کی تکلیف گوارا کرتا ہے اور پھر اسی طرح دریا کے پار جاکر دوسرے کنارے پر قیام کرتا ہے اور اس تین دن کے عرصہ میں سب اہل لشکر آہستہ آہستہ دریا سے عبور کر جاتے ہیں۔

بادشاہی لشکر کی تعداد اور رسد کے بہم پہنچانے کے طریقہ کا ذکر

لشکر کے لوگوں کی تعداد کی نسبت فوج اور بہیر سمیت ایک ٹھیک اور صحیح حد مقرر کرنی آسان نہیں ہے کیونکہ کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ! مگر بہرحال میں بھروسہ کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کشمیر کے اس سفر میں کم سے کم ایک لاکھ تو سوار ہوں گے اور ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ جانور یعنی گھوڑے خچر اور ہاتھی اور ان کے علاوہ اونٹ بھی پچاس ہزار سے کم نہ ہونگے اور قریباً اسیقدر بیل اور ٹٹو جن پر غریب بازاری لوگ خانہ بدوشوں کیطرح اپنے اہل و عیال اور غلہ وغیرہ اجناس لادے ہوئے لشکر کے ساتھ رہتے ہیں۔

اب اہل فوج کے نوکر چاکر بھی ضرور ہے کہ بیشمار ہوں کیونکہ بغیر ان کی مدد کے کچھ کارروائی نہیں ہو سکتی۔ مثلاً میرا درجہ صرف ایک دو اسپے سوار کی مانند ہے اور اسپر بھی تین نوکروں سے کم میں میری گزر نہیں ہو سکتی۔ اکثر لوگوں کی یہہ رائے ہے کہ کل لشکر کی تعداد تین اور چار لاکھ آدمی کے اندر ہو گی۔ بعض کا یہہ قیاس ہے کہ یہہ تخمینہ بہت کم ہے اور بعض لوگ اس تعداد کو مبالغہ سمجھتے ہیں! لیکن حقیقت یہہ ہے کہ صحیح

تعداد بغیر مردم شماری کے معلوم نہیں ہوسکتی۔ البتہ میں اتنا دعویٰ ضرور کرسکتا ہوں کہ فوج کا ہجوم اور انبوہ بے حد اور قیاس سے باہر ہے اور دہلی کی تمام خلقت حقیقتاً لشکر میں جمع ہے ۔ کیونکہ اُن کے کام کاج اور گزران بادشاہ اور لشکر ہی پر منحصر ہے اور اُن کے لئے اِسکے سوا کچھ چارہ نہیں ہے کہ یا لشکر کے ساتھ جائیں یا دہلی میں پڑے بھوکے مرا کریں ! کچھ شک نہیں ہے کہ آپ اِس کیفیّت کو پڑھکر مجھسے یہہ سوال ضرور کرنا چاہیں گے کہ اِسقدر انسانوں اور حیوانوں کے لئے کوچ کی حالت میں خوراک اور چارا کسطرح بہم پہنچتا ہوگا ؟ اِس کا مختصر اور سب سے بہتر جواب یہہ ہے کہ ہندوستانیوں کی خوراک نہایت سیدھی سادی ہے چنانچہ ایک لاکھ سواروں میں سے صرف دس ہزار بلکہ پانچ چھ ہزار ہی ایسے ہونگے جو گوشت کھاتے ہوں ورنہ سب کے سب کھچڑی ہی پر قانع ہیں۔ جو چاولوں کے ساتھ مونگ یا ماش وغیرہ ملاکر پکاتے ہیں اور تھوڑا سا گھی اُسمیں ڈال لیتے ہیں اور یہہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اونٹ یہانتک سفر اور بھوک پیاس کی تکلیف اُٹھا سکتے ہیں جس سے حیرت ہوتی ہے اور تھوڑے سے ہر قسم کے چارے پر قناعت کرسکتے ہیں۔ چنانچہ ہر کوچ کے بعد جنگل میں چرنے کو چھوڑ دئیے جاتے ہیں۔ اور ہر قسم کا گھاس پھوس اور جھاڑی وغیرہ اُن کے چارے کا کام دیتی ہے۔

یہہ امر بھی بالضرور لحاظ کے لایق ہے کہ وہ اہل بازار جو دہلی میں سب قسم کے اجناس وغیرہ بیچا کرتے ہیں وہی سفر میں بھی اِن اشیا کی بہم رسانی

کے ذمہ وار ہوتے ہیں اور اُنہیں کی دُکانیں خواہ دہلی میں ہوں خواہ سفر میں رسد رسانی کے لئے برابر موجود رہتی ہیں۔ اِن بیچاروں کو گھاس اور چارے کے بہم پہنچانے میں بڑی تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے اور وہ اِس کام کے لئے گانو در گانو پھرتے ہیں مگر جو چیز لاتے ہیں اُسکو فوج میں اچھے داموں بیچنا چاہتے ہیں۔ اِن لوگوں کا عموماً یہہ معمول ہے کہ ایک خاص قسم کی گھاس جو تمام میدانوں اور جنگلوں میں جا بجا موجود ہے زمین میں سے کُھرپے سے کھود لاتے ہیں اور اُسکو جھاڑ کر یا دھو کر لشکر میں کبھی تو بہت گراں اور کبھی بہت ارزاں فروخت کرتے ہیں۔

بادشاہ کے خیمہ گاہ میں داخل ہونیکے متعلق بعض خاص طور کی رسموں کا ذکر

بادشاہ کے حال کے متعلق ایک عجیب بات ابھی لکھنی باقی ہے۔ جسکا بیان کرنا میں بھول ہی گیا تھا اور وہ یہہ ہے کہ بادشاہ لشکرگاہ میں کبھی تو ایک طرف سے اور کبھی دوسری جانب سے داخل ہوتا ہے۔ یعنی ایک دن تو ایک جانب کے اُمرا کے خیموں کے قریب سے گزرتا ہے اور اگلے دن دوسری طرف کے اُمرا کے ڈیروں کے نزدیک سے۔

آپ یہہ گمان نہ فرمائیں کہ یہہ ایک اتفاقیہ امر ہے نہیں بلکہ اس غرض سے ہے کہ وہ اُمرا جنکو بادشاہ اُنکے ڈیروں کے قریب ہو کر گزرنے کا افتخار بخشتا ہے اُنکو ضرور ہے کہ اپنے اپنے خیموں سے اشرفیوں کی ایک ایک تھیلی جنکی تعداد اُن کے حوصلے اور مشاہرے کے موافق بیس سے پچاس تک ہوتی ہے پیش کش کیواسطے ہاتھوں میں لئے ہوئے

باوشاہ کی خدمت میں حاضر ہوں! میں اُن شہروں اور قصبوں کا جو دہلی اور لاہور کے راستہ میں پڑتے ہیں کچھ بیان نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ مینے اُن میں سے شاید ہی کسی کو دیکھا ہے۔ سبب یہہ تھا کہ ہمارے آقا کا ڈیرہ فوج کے وسط میں نہیں ہوتا تھا جہاں سے شارع عام اکثر مل سکتا ہے بلکہ دائیں جانب کے سامنے ہوتا تھا اور اسلئے ہم لوگونکا یہہ معمول تھا کہ رات کو کوچ کیوقت ستاروں کا خیال رکھکر کھیتوں اور پگ ڈنڈیوں کے راستہ سے چل پڑتے تھے اور اِس سبب سے اکثر راہ بھول جاتے تھے اور پو پھٹنے تک سیدھا راستہ ملنے میں بہت دشواریاں پیش آتی تھیں اور اِسطرح پر بجاے دس بارہ میل کی مسافت کے جو دونوں پڑاؤنمیں معمولاً ہوتی ہے پندرہ یا اٹھارہ میل کی منزل روز مرّہ طے کرنی پڑتی تھی۔

تیسرا خط بنام مانشیور دی مرویلس[1] جو اُسوقت لاہور سے لکھا گیا جبکہ بادشاہ نے کشمیر کیطرف کوچ کیا۔

پنجاب کے دریاؤں اور شہر لاہور کا بیان۔

صاحب من! یہہ امر بیوجہ نہیں ہے کہ وہ مُلک جسکا پاے تخت لاہور ہے پنجاب کہلاتا ہے کیونکہ واقع میں پانچ دریا اُن بڑے پہاڑوں سے جنہوں نے ولایت کشمیر کا

[1] Monsieur de Mervilles.

محاصرہ کیا ہوا ہے نکل کر اور اس صوبہ کے میدانوں میں بہکر دریاے
اٹاسیں میں گرتے ہیں جو ملک سندھ میں خلیج فارس کے دہانیکے
قریب سمندر میں جاملتا ہے۔

میں یہہ امر معین نہیں کرسکتا کہ لاہور وہی قدیم شہر ہے جس کو
یونانی لوگ بیوس فلا[1] کہتے تھے۔ کیونکہ اگرچہ الگزینڈر کا نام جسکو اس
ملک میں سکندر ابن فیلقوس کہتے ہیں بخوبی معروف و مشہور
ہے۔ مگر یہاں کے باشندے اُسکے گھوڑے کی نسبت کچھ واقفیت نہیں رکھتے

لاہور کے قریب جو راوی دریا ہے اُس کا ذکر۔

وہ دریا جسکے کنارے شہر لاہور آباد ہے پنجاب
کے پانچ دریاؤں میں سے ایک بڑا دریا ہے۔
جیسا فرانس میں دریاے لوآیر[2] ہے اور ویسے ہی بلند اور سنگین
پشتہ کا محتاج ہے جیسا کہ لوایر کے کنارے پر بنا ہوا ہے۔ کیونکہ اس دریا
میں اکثر سیلاب آتے رہتے ہیں جس سے بڑا نقصان ہوتا ہے اور دریا اپنی
جگہہ کو اکثر بدلتا رہتا ہے۔ چنانچہ چند ہی سال کے اندر پورا نصف میل لاہور
سے دور ہٹ گیا ہی جس سے باشندوں کو کمال بے آرامی اور تکلیف ہوئی ہے

لاہور کی عمارات کا ذکر

لاہور کی عمارتیں دہلی اور آگرہ کے برخلاف بہت اونچی
اونچی ہیں اور چونکہ بیس برس سے زیادہ ہوے کہ بادشاہ مع اُمرار دربار
آگرہ یا دہلی میں رہتا ہے اس لئے لاہور کے اکثر مکانات حالت ویرانی

[1] بیوس فلا یونانی میں بیل کے سر کو کہتے ہیں اور اس گھوڑے کا یہ نام اس مناسبت سے رکھا تھا کہ اسکے اس شکل کا داغ دیا ہوا تھا اور اسکے مرنے کی جگہہ یادگاری کیواسطے ایک شہر اُسکے نام پر بسایا گیا تھا۔ ۱۲ مترجم

1. Bucephala 2. Loir River

میں ہیں بلکہ واقع میں بہت سی عمارتیں بالکل منہدم ہو گئی ہیں اور پچھلے چند برسوں کی شدید بارشوں میں بہت سے باشندے بھی مکانات سے دبکر مر چکے ہیں مگر اب تک بھی چار پانچ بازار بہت بڑے بڑے ہیں جنمیں سے دو تین تو طول میں دو میل سے بھی متجاوز ہیں لیکن انمیں اکثر مکانات بالکل ڈھئے پڑے ہیں - اور چونکہ دریا کا رُخ تبدیل ہوتا جاتا ہے اس لیئے بادشاہی محل دریا کے کنارے سے دور ہو گئے ہیں اور یہہ شاہی مکانات بھی اگرچہ بہت عمدہ اور عالیشان بنے ہوئے ہیں لیکن محلات شاہی واقع دہلی اور آگرہ سے ہر ایک بات میں بہت کم ہیں -

لاہور سے کشمیر کی جانب کوچ کا ذکر

دو مہینے سے زیادہ ہوئے کہ باتنظار اس امر کے کہ کوہستان کشمیر کی برف پگھل کر رستہ آسانی سے گذر کے لایق ہو جائے ہم لاہور میں مقیم تھے - مگر اب کل کو ہمارا کوچ ٹھہر چکا ہے اور بادشاہ کو تو لاہور چھوڑے دو روز ہو چکے ہیں٭ میں نے کل رات ایک خوبصورت چھوٹا سا کشمیر کے لایق خیمہ خرید لیا ہے - کیونکہ میرے دوستوں نے یہہ صلاح دی تھی کہ اپنے پہلے خیمے کو جو بڑا اور بھاری ہے اب آگے نہ لیجانا چاہیئے - وہ کہتے ہیں کہ کشمیر کے پہاڑوں پر جہاں اونٹ نہیں جا سکتے ہمارے تمام خیموں کیواسطے جگہہ ملنی بہت مشکل ہو گی اور چونکہ اس صورت میں مجھکو اپنی باربرداری کیواسطے مزدور اور قلی درکار ہونگے تو اپنے پہلے خیمے کے ساتھ لیجانے کی

٭ عالمگیر نامہ میں لکھا ہے کہ اُنیسویں رمضان سن ایکہزار بہتر ہجری کو لاہور سے کوچ ہوا تھا - ۱۲ مترجم

حالت میں بہت خرچ پڑتا۔ والسلام۔

چوتھا خط بنام مانشیو ردی مرویلس جو لاہور سے کشمیر کو جاتے ہوے چوتھی منزل پر لکھا گیا

راستہ کی سخت گرمی اور اُسکے سبب کا بیان۔

صاحب من! مجھکو یہہ اُمید تھی کہ جیسی گرمی آبنائے باب المندب کے قریب بمقام مُخا میں اُٹھا چکا ہوں پھر آفتاب کی ایسی سوزاں شعاعیں روے زمین پر کہیں جگہہ نہ پاؤنگا۔ لیکن چار روز ہوے یعنی جب سرکار فوج نے لاہور سے کوچ کیا ہے وہ میری اُمید بالکل رخصت ہوگئی ہے۔ ہندوستانی لوگ جو اسی گرم مُلک کے باشندے ہیں جبکہ وہ بھی لاہور سے چلتے وقت یہہ اندیشہ اور تردد ظاہر کرتے تھے کہ بھمبر تک پہنچنے میں (جو کوہستان کشمیر کا دروازہ اور گیارہ بارہ دن کا سفر ہے) بڑی ہی تکلیف اُٹھانی پڑیگی! تو اسکے سُننے سے مجھکو ایک تعجب ہوتا تھا۔ مگر اب تو فی الواقع یہہ میرا تعجب بالکل رفع ہوگیا ہے اور میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ گرمی کی شدت سے نزع کی حالت کو پہنچ گیا ہوں اور کوئی باور نکریگا کہ آج صبحکو جب میں اُٹھا تو مجھے بہت ہی تھوڑی اُمید تھی کہ آج کی دھوپ مجھکو زندہ چھوڑیگی۔

یہہ عجیب گرمی کشمیر کے بلند پہاڑوں کے باعث سے ہے جو ہمارے راستے سے شمال کیطرف ہونے کی وجہ سے شمالی ٹھنڈی ہوا

فرحت بخش ہوا کے ہم تک پہنچنے کے مانع اور سدّراہ ہیں! اور مزید برآں انہیں پہاڑوں کے سبب سے آفتاب کی سوزاں شعاعیں اس قطعہ ملک پر بسبیل انعکاس پڑکر تمام زمین کو خشک کر دیتی ہیں جس سے دم گھٹنے لگتا ہے۔ لیکن یہہ شدید گرمی جو شاید کل تک مجھے زندہ بھی نہ چھوڑے اُسکی نسبت ایسی فلسفیانہ رائیں لکھنا کیا ضرور ہے۔

پانچواں خط بنام مانشیو ڈی مرویلس جو لاہور سے کشمیر کو جاتے ہوئے چھٹی منزل سے لکھا گیا

دریاے چناب اور اُسکے پانی کی عمدگی کا ذکر

صاحب من! کل میں ہندوستان کے ایک بڑے دریا سے جسکو "چناب" کہتے ہیں پار اُترا اس دریا کے لطیف اور عمدہ پانی سے جسکو بڑے بڑے اُمرا بجاے گنگا کے پانی کے جو ابتک اُنکے ساتھ تھا اپنے اپنے خرچ کے لیے بھر رہے ہیں! مجھکو یہہ اُمید ہوتی ہی کہ اِس دریا کا منبع جدھر کو ہم جارہے ہیں ہمیں تحت الثریٰ کو نہیں لیجائیگا بلکہ فی الواقع کشمیر کیطرف رہبر ہوگا۔ جسکی بابت سب لوگ مجھکو تسلّی دے رہے ہیں کہ وہاں کی برف اور یخ کی سیر و تماشے سے تم خوش ہو جاوگے۔

ہر روز روز گذشتہ سے زیادہ ناقابل برداشت پیش آتا ہے اور جتنے ہم آگے بڑھتے ہیں اُتنی ہی گرمی بھی بڑھتی جاتی ہے۔

اگرچہ یہہ بات درست ہے کہ مینے ٹھیک دوپہر کی دھوپ میں جبکہ سب لوگ اپنے اپنے ڈیروں میں دن ڈھلنے کے انتظار میں آرام کر رہے تھے کشتی کے پل سے عبور کیا۔ لیکن اگر میں اپنے ڈیرے میں گھسا بیٹھا رہتا تو غالباً مجھے اپنی تکالیف میں کچھ کمی ہو جانے کی توقع تھی! اور مَیں نے جس مراد سے یہہ تدبیر اختیار کی تھی وہ مطلب حاصل ہو گیا! یعنی یہہ کہ ہم بلا دقت و تشویش پل سے پار ہو گئے۔

جس پریشانی اور دقت سے اس دریا کا عبور کیا اُس کا ذکر۔

جب سے ہم دہلی سے روانہ ہوے ہیں ایسی پریشانی اور چپقلش مَیں نے کسی دریا کے گھاٹ پر نہیں دیکھی مگر شاید میری ہوشیاری اور دور اندیشی ہی اس امر کا باعث ہوی کہ میں اس دریا پر کسی تہلکہ میں پڑ جانے سے بچ گیا۔ کیونکہ پل کے دونوں سروں کی سلامی چڑھنے اور اُترنیکے لئے نہایت خراب اور خطرناک تھی جسکا سبب یہہ تھا کہ یہہ سلامی جسپر چڑھنا اور اُترنا امر ضروری ہے نرم مٹی اور ریت سے بنائی گئی تھی جو بیشمار جانوروں کے پانوؤں کے نیچے دریا کے زور کے مارے بہی جاتی تھی اور اسیوجہ سے بڑے بڑے گڈھے پڑ گئے تھے جنمیں بہت سے اونٹ بیل اور گھوڑے گرتے اور لوگوں کے پانوؤں تلے کچلے جاتے تھے اور اسیطرح یہہ تھا کہ ہر طرف برابر دھکم دھکّا اور گھونسم گھانسا ہوتی تھی۔ کیونکہ ایسے موقعوں پر عموماً یہہ ہوتا ہے کہ عہدہ دار اور سوار جو اُمرا کے ہمرکاب ہوتے ہیں! اپنے آقا اور اُن کے اسباب وغیرہ کے پہنچانے کی

خاطر راستہ میں سے لوگوں کو ہٹانے کے لئے بڑی بیباکی سے ڈنڈے بازی کرتے ہیں ! اس دریا پر ہمارے نوّاب کا بھی ایک اونٹ مع کوہے کے تنور کے جو اُسپر لدا ہوا تھا ضایع ہوگیا ہے - اور اب مجھکو یہہ فکر ہے کہ ہمیں بازار کی روٹی کھانی پڑے گی -

چھٹا خط بنام مانشیو ڈی مرویلس جو لاہور سے کشمیر کو جاتے ہوے آٹھویں منزل سے لکھا گیا

گرمی کی شدت کے مارے جو حالت تھی اُس کا بیان -

مشفق من ! ایک یورپین شخص کا ایسی سخت گرمی کے تحمّل پر آمادہ ہوجانا اور ایسی ہولناک اور پر تعب منازل اور سفر کے مخاطروں میں پڑجانا خود بخود اس سوال کا باعث ہوتا ہے کہ پھر کونسی چیز ہے کہ جسکے سبب سے کوئی شخص خواہی نخواہی ان مصبتوں کی برداشت کے لئے تیاّر ہو جائے ؟ افسوس کہ اسکا جواب بجز اس کے کچھ نہیں ہے کہ ہم لوگوں میں دنیا کے عجائبات کی دید کا شوق جو واجبی حد سے بڑھا ہوا ہے وہی ان سب تکلیفوں کا باعث ہے حالانکہ شوق کیا ہے ایک سخت حماقت اور ناعاقبت اندیشی ہے چنانچہ اس سفر میں میری جان ایک مسلسل اور غیر منقطع خطر کی حالت میں پڑی ہوئی ہے اور کچھ اُمیّد ہے تو صرف یہہ ہے کہ شاید اس بُرائی میں کوئی بھلائی اور فائدہ بھی نکل آئے -

جب میں لاہور میں تھا تو رات کو سایہ کے بغیر صحن چبوترے پر سونے کے باعث شبنم اور سردی کے سبب سے ایک سخت زکام اور درد اعضا میں مبتلا ہوگیا تھا (حالانکہ دہلی میں اسطرح پر سونے سے کچھ اندیشہ نہیں ہوتا) اور میری صحت حالت خرابی میں تھی۔ لیکن جب سے سفر شروع ہوا ہے تو آٹھ نو روز سے بشدت پسینہ آنیکے سبب سے تمام فاسد رطوبتیں جسم سے خارج ہوگئی ہیں اور میرا ابھنا اور مرجھایا ہوا جسم گویا ایک چھلنی بنگیا ہے اور سیر بھر پانی جو میں ایک ہی دم میں چڑھا جاتا ہوں بدن کے روئیں روئیں بلکہ انگلیوں کے پوروں تک سے فوراً نکل پڑتا ہے چنانچہ مجھے یقین ہے کہ آج دس گیارہ سیر سے کم پانی نہیں پیا۔ مگر ہماری سب آفتوں اور مصیبتوں میں یہہ بڑی تسکین کی بات ہے کہ جسقدر جی چاہے ہم اُسیقدر پانی بشرطیکہ صاف اور شیریں ہو بلا اندیشہ پی سکتے ہیں۔



ساتواں خط بنام مانشیور دی مرویلس جو لاہور سے کشمیر کو جاتے ہوئے دسویں منزل سے صبح کیوقت لکھا گیا

> گرمی کی شدت کے مارے اپنی زیست سے نا امید ہو جانا۔

صاحب من! آفتاب ابتک اچھی طرح نکلا بھی نہیں مگر اسپر بھی گرمی کا یہہ عالم ہے کہ اُٹھائی نہیں جاتی بادل نام کو بھی نہیں اور ہوا کی یہہ حالت ہے کہ پتا تک نہیں ہلتا۔ میرے گھوڑے بالکل تھک گئے ہیں۔ کیونکہ جسدن سے لاہور چھوڑا ہے اِن

غریبوں نے ہری گھاس کا تنکا تک نہیں دیکھا ! میرے ہندوستانی نوکروں کو بھی باوجود اپنے کالے اور خشک اور سخت بدن کے آگے قدم بڑھانے کا حوصلہ نہیں رہا۔ ہمارے چہرے اور پاؤں اور ہاتھوں کی جلد تمام پھٹ گئی ہے اور سارا بدن چھوٹے چھوٹے سُرخ گرمی دانوں سے بھر گیا ہے جو سوئی کیطرح چُبھتے ہیں ! کل ہمارا ایک غریب سوار جسکے پاس ڈیرہ نتھا ایک درخت کے نیچے جسکے سایہ میں وہ ٹھہرا ہوا تھا مُردہ ملا اور مجھے بھی ایسا ہی معلُوم ہوتا ہے کہ گویا آج دن ہی دن میں تمام ہوجاؤنگا ! اور میری ساری اُمیدیں یا تو اُن چار پانچ کاغذی نیبوؤں پر منحصر ہیں جو ابھی باقی ہیں یا تھوڑے سے خشک کئے ہوئے دہی پر جسکو میں پانی اور قند ملا کر ابھی پینے والا ہوں۔

لو اچھّا خدا حافظ ! سیاہی قلم کی نوک پر خشک ہوئی جاتی ہے اور قلم ہاتھ سے گرا جاتا ہے۔



آٹھواں خط بنام مانشیو دی مرویلس جو مقام بھمبر سے جہاں سے کشمیر کے پہاڑوں کی چڑھائی شروع ہوتی ہے لکھا گیا

بھمبر کیسی جگہ ہے اور وہاں سے کشمیر کی جانب بادشاہ اور امرا کے نوبت بہ نوبت کوچ کرنے کا ذکر۔

صاحبِ من ! آخر کار ہم بھمبر میں آ پہنچے جو ایک اُونچے اور سیاہ اور جھلسے ہوئے پہاڑ

کے دامن میں ہے اور ہمارا خیمہ ایک خشک پہاڑی ندّی کے بہاؤ میں پتھریوں اور جلتی ہوئی ریت پر جسکو ٹھیک آگ کی بھٹی کہنا چاہیے لگا ہوا ہے - اور اگر آج اتفاق سے ایک خوب مینہہ کا چھینٹا نہ پڑجاتا اور عین وقت پر پہاڑ سے ایک معقول مقدار سے نیبو - دہی اور مُرغ وغیرہ نہ پہنچ جاتے تو معلوم نہیں کہ آپ کے اِس بیچارے وقایع نگار کا کیا حال ہو جاتا - لیکن خدا کا شکر ہے کہ بالفعل تو ہوا کسیقدر سرد ہو گئی ہے اور میری بھوک بھی کُھل گئی ہے اور طاقت میں ترقی معلوم ہوتی ہے اور سب سے پہلے جو میں نے اپنی بازیافتہ صحت سے کوئی کام لیا ہے تو وہ اِس خط ہی کا لکھنا ہے ! اَب آیندہ آپ نئی نئی منزلوں اور تکلیفوں کے حالات سے ضرور مطلع کئے جاوینگے -

کل رات کو بادشاہ نے اِس جگہہ کو جہاں دَم گھٹا جاتا ہے چھوڑ دیا ہے اور اُسکے ہمراہ روشن آرا بیگم اور محل کی اور بیگمیں اور راجہ رگھناتھ* جو وزیر کا کام کرتا ہے - اور فاضل خاں میر سامانِ اعلیٰ گئے ہیں ! اور شب گزشتہ کو بادشاہی میر شکار بھی مع کئی بڑے بڑے عہدہ داروں متعلقہ کارخانجات خاصہ شریفہ اور چند معزز خاتونوں کے روانہ ہو گیا ہے اور آج رات کو ہماری باری ہے - اور ہمارے گروہ میں ہمارے نوّاب دانشمند خاں کے کُنبے کے لوگوں کے سوا محمّد امین خاں خلف مشہور میر جملہ جسکا بہت

* اس بالیاقت بوڈھے ہندو وزیر نے اسی سفر میں انتقال کیا اور اسکے بعد جو ہی فاضل خاں وزیر ہوا وہ بھی صرف چند روز زندہ رہکر اسی سفر میں بمقام کشمیر چل بسا - ص - ۳ - ح (از عالمگیر نامہ)

کچھ ذکر لکھا جا چکا ہے اور میرا معزز دوست دیانت خاں اور اُسکے دو بیٹے اور بہت سے اَور اُمرا اور راجے اور منصب دار شامل ہیں! اَور اُمرا بھی جنہیں کشمیر چلنے کا حکم ہے اسیطرح نوبت بہ نوبت روانہ ہونگے تاکہ اس پانچ دن کے مشکل اور کوہستانی راستہ میں جو بھمبر اور کشمیر کے مابین ہے بے آرامی اور ابتری کم ہو جاے۔

بادشاہ کے واپس تشریف لانے تک بہت سے اُمرا کا حفاظت کے لئے بھمبر میں چھوڑے جانے کا ذکر مع تذکرہ بعض اور انتظاموں کے۔

باقی اہل دربار جیسے فدائی خاں - میر آتش (افسر اعلیٰ توپخانہ) اور تین چار بڑے بڑے راجے اور بہت سے اُمرا تین چار مہینے تک یعنی جب تک کہ گرمی کا موسم گزر جاے اور بادشاہ سلامت واپس تشریف لائیں محافظت کیواسطے پہرہ کے طور پر اسی قصبہ یا اِسکے قرب وجوار میں مقیم رہینگے۔ جنمیں سے بعض تو اپنے ڈیرے دریا ے چناب کے کنارے لگا ئینگے اور بعض قریب اور گرد نواح کے شہروں اور دیہات کو چلے جائینگے۔ اور باقی کو اسی بھمبر کی جلتی ہوئی زمین پر ڈیرے ڈالے پڑے رہنا ہوگا۔

بادشاہ کے ہمرکاب بہت ہی کم اور خاص خاص لوگ جائینگے تاکہ کشمیر کی چھوٹی سی ولایت میں رسد وغیرہ کی طرف سے وقّت عاید نہو

بیگمات میں سے صرف وہ اعلیٰ درجہ کی خاتونیں جائیں گی جو روشن آرا بیگم کی ہمدم اور سہیلیاں ہیں- یا وہ عورتیں جنکا ساتھ ہونا سرانجام خدمات کے لیئے ضروری ہے! اُمرا اور فوج کے لوگ بھی جہانتک

ممکن ہے کم ہی ہونگے اور جن اُمرا کو ہمراہی کی اجازت ملی ہے اُنکے ساتھ اُن کے سواروں میں سے فیصدی پچیس ۲۵ سوار سے زیادہ نہونگے لیکن جو ضروری ضروری عہدہ دار اِن کے ذاتی کارخانجات پر مقرر ہیں وہ بہرحال ساتھ جائینگے۔

اِن قاعدوں کی بجا آوری میں کوئی بہانہ پیش نہیں چل سکتا کیونکہ ایک امیر پہاڑ کے درّے پر متعین کیا گیا ہے جو ایک ایک آدمی کو شمار کرتا ہے اور بموجب اپنے اختیارات کے منصب داروں کی بھیڑ کو جو کشمیر کی ٹھنڈی اور لطیف ہوا کے مشتاق ہیں اور اُن چھوٹے چھوٹے دُکان داروں اور اہل بازار کو جو صرف کھانے کمانے کی خاطر آئے ہیں درے میں داخل ہونے سے روکتا رہتا ہے۔

چند منتخب ہاتھی بھی زنانی سواریوں اور باربرداری کے واسطے بادشاہ کے ساتھ ہیں۔ اگرچہ یہہ جانور بہت بھاری اور بڑے قد و قامت کے ہیں لیکن نہایت ہی جانچ کر قدم رکھتے ہیں اور راستہ کے مشکل اور خطرناک ہونے کی حالت میں اسطرح ٹٹول ٹٹول کر چلتے ہیں کہ جب تک پہلا قدم بخوبی جم نہیں جاتا دوسرا قدم نہیں اُٹھاتے۔ بادشاہ کے ہمراہ کچھ خچریں بھی ہیں۔ لیکن اُونٹ جو بہت کارآمد ہیں نیچے چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ کیونکہ اُنکی سخت اور لمبی لمبی ٹانگوں کے واسطے یہہ پہاڑی راستے موزوں نہیں ہیں اور اسلئے اُن کے عوض قُلی اور مزدوروں سے کام لیا جاتا ہے۔ اور جیساکہ میں نے سُنا ہے

اورنگ زیب کے کشمیر کے سفر میں جو قلی درکار تھے اُنکی تعداد اور اجرت وغیرہ کا ذکر۔

کہ صرف اکیلے بادشاہ کے واسطے چھ ہزار مزدور مطلوب ہیں تو اس سے آپ قیاس کرسکتے ہیں کہ کسقدر مزدور درکار ہونگے۔ چنانچہ مجھے اپنی ذات خاص کے واسطے تین مزدور بہم پہنچانے ضروریات سے ہیں باوجودیکہ میں نے اپنا بڑا خیمہ اور بہت سا اسباب لاہور میں چھوڑ دیا ہے اور ہر شخص نے بلکہ بڑی بڑے امرا اور خود بادشاہ نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ پھر بھی حساب کیا گیا ہے کہ کم سے کم پندرہ ہزار مزدور بھمبر میں جمع ہو چکے ہیں جو کچھ تو کشمیر کے صوبہ دار اور قرب و جوار کے راجاؤں نے بھیجے ہیں اور کچھ اپنی مرضی سے مزدوری کرنے کو چلے آئے ہیں ! اور بادشاہ کے حکم سے شرح اُجرت یہہ قرار پائی ہے کہ سوا من یعنی پچاس سیر بوجھ کیواسطے پچیس روپے مزدوری دیجائے ! اور شمار کیا گیا ہے کہ کوئی تیس ہزار مزدور ہوقت مطلوب ہیں۔ اور جبکہ خیال کیا جاے کہ بادشاہ اور اُمرا اپنا اپنا اسباب اور سوداگر لوگ اپنی سب قسم کی رسد وغیرہ ایک مہینے پہلے سے برابر بھیجتے رہی ہیں تو مزدوروں کی یہہ تعداد نہایت ہی زیادہ ہے۔

مصنّف کا نواں خط بنام مانشیور دی مرویلیس جو ہندوستان کے بہشت یعنی کشمیر جنّت نظیر سے تین مہینے کے قیام کے بعد لکھا گیا

قدیم زمانہ میں کشمیر کے ایک جھیل ہونے کی روایت کی نسبت مصنف کی رائے

صاحب من ! کشمیر کے قدیم راجاؤں کی تاریخ

میں یوں مندرج ہے کہ یہہ تمام مُلک اگلے زمانہ میں ایک بڑی جھیل تھا۔ جسکے پانی کو ایک بڈھے رشی نے جسکا نام کاشب تھا اپنی کرامات سے بارہ مُولا کے پہاڑ کو چیر کر نکالدیا۔

یہہ حال اُس کتاب میں مل سکتا ہے کہ جو جہانگیر کے حکم سے کشمیر کی قدیم تاریخوں کا خلاصہ کرکے فارسی زبان میں لکھی گئی تھی اور جسکا میں آج کل ترجمہ کررہا ہوں۔ بیشک میرا دل بھی اسبات کے انکار کرنے کی طرف مائل نہیں ہوتا کہ یہہ طبقہ کسی وقت پانی میں ڈوبا ہوا نہیں تھا۔ چنانچہ تھسیلی* اور اور مُلکوں کی نسبت بھی ایسی ہی روایتیں چلی آتی ہیں۔ لیکن میں آسانی سے یہہ امر باور نہیں کرسکتا کہ یہہ شگاف کسی انسان کا کام ہے۔ کیونکہ یہہ پہاڑ جسمیں سے پانی کا گزر ہوا ہے بہت ہی لمبا چوڑا اور نہایت بلند ہے۔ بلکہ مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہاڑ کسی قدرتی خلا میں جو سرنگ کیطرح پہاڑوں میں اکثر ہوتی ہیں کسی سخت بھونچال کے صدمہ سے جو اس مُلک میں بہت ہی آتے رہتے ہیں دھس گیا ہے! اگر ہم اُس نواح کے عربوں کے قول کا بھی اعتبار کرلیں تو ماننا پڑیگا کہ باب المندب بھی کسی زمانہ میں اسیطرح بنا تھا کہ تمام شہر اور پہاڑ ایک خلا میں دھس کر بڑے بڑے تالاب اور جھیلیں بن گئیں۔

ولایت کشمیر کے عرض و طول کا بیان

بہر حال اب تو کشمیر جھیل نہیں ہے بلکہ ایک خوشنما مُلک ہے جسمیں بہت سی متفرق پہاڑیاں اور پہاڑ ہیں اور جسکا طول قریب

* مُلک یونان کے ایک ضلع کا نام ہے۔ (س۔م۔ح) تھسلی۔ تھسلی نے اِن نی Thessaly

تیس ۳۰ لیگ یعنی نوّے میل انگریزی کے ہے اور عرض دس بارہ ۱۲ لیگ

کشمیر کے موقع اور حدود کا بیان

ولایت کشمیر لاہور سے شمال کیطرف مُلک ہندوستان کے انتہا پر واقع ہے اور اُسکی سرحد پر ایسے پہاڑوں کا سلسلہ ہے جو کوہ قاف سے نیچے چھوٹی اور بڑی تبّت کے بادشاہوں اور راجہ گوماں کی عملداریوں میں ہیں۔

کشمیر کے پہاڑوں کے سرسبز اور عمدہ چراگاہوں سے مالا مال ہونے کا ذکر۔

جو پہاڑ کشمیر کے گرداگرد اور بہت ہی نزدیک ہیں اُنکی بلندی اعتدال کے ساتھ ہے اور سرسبز درختوں سے آراستہ اور چراگاہوں سے مالا مال ہیں جن پر گائیں بھیڑیں بکریاں۔گھوڑے۔اور سب قسم کے مویشی چرتے نظر آتے ہیں۔

کشمیر میں سب قسم کے مویشی اور سب طرح کے شکار اور شہد کی مہالوں کی افراط کا ذکر

اور سب قسم کے شکار مثلاً تیتر۔خرگوش اور سینگوں* والے ہرن اور کستورا ہرن بکثرت موجود ہیں اور شہد کی مُہالیں بھی بافراط ہیں۔

کشمیر میں ہر قسم کے موذی جانوروں کے کمیاب ہونیکا ذکر

اور برخلاف ہندوستان کے یہہ ایک عجیب اور نادر بات سمجھی جاسکتی ہے کہ یہاں موذی جانور مثلاً سانپ۔ریچھ۔شیر۔چیتا وغیرہ کمیاب کیا بلکہ معدوم ہیں اور اِن اوصاف کے باعث اِن پہاڑوں کو صرف خوشنما اور سبز اور بہجلش ہی نہیں کہنا چاہیئے بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ گویا اُنمیں دودھ اور شہد کی

---

* فرنگستان میں سینگ والے ہرن کم ہوتے ہیں اسلئے مصنف نے ہرن کے لفظ کے ساتھ سینگوں والے کا لفظ لکھا ہے۔۱۲ مں۔م۔ح لا گ و م ال

نہریں افراط کے ساتھ جاری ہیں۔ان پہاڑوں سے پرلی طرف اور بڑے بڑے عظیم الشان پہاڑوں کی بلندیاں نظر آتی ہیں جنکی برف سے ڈھکی ہوئی سفید سفید چوٹیاں معمولی ابر اور بادلوں سے ہمیشہ زیادہ بلند اونچی اور کوہ اُولیمپس* کی مانند روشن اور صاف معلوم ہوتی ہیں۔

کشمیر کے چشموں اور دریا کا بیان

ان سب پہاڑوں میں سے بیشمار چشمے اور نالے بڑے زور شور سے جاری ہیں جو بعض عملی ذریعوں سے چھوٹے چھوٹے ٹیلوں پر بھی جو اس وادی میں ہیں پہنچا دیے جاتے ہیں۔ اور اسطرح سے لوگ اپنے دھانوں کے کھیت بخوبی سینچ سکتے ہیں! اور یہہ سب پانی اس دل چسپ ملک میں ہزاروں چشمے اور آبشاریں بنکر آخر کار خوبصورت اور کشتیوں کے چلنے کے لایق ایک ایسا دریا بن جاتا ہے جیسا ہمارے ملک فرانس میں دریائے سین"

* یہہ پہاڑ یونان کے صوبہ تھسلی اور میسی ڈونیا (مقدونیا) کے مابین سرحدی خط پر واقع ہے اور مقدونیا کے میدان سے جو اسکے شمال میں اور خوشنما وادی ٹیمپ سے جو اس کے جنوب میں ہے نو ہزار سات سو چون فٹ اونچا اور آس پاس کے سب پہاڑوں کی چوٹیوں سے بلند ہے۔ اور شاہ بلوط اور اخروٹ وغیرہ درختوں کے جنگلوں سے لدا ہوا ہے۔ اسکا چٹان دار جسم کچھ آگے بڑھکر بہت سی چوڑی چوڑی کھوؤں میں منقسم ہوگیا ہے اور اسکی چوڑی چوٹی برف کی سفید اور چمکدار چادر اوڑھے ہوئے گویا آسمان سے باتیں کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اولیمپس کے اس عظم و شان کی وجہ سے قدیم یونانیوں نے اسکو اپنے دیوتاؤں کا مسکن خیال کیا تھا اور انکا یہہ اعتقاد تھا کہ انکا دیوتا جوو جو جوپی ٹر یعنی **مشتری** کا دوسرا نام ہے۔ اور جسکو اہل ہند کے معتقدات کے لحاظ سے اسجگہہ تمثیلاً اندر کہنا چاہیئے اسی پہاڑ پر بیٹھکر آسمان کو گرجنے والے بادلوں سے پُر کرتا اور اپنی تجلّی کے آتشیں تیروں کو ادھر اُدھر پھینکتا تھا اور وہ اپنے محل میں جسکو **ولکن** نے (جو یونانیوں کے اعتقاد میں پاتال یعنے زیر زمین کی آگ اور دھاتوں کا دیوتا تھا) اُسکے لئے یہاں بنایا تھا تمام

1 Olympus (۱ ادل سے م پ س)(2. Soine ۲ س ی ن)(3 Thessaly)(4 mecidonia
5. Tempe ۵ ٹ ے م پ)(6 Jore ۶ ج و و)(7 Jupiter ۷ ج و پ ی ٹ ر)(8 vilcan

ہے - یہہ دریا تدریج اور آہستگی کے ساتھ اسمک کے گرد اگرد پیچ کھاتا اور یہاں کے شہر پایۂ تخت میں سے ہوکر چپ چاپ بارہ مولا کیطرف خم کھاتا ہوا نکل گیا ہے جہاں اُسکو دو عجیب چٹانوں کے مابین ایک مخرج ملتا ہے اور یہاں سے بہت سی چھوٹی چھوٹی ندیوں سمیت جو پہاڑوں سے نکلتی ہیں ایک بہت سیدھی ڈھال پر گر کر شہر اٹک کے نزدیک دریائے اباسین سے آملتا ہے -

کشمیر کی سرسبزی اور کھیتیوں اور ترکاریوں اور میوونکا بیان

بیشمار نہریں اور آبشاریں جو پہاڑوں سے جاری ہیں وہ اس وادی اور یہاں کی پہاڑیوں کو نہایت سرسبز اور شاداب رکھتی ہیں اور تمام ملک سرسبز اور سیر حاصل اور ایک پھولا پھلا باغ معلوم ہوتا ہے اور اس خوشنما اور دلکش سرسبزی کے اندر کہیں تو گانو اور مزرعے دیکھائی دیتے ہیں - اور کہیں ہری بھری چراگاہیں اور انگور دھان گیہوں سن زعفران اور ترکاریوں کے کھیت جنہیں کہیں تو چھوٹے چھوٹے تالاب ہیں اور کہیں نہریں اور کولیں اور کسی جگہہ آبشاریں اور چشمے جو ایک عجیب او ر

بقیہ حاشیہ دیوتاؤں کو جمع کرکے بیٹھا اور جگ رچا کرتا تھا اور ایک راستہ سے جو اس آسمانی محل کے دھاتی گنبد میں بنایا گیا تھا اور جسکے دروازہ پر نہایت گاڑھے بادل تختوں کا کام دیتے تھے جب چاہتا تھا اس جہان سے اُس طرف چلا جایا کرتا تھا - یونان کے قدیم شاعروں نے اس پہاڑ کی تعریف میں بہت کچھ کہا ہے اور فی الواقع وہ اب بھی اپنے سرسبز اور ہرے بھرے سایہ دار جنگلوں اور اپنی دھاروں اور کھوؤں اور سفید سفید چمکیلی چوٹیوں کے سبب سے ایسا ہی قابل تعریف ہے فقط ماخوذ از انسائکلوپیڈیا برطانیکا - ۱۲ س م ح

دلفریب کیفیت دیکھاتے ہیں۔ اور زمین کا تمام سطح فرنگستان کے پھولوں اور پودھوں سے مینا کار نظر آتا ہے۔ اور ہمارے ملک کے میووں سیب ناشپاتی الوچہ خوبانی اور اخروٹ کے درختوں سے جنمیں بیشمار پھل لگے ہوئے ہیں لدا ہوا ہے! خربوزہ تربوز اور اور ہمارے دیس کی اکثر ترکاریاں مثل چقندر وغیرہ اور ساگ پات اور نباتات جنسے ہم واقف بھی نہیں یہاں کے عام کھیتوں اور باغوں میں بکثرت ہیں۔

کشمیر کے میووں کے فرنگستان کے میووں سے خوبی میں کم ہونے کی وجہ

یہاں کے پھل ہمارے ملک کے میووں سے خوبی میں بلاشک کم ہیں اور نہ اتنی قسم ہی کے ہیں لیکن مجھے یقین کامل ہے کہ یہہ یہاں کی زمین کا قصور نہیں ہے بلکہ اسکا باعث کاشتکاروں اور باغبانوں کی نادانی ہے جو اہل فرانس کیطرح فن زراعت اور درختوں کو پیوند وغیرہ کرنیکے ہنر سے ماہر نہیں ہیں۔ بہرحال مینے اپنے قیام کشمیر کے زمانہ میں نہایت نفیس اور لطیف میوے بکثرت کھاے ہیں اور کچھ شک نہیں ہے کہ اگر یہاں کے لوگ درختوں کی حالت کو ترقی دیں اور انمیں غیر ملکوں کے درختوں کے پیوند لگانے کی نسبت ذرا توجہ کریں تو یہاں کے میوے فرنگستان کے میووں کی خوبی کو پہنچ سکتے ہیں۔

شہر کشمیر اور اسکی جھیل یعنی ڈل کا بیان۔

ملک کشمیر کے پایہ تخت کا نام بھی کشمیر ہی ہے اور اسکے گرد کوئی شہر پناہ نہیں ہے اس کا

طول دو میل سے کچھ زیادہ ہے اور عرض ڈیڑھ میل! شہر کشمیر ایک میدان میں واقع ہے جسکا فاصلہ پہاڑوں سے قریب چھ میل کے ہے۔ اور یہہ پہاڑ بصورت نصف دائرہ کے نظر آتے ہیں۔ اور شہر ایک شیریں اور خوشگوار پانی کے "ڈل" کے کنارے جسکا محیط بارہ ۱۲ یا پندرہ ۱۵ میل سے کم نہ ہوگا آباد ہے۔ یہہ ڈل اُن چشموں اور نالوں سے بنگیا ہے جو پہاڑوں سے آکر گرتے ہیں! اور اِس کا پانی بذریعہ ایک نہر کے جس میں کشتیاں بے تکلف چل سکتی ہیں اُس دریا میں جاملتا ہے جو شہر کے بیچ میں بہتا ہے۔ شہر میں اس دریا پر لکڑی کے دو پل بنے ہوے ہیں۔ اور شہر کے مکانات اگرچہ اکثر چوبی ہیں لیکن خوبصورت اور دو منزلے اور سہ منزلے ہیں۔

عمارات کے لئے اہل کشمیر کے لکڑی کو پتھر پر ترجیح دینے کا سبب

اگرچہ اِس مُلک میں ایک نہایت نفیس ریگ دار* پتھر بافراط موجود ہے اور چند پُرانی عمارتیں اور ہندوؤں کے بہت سے پُرانے مندر جو یہاں کے کھنڈروں میں موجود ہیں پتھر ہی کے ہیں۔ لیکن یہاں کے لوگ لکڑی کو پتھر پر اسواسطے ترجیح دیتے ہیں کہ ایک تو ارزاں ہے دوسرے یہہ پہاڑوں سے بذریعہ اِن بیشمار ندی نالوں کے بآسانی پہنچ جاتی ہے۔

دریا کے کنارے کے مکانات اور باغچوں کا ذکر

اکثر مکانات میں جو دریا کے دونوں کنارے بنتے چلے گئے ہیں نہایت خوشنما چھوٹے چھوٹے

* اصل کتاب میں لفظ فری سٹون ہے Free Stone ۱۲ س م ح [ریگ دار]

باغیچے ہیں خصوصاً بہار اور گرمی کے موسم میں جبکہ عیش و نشاط کے بہت سے جلسے پانی پر کئے جاتے ہیں عجب کیفیت دکھلاتے ہیں۔

تفریحی کشتیوں کا ذکر

اس شہر کے اکثر مکانوں میں بھی باغ اور ایسی نہریں ہیں جنمیں سیر و تفریح کے لئے کشتیاں پڑی رہتی ہیں۔ اور مالک مکان جب چاہتے ہیں سوار ہو کر ڈل کی سیر کرتے ہیں۔

ہری پربت اور اسکے مکانوں اور باغوں وغیرہ کی خوبصورتی اور خوشنمائی کا ذکر

شہر کے پرلے سرے پر ایک ایسا ٹیلا نظر آتا ہے جو بالکل الگ ہے اور اسکی ڈھالوں پر بھی خوبصورت مکان بنے ہوئے ہیں اور ہر ایک مکان کے ساتھ ایک باغ ہے اور اسکی چوٹی کیطرف ایک نہایت اچھی مسجد ہے جسکے ساتھ عابدوں اور گوشہ نشینوں کے لیئے عمدہ عمدہ حجرے بنے ہوئے ہیں! اور پہاڑ کی چوٹی پر ایک جھنڈ بہت سے خوبصورت درختوں کا ہے اور ان سب چیزوں کا مجموعہ ایک نہایت ہی دلچسپ منظر ہے۔ اور ان سبز درختوں اور باغوں کی وجہ سے اسجگہہ کا نام اس ملک کی زبان میں ہری پربت ہے یعنی سرسبز پہاڑ*۔

---

* یہہ وجہ تسمیہ خلاف محاورہ ہونے کی وجہ سے غلط ہے کیونکہ سرسبز پہاڑ کو ہری پربت نہیں کہہ سکتے بلکہ ہرا پربت کہنا چاہیئے۔ اور وہ وجہ تسمیہ صحیح معلوم ہوتی ہے جو دیوان کرپارام صاحب آنجہانی دیوان ریاست جموں وکشمیر مولف تاریخ موسوم بہ گلزار کشمیر نے اپنی کتاب مطبوعہ سنہ ۱۸۷۰ع اٹھارہ سو ستر میں لکھی ہے یعنی یہہ کہ چونکہ کشمیری زبان میں ہاری مینا کو کہتے ہیں جو ایک معروف جانور ہے پس اس پہاڑ پر شاریکا دیوی کے مندر کے ہونے کی وجہ سے اسکا یہہ نام مشہور ہو گیا ہے۔ اور صحیح نام ہاری پربت ہے۔ ۱۲ س م ح

پہاڑ معروف تخت سلیمان کا ذکر

اس پہاڑ کے مقابل ایک اور پہاڑ نظر آتا ہے اور اسپر بھی ایک چھوٹی سی مسجدت باغ کے بنی ہوئی ہے۔ اور ایک اور نہایت ہی قدیم عمارت موجود ہے جو ظاہری علامتوں سے ہندوؤں کا مندر معلوم ہوتی ہے اگرچہ اسکا نام تخت سلیمان ہے اور یہاں کے مسلمانوں کا یہہ ادّعا ہے کہ حضرت سلیمان نے بموقع سیر کشمیر اسکو تعمیر کیا تھا لیکن مجھے شبہ ہے کہ اس مشہور بادشاہ* نے اپنی تشریف آوری سے کبھی اس ملک کو مشرف کیا ہو۔ اور میری راے میں یہہ لوگ اس کا کوئی ثبوت نہیں دے سکتے۔

کشمیر کے ڈل کے نہایت سرسبز ٹاپوؤں کا ذکر

کشمیر کے ڈل میں بہت سے چھوٹے چھوٹے خوش فضا ٹاپو ہیں جو پانی کے اندر بالکل سرسبز اور نہایت ہی خوبصورت اور میوہ دار درختوں سے لدے ہوے نظر آتے ہیں اور اُن میں نہایت خوش اسلوبی سے بہت سی روشیں بنائی ہوئی ہیں جن پر عموماً دونوں جانب سے سفیدے کے درخت جو دو دو قدم کے فاصلہ سے لگاے ہوے ہیں اور جنکے پتے بڑے بڑے ہوتے ہیں اپنا سایہ ڈالے ہوے ہیں۔ ان درختونکا موٹاپا اگرچہ اسقدر ہے کہ سب سے بڑا درخت آدمی کی کولی میں آسکتا ہے مگر اُنچائی میں جہاز کے مستول کی برابر ہیں اور اُنکی چوٹی پر کھجور کیطرح ڈالیوں اور پتوں کی چھتری ہے۔

ڈل سے پرلی طرف جو پہاڑ ہیں اُنکی منظر کی خوشنمائی اور خوبی آب وہوا کا ذکر

جو پہاڑ ڈل کے پرلی طرف ہیں اُنکی ڈھلانوں پر

* عیسائی اگرچہ حضرت سلیمان کے مُلہَم اور صاحب وحی ہونے کے قائل ہیں مگر مسلمانوں کیطرح اُن کو پیغمبر نہیں جانتے بلکہ ایک نہایت ہی دانا اور عاقل بادشاہ کہتے ہیں۔ ۱۲ س م ح

بیشمار گنجان مکانات اور پھلواڑی کے باغیچے بنے ہوئے ہیں اور یہاں کی ہوا نہایت صحت بخش سمجھی جاتی ہے اور موقع نہایت خوشنما اور دلچسپ ہے اور جا بجا چشمے اور کولیں جاری ہیں۔ اور یہاں سے ڈل اور اُسکے ٹاپوؤں اور شہر کا نظارہ نہایت ہی دلچسپ ہے۔

شالامار باغ کا بیان

ان سب باغوں میں بادشاہی باغ کا نام شالامار* ہے جو نہایت ہی خوبصورت ہے۔ اسمیں داخل ہونے کا راستہ ڈل سے ایک بڑی وسیع نہر میں کو ہے جسکے دونوں کناروں پر گھاس جمائی ہوئی ہے اور چنار کے درخت برابر دورویہ نصب ہیں اور جسکا طول پانسو قدم کا ہے

---

* ٹیک چند بہار نے اس کا نام شالامار لکھا ہے اور اس کو سنسکرت کا لفظ بتایا ہے اور لکھا ہے کہ یہ شالا اور مار سے مرکب ہے جو بمعنی خانہ اور قوت شہوی کے ہے اور مجازاً باغ کے معنی میں مستعمل ہو گیا ہے اور اسکی سند میں مرزا عبد الغنی قبول کا یہ شعر لایا ہے ؎ ز باغ زلف و رخ یار داده ہست ز ہم اگر سنبل ہمیشہ کم ز شالامار نباشد - لیکن ان معنوں کی غلطی خود ظاہر ہے کیونکہ شاعر نے اس لفظ کو باغ کے عام معنوں میں نہیں لیا ہے اور ظاہرا یہ ترکیب قواعد زبان سنسکرت کے بلکل خلاف معلوم ہوتی ہے کیونکہ اگر یہ لفظ ہندی ہوتا تو مار شالا ہونا چاہیے تھا - جیسے دھرم شالا - پاٹ شالا - گؤ شالا وغیرہ! اصل یہ ہے کہ یہ صرف اس جگہ کا نام تھا جہاں شہنشاہ جہانگیر کے پندرھویں سال جلوس میں شاہجہاں نے باپ کی فرمایش سے باغ بنایا تھا اور مقام تعمیہ کی مناسبت سے اسکا نام شالامار رکھا گیا تھا - جسکو شاہجہاں نے اپنے عہد کے ساتویں سال میں بدل کر فرح بخش نام رکھا چنانچہ تزک جہانگیری اور شاہجہاں نامہ ذخیرہ کتب تاریخ میں صاف اور صریح لکھا ہے اور دیوان کرپارام صاحب نے جو اپنی کتاب موسوم بہ گلزار کشمیر کے منقولہ مودہ ذیل پر شاہجہاں کا ایک فرمان نقل کیا ہے اُسکے ایک فقرہ سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور وہ فقرہ یہ ہے " و باغ فرح بخش کہ واقع ہست در موضع معروف شالامار ابد دست و اقبال در ایام فرخندہ فرجام شاہزادگی احداث فرمودہ بودیم " ۔ س - م - ج

اور اسی میں سے ہو کر ایک ایسے مکان میں جو بالتخصیص گرمی کے موسم کے لیے بنایا گیا ہے اور باغ کے عین وسط میں ہے پہنچتے ہیں۔ اس نہر کے علاوہ ایک اور نہر جو اس سے بھی زیادہ نفیس ہے ایک ایسے ہی دوسرے مکان میں جو باغ کے دوسرے سرے پر ہے پہنچائی ہے! اس دوسری نہر میں بڑے بڑے رنگین قسم کے پتھروں کا فرش ہے اور اُسکے ڈھلواں کنارے بھی اُسی پتھر سے بنے ہوئے ہیں۔ اس نہر کے وسط میں ایک بڑی قطار فواروں کی ہے جنکے باہم فاصلہ پندرہ قدم کا فاصلہ ہے اور اُن کے علاوہ ادھر اُدھر بڑے بڑے گول حوض ہیں جنمیں مختلف شکل وصورت کے فوارے چھوٹتے ہیں۔ یہہ مکان چونکہ مذکورہ بالا نہروں کے وسط میں واقع ہیں اس لئے اُن کے ارد گرد پانی پھرتا رہتا ہے اور اُن کے دونوں اطراف پر دو قطاریں چنار کے بڑے بڑے درختوں کی لگی ہوئی ہیں! یہہ دونوں مکان گنبد کی شکل کے ہیں اور گرداگرد غلام گردش ہے اور اُن کے دروازے جو چار چار ہیں اُنمیں سے ایک ایک دروازہ تو دونوں طرف نہر پر کھلتا ہے اور ایک ایک دونوں جانب کے اُن پلوں کے رخ کو جن پر سے ہو کر اُنمیں سے کنارے کی زمین پر پہنچ سکتے ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک کے وسط میں ایک بڑا کمرہ اور چاروں کونوں پر چار چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں جنمیں اندر کی طرف سنہری اور رنگین اور منقش کام بنا ہوا ہے اور سب کمروں کی دیواروں پر کچھ کچھ فقرات وغیرہ نہایت

* اصل کتاب میں لفظ سمر ہوس ہے (سَمَر ہاؤس) Summer House م م ح

خوشخط فارسی قلم میں لکھے ہوئے ہیں ! ان کے چاروں دروازے
نہایت ہی قیمتی ہیں یعنی پتھر کے عجیب او نایاب بڑے بڑے قطعات سے
بنے ہوئے ہیں اور ہر ایک دروازے کی محراب دو دو ستونوں پر جو ازبس
خوشنما ہیں قائم ہے۔ یہہ محرابیں اور ستون ہندوؤں کے کسی مندر کے
جسکو شاہجہاں نے ڈھا دیا تھا آئے تھے اور اس وجہ سے انکی قیمت کا
اندازہ کرنا ناممکن ہے۔ میں اس پتھر کی ذات اور قسم کی بابت کچھ بیان
نہیں کرسکتا لیکن عقیق اور سب قسم کے سنگ مرمر سے کہیں بڑھکر ہے

کشمیر کی نسبت مصنف کی رائے

مجھے یقین ہے کہ آپ نے خود بخود پہلے ہی سمجھ لیا
ہوگا کہ میں کشمیر پر فریفتہ ہوگیا ہوں مگر حقیقت یہہ ہے کہ اسکی سیر سے پہلے
اسکی خوبصورتی اور خوشنمائی کی نسبت جسقدر اعلی سے اعلی میرے تخیلات اور
تصورات تھے اُن سب سے یہہ سبقت اور فوقیت رکھتا ہے اور غالباً تمام
دنیا میں بے نظیر ہے اور کوئی دوسرا ملک جسکا طول و عرض اتنا ہی ہو اسکی
خوبیوں کو نہیں پہنچتا ! اور حق یہہ ہے کہ ہونا بھی ایسا ہی چاہئیے کیونکہ اگلے
زمانہ میں یہہ انکے بزرگوار بڑے بڑے اولوالعزم راجاؤنکا تخت گاہ تھا۔
اور تمام گرد نواح کے کوہستان بلکہ تاتار اور کل ہندوستان جزیرہ سرآندیپ
تک اسکی حکومت میں داخل تھا اور یہہ بات کچھ خلاف قیاس نہیں ہے کہ
سلاطین مغلیہ اسکو بہشت ہند (یعنی کشمیر جنت نظیر) کہتے ہیں اور کچھ تعجب نہیں
ہے کہ شہنشاہ اکبر اپنی کوششوں میں اس ملک کی خاطر علی الاتصال ایسا
سرگرم رہا کہ اُسنے یہہ ملک وہاں کے فرمانرواؤں کے ہاتھ سے کسی کسی

طرح آخر چھین ہی لیا - اور اسکا بیٹا جہانگیر تو اس چھوٹی سی مملکت پر ایسا لٹو ہوگیا تھا کہ اُسنے کشمیر کو اپنا دل پسند آرام گاہ ہی مقرر کرلیا تھا - اور اکثر کہا کرتا تھا کہ ہماری اِس عظیم الشان سلطنت کا سارا ملک اگر ہاتھ سے نکل جاوے تو اتنا رنج نہ ہو جتنا کہ کشمیر کا -

ایک مشاعرہ کا ذکر جو کشمیر کی تعریف و توصیف کے باب میں ہوا تھا -

ایک مشاعرہ جو بڑے جوش و خروش کے ساتھ شعراء کشمیر اور بادشاہی شاعروں کے باہم ہوا تھا میںنے بڑے شوق سے اُسے دیکھا تھا یعنی ہمارے کشمیر پہنچتے ہی اورنگ زیب کے حضور میں شعراء مذکور نے کشمیر کی تعریف و توصیف میں قصائد پیش کئے جنکو بادشاہ نے قبول فرماکر بہت مہربانی سے مناسب صلے عطا فرمائے ! اِن قصائد میں حد سے بڑھکر غلو اور مبالغے کئے گئے تھے - اور مجھکو یاد ہے کہ ایک شاعر نے کشمیر کے گرداگرد کے پہاڑوں کی بابت یوں بیان کیا تھا کہ "اُن کی عجیب بلندی ہی نے اِن آسمانوں کو جو نظر آتے ہیں اِس مقدس شکل کا بنا دیا ہے" ! اور یہہ کہ "خالق کائنات اپنی تمام حکمت اور خوبی ایجاد و صنعت کو اِس ملک کے پیدا کرنے پر ختم اور خرچ کرچکا اور خالق مطلق نے پہاڑوں کا یہہ حصار بناکر اِس ملک کو دشمن کی فوج کے حملہ سے محفوظ اور مامون فرمایا اور چونکہ ولایت کشمیر تمام روے زمین کے ملکوں کی ملکہ ہے اِسلئے فی الواقع ایسا ہی مناسب تھا کہ وہ اپنی کامل امنیت اور چین چان کی حالت میں بغیر کسی اطاعت کے تمام عالم پر حکومت کرسکے" شاعر آگے یوں کہتا ہے کہ "جو پہاڑ ذرا دور اور بہت اونچے ہیں اُنکی چوٹیاں سفید اور چمکدار پوشاک سے

آراستہ کی گئی ہیں - اور جو چھوٹے ہیں وہ سرسبز اور چمکدار ہرے بھرے درختوں سے سجائے گئے ہیں اور یہہ اسلئے ہے کہ دنیا کے تمام ملکوں کی ملکہ کے سر پر ایسا ہی تاج زیبا ہے جسکے کلغی کے ہیروں کی کرنیں زمرد میں نمودار ہوں" ! جب ہمارے نواب صاحب نے اس شاعر کے ان نتایج طبع کو میری تفریح خاطر کے لئے مجھے دکھلایا تو مینے کہا کہ " یہہ شاعر اگر اپنے مضمون کو یہاںتک اور بڑھا دیتا کہ کوہستان اور ممالک قرب وجوار کو (جنسے چھوٹی تبت اور ریاست راجہ گوماں اور کاشغر اور سری* نگر مراد ہے) سرحد کشمیر میں داخل کر دیتا (کیونکہ اکثر ادعا کیا جاتا ہے کہ ایک زمانہ میں یہہ ملک کشمیر کے باج گزار تھے) اور اس سے بھی بڑھکر اگر وہ یہہ کہتا کہ دریاے گنگا اور سندہ اور چناب اور جمنا (جو خوبی اور عظمت میں دریاے جیحوں وغیرہ سے جنکا کتاب مقدس میں ذکر ہے کچھ کم نہیں ہیں) مملکت کشمیر ہی سے نکلتے ہیں تو کچھ مضایقہ تھا اور اسی بنیاد پر وہ یہہ بھی کہہ سکتا تھا کہ باغ عدن بھی کشمیر ہی میں لگایا گیا تھا نہ کہ آرمینیا میں جیسا کہ لوگوں کا عقیدہ ہے [۵۱]

کشمیریوں کے ذہن وذکا اور ہنر و فن کا ذکر -

کشمیری لوگ لطافت و ظرافت میں مشہور ہیں اور بہ نسبت اور ہندوستانیوں کے زیادہ ہوشیار اور ذہین سمجھے جاتے ہیں - اور شاعری اور فضایل علمیہ میں بھی ایرانیوں

---

* یہاں وہ سری نگر مراد ہے جہاں سلیمان شکوہ نے پناہ لی تھی - ۱۲ س - م - ح

۵۱ مترجم کہتا ہی کہ شاعر کا یہہ شعر کہ - اگر فردوس بر روے زمین است * ہمین است و ہمین است و ہمین است * کشمیر کے خوب حسب حال ہے

سے کچھ کم نہیں ہیں۔ یہہ لوگ محنتی اور چست و چالاک بھی ہوتے ہیں اور انکی کاریگری خوبصورت اشیا کے بنانے میں جیسے پالکی پلنگ کے پائے صندوق صندوقچے قلمدان چمچے وغیرہ فی الواقع قابل تعریف ہے۔ اور وہاں کے کارخانوں کی بنی ہوئی چیزیں ہندوستان کے تمام اضلاع میں بکتی جاتی ہیں۔ وہاں کے لوگ روغن کاری کے فن میں نہایت کامل ہیں اور نہایت باریک اور نفیس سنہری تاروں کو کسی چیز میں جماکر ہر ایک قسم کی لکڑی کے رگ و ریشہ کی ایسی خوبصورتی سے ہوبہو نقل اتارتے ہیں کہ میں نے کبھی کوئی ایسی نفیس اور بے عیب شے نہیں دیکھی

کشمیری شال کا ذکر

لیکن جو شے کہ کشمیر سے مخصوص اور بڑی تجارت کی چیز ہو اور جسنے خاصکر وہان کی سوداگری کو چمکا اور کشمیر کو دولت سے مالا مال کر رکھا ہے وہ شال* ہے جسکو وہ اپنے کارخانوں میں بناتے ہیں۔ اور جسکی کثرت کے باعث انکے چھوٹے چھوٹے بچوں تک بھی بے شغل نہیں رہتے ان شالوں کا طول قریب ڈیڑھ گز فرانسیسی کے ہوتا ہے اور عرض ایک گز اسکے دونوں پلّوں پر بہت نفیس نقش و نگار ہوتے ہیں جو ایک اڈّے پر جسکا عرض قریب ایک فٹ فرانسیسی کے ہوتا ہے بنائے جاتے ہیں مغل اور ہندوستانی مرد اور عورتیں سب ان شالوں کو جاڑوں میں بطور

---

* آجکل کے زمانہ میں انگریزی سادی کپڑوں کے رواج پا جانے کے سبب سے ہندوستان میں عموماً شال کی پوشش بہت کم ہو گئی ہے اور اگرچہ اب سے دس پندرہ برس پیشتر کشمیر کی عمدہ شالیں فرانس کو بکثرت جاتی تھیں لیکن اب وہاں بھی بعض انقلابوں کی وجہ سے اسکی مانگ بہت کم ہو گئی ہے جس سے کشمیر کے بیچارے شالباف بہت مفلس ہو گئے ہیں ۱۲ س۔م۔ح

رضائی کے سر سے اوڑھ کر دائیں طرف سے بائیں طرف کو اپنی جسم پر ڈالے رہتے ہیں! شالیں یہاں دو قسم کی بنتی ہیں ایک تو کشمیری اُون کی جو ملک اسپین کی پشم سے زیادہ نفیس اور ملائم ہوتی ہے دوسری اُس پشم کی جسکو توز[^1] کہا جاتا ہے اور جسکی ملائمت اور نفاست کو بیور یعنی سگ آبی کی پوستین بھی نہیں پہنچتی اور بڑی تبت میں ایک قسم کی جنگلی بکریوں کی چھاتی پر سے اُتاری جاتی ہے۔

کشمیری اُون کے ریزے سے توز کی شالیں زیادہ تر عمدہ اور پسندیدہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ میں نے اُن میں سے چند شالیں دیکھی ہیں جو اُمرا کے واسطے فرمائشی تیار ہوی تھیں اور ڈیڑھ ڈیڑھ سو روپیہ لاگت آئی تھی اور کشمیری اُون کی شال مینے کبھی پچاس روپیہ سے زیادہ کو فروخت ہوتی نہیں سُنی[^2]

شال کو اگر کئی مرتبہ کھول کر ہوا نہ دیجاے تو بہت جلد کیڑا لگ جاتا ہی ہر چند پٹنہ آگرہ اور لاہور میں ایسی شالیں بنانیکے واسطے بڑی بڑی کوششیں

---

[^1]: ایک کشمیری سے تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ تبت کی طرف سے جو پشم آتی ہے اسکو تبتی لوگ توسا کہتے ہیں جسکو اصل کتاب کے مصنف یا غالباً مترجم انگریزی نے اپنی زبان کے لہجہ کے موافق حرف زےڈ یعنی زے کے ساتھ لکھدیا ہے۔ ۱۲ س م ح (توز) (ٹُ و ز)

[^2]: ہمارے اس زمانہ میں تین چار سو روپیہ سے کم قیمت کی شال امیرانہ پوشش کے لایق نہیں سمجھی جاتی اور فرمایشی شالیں تو ایکہزار سے لیکر دو ڈھائی ہزار روپیہ کی قیمت کی بھی بن سکتی ہیں مگر نہایت معمولی قیمت اچھی شال کی دو سو روپیہ سے لیکر سات آٹھ سو تک ہی۔ پس اسوقت اور اُسوقت کی قیمت میں جسکا ذکر مصنف نے کیا ہے اختلاف کا سبب شاید یہہ ہو کہ اُسوقت ایسا عمدہ اور باریک کام نہ بنتا ہوگا یا یہہ سبب ہو کہ اُسوقت کی نسبت چاندی کی قیمت متناسبہ کم ہوگئی ہے ۱۲- س م ح [* اس پ ے ن Spain] [+ ب ی و ر Bearer]

عمل میں آئیں مگر باوجود ہر طرح کی ہوشیاری کے کشمیری شال کی ملائمت اور بافت کی خوبی نصیب ہوئی۔ اور شاید یہہ اُس مُلک کے پانی ہی کا خاصہ ہے جسکے باعث کشمیری ریزے کو یہہ بے نظیر نفاست حاصل ہے۔ چنانچہ مچھلی پٹن کی چھینٹوں وغیرہ کی اعلیٰ رنگت کو بھی جنکو ہاتھ سے چھاپتے ہیں اور جو دہشوب میں عمدہ ہی نکلتی آتی ہیں وہاں کے پانی ہی کی خاصیّت سے منسوب کرتے ہیں۔

اہل کشمیر کی شکل و صورت کا بیان

کشمیری لوگ خوبصورتی اور صباحت کے لیئے اہل فرنگ کیطرح ضرب المثل ہیں اور نہ تو تاتاریوں کیطرح اُنکی ناک چپٹی ہوتی ہے اور نہ سُور کی سی بدنما چھوٹی آنکھیں! جو اہل کاشغر اور اکثر بڑی تبّت کے رہنے والوں کی علامت ہے۔ خصوصاً عورتیں بہت ہی حسین ہوتی ہیں اور قریباً ہر شخص جو اوّل ہی اوّل سلطنت مُغلیہ میں آکر اُمراء دربار کی ذیل میں داخل ہوتا ہے اسی مُلک سے اپنے لیئے بیوی یا حرم پسند کرتا ہے تاکہ اُسکی اولاد بہ نسبت ہندوستانیوں کے زیادہ گوری ہو اور اصل مغلوں میں محسوب ہو سکے۔ اور جبکہ بازاریں اور دُکانوں پر ادنے اور غریب لوگوں کی عورتیں حسین دیکھنے میں آتی ہیں تو میرے قیاس کی رو سے اونچے گھرانوں کی عورتوں کے جمیل ہونے میں کچھ بھی شک نہیں ہے

مصنف کا لاہور اور کشمیر میں ایک کر کے حسین مستورات کو دیکھنا

قیام لاہور کے زمانہ میں حسین مستورات کے دیکھنے کی خاطر میں بھی اُسی طور کا ذرا سا مکر عمل میں لایا تھا جیسے کہ مُغل لوگ اکثر تاک جھانک کی غرض سے کیا کرتے ہیں کیونکہ

بہ نسبت تمام ہندوستان کے اُس شہر کی عورتیں زیادہ حسین ہوتی ہیں۔ رنگ گندمی ہوتا ہے۔ اور فی الواقع نزاکت اور لطافتِ اندام میں انکی شہرت بجا ہے۔ چنانچہ میں بعض ہاتھیوں کے پیچھے پیچھے ہولیا خصوصاً ایک ایسی ہاتھی کے پیچھے جس پر جھول اور سامان ازبس مکلّف پڑا ہوا تھا اور اِس تدبیر سے مجھے یقین تھا کہ جس نظارے کا میں طالب ہوں وہ غالباً مجھے حاصل ہو جائیگا کیونکہ وہاں کی مستورات اُن نقرئی گھنٹوں کی آواز سُنتے ہی جو ہاتھی کے دونوں طرف لٹکائے جاتے ہیں اکثر کھڑکیوں سے سر باہر نکال کر دیکھنے لگ جاتی ہیں۔

پھر ایک اور مکر اختیار کرنا

پہلے پہل کشمیر میں بھی میں اپنا دل اکثر اسی تدبیر سے بہلاتا رہا مگر آخر کار جب اِس سے بھی زیادہ ایک اور عمدہ طریق ان کے دیکھنے کا اُس شہر کے ایک مشہور بڈھے مُلّا نے جس سے میں فارسی نظم کی کتاب پڑھا کرتا تھا مجھے سکھلایا تو مینے اپنے مدعا کے حصول کے لئے اُسپر عمل کرنا شروع کیا چنانچہ وہ طریق یہہ تھا کہ بہت سی مٹھائی خرید کر میں اُسکے ساتھ پندرہ سولہ گھروں میں جہاں وہ بغیر روک ٹوک کے جا سکتا تھا پھر گیا۔ ان سب گھروں میں مجھے اُسنے اپنا رشتہ دار ظاہر کیا اور کہا کہ ابھی ایران سے آیا ہے اور بڑا متمول آدمی ہے اور شادی کرنا چاہتا ہے۔ اور جونہی ہم کسی گھر میں داخل ہوتے تھے وہ فوراً لڑکے بالوں کو شیرینی تقسیم کرنے لگ جاتا تھا اور اس حکمت سے اُس گھر کی سب عورتیں کیا بیاہی کیا کنواری کیا بڈھی کیا جوان نہ صرف مٹھائی لینے کی خاطر بلکہ اس مُراد سے بھی کہ میں اُنکو دیکھ لوں میرے

گرد جمع ہو جاتی تھیں۔ اگرچہ اِس شوق کے پورا کرنے میں میرا بہت سا روپیہ خرچ ہوا مگر اس تدبیر سے مجھے کچھ شک باقی نہ رہا کہ حقیقتاً کشمیر میں ویسا ہی حسن ہے جیسا کہ تمام فرنگستان میں۔

بھمبر سے کشمیر تک کوہستانی راستے اور عجائبات قدرت کا بیان۔

اب مجھکو صرف اُس سفر کی کیفیت لکھنی رکھی ہے جو بھمبر سے کشمیر تک کوہستان کے اندر مجھے کرنا پڑا اور جو مجھے اپنے اِس خط کے شروع ہی میں لکھنا چاہیئے تھا۔ اِس کیفیت میں کچھ حقایق تو ایسے ہیں جو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھکر لکھے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو کوہستان قرب وجوار کشمیر کی بابت لوگوں سے حتی الوسع تحقیق کرکے ہم پہنچاے ہیں! پس اب بھمبر سے راستہ کا حال سُنئے کہ جو ہیں ہم اُس ہولناک دیوار عالم کی دوسری جانب پہنچے جس سے میری مُراد بھمبر کا وہ بلند اور سیدھا اور درختوں سے خالی سیاہ پہاڑ ہے تو ہمکو ایک صاف اور ملائم اور تازگی بخش ہوا ملی اور میں پہلی ہی رات کو اپنے تئیں منطقۂ حارّہ سے منطقۂ معتدلہ میں پاکر متعجب ہوا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہندوستان سے فرنگستان میں پہنچ گیا ہوں جن پہاڑوں میں سے ہوکر ہمارا گُزر ہوا وہ ہر قسم کے فرنگستانی درختوں اور جھاڑیوں سے سبز ہو رہے تھے مگر اُن میں زوفا زیرہ اور ضیمراں* اور روزمیری+ قسم کا گلاب نہ تھا۔ اور گویا میں اپنے تئیں آورن# کے

---

* ضیمراں ایک قسم ناز بو کی ہے۔ س۔م۔ح

فرانس کے ایک ضلع کا نام ہے۔ س۔م۔ح

+ Rosemary

Auvergne

پہاڑوں میں پایا تھا جنمیں صنوبر۔ بلوط وغیرہ کے درخت کثرت سے ہیں
اور اس سیرگاہ اور ہندوستان کے جلتے بلتے میدانوں میں جنکو ہم ابھی
چھوڑ کر آئے تھے اور جہاں کوئی شے بھی اس قسم کی نظر نہیں پڑتی تھی
ایک نہایت بیّن فرق معلوم ہوتا تھا۔ اور میری توجّہ خصوصاً اُس پہاڑ کیطرف
تھی جو کوہ بھمبر سے دو دن کی مسافت پر تھا اور جسکی دونوں طرفیں مختلف
طور کے درختوں سے لدی ہوی تھیں یعنی جو طرف جنوب رویہ اور
ہندوستان کی جانب ہے اُس پر تو ہندوستانی اور فرنگستانی دونوں
قسم کے اشجار کھڑے ہیں اور دوسری طرف یعنی جانب شمال صرف
فرنگستانی درختوں اور نباتات سے بھری ہے اور ایسا معلوم ہوتا تھا
کہ ایک طرف پر تو ہندوستان اور فرنگستان دونوں کی ہوا اور طبیعت
برابر ملی جلی ہے اور دوسری جانب (باعتبار زیادہ اعتدال کے)
صرف فرنگستان کی سی آب وہوا ہے۔ ! راستہ میں مَیں اسحال کو دیکھکر
بھی نہایت متعجّب ہوا کہ ادھر تو بیشمار درخت کھوہوں اور غاروں میں جہاں
انسان کو کبھی جانے کی بھی جرائت نہیں ہوتی نیچے اوپر پڑے ہوی سڑ گل
کر خاک ہورہے ہیں اور اُدھر اسیطرح بیحد درخت اور نئے نئے پودے
اُنکی قائم مقامی اختیار کرنیکے لئے بڑی خوشنمائی سے سرسبزی اور
شادابی کی حالت میں لہلہا رہے ہیں! میں نے بعض جگہہ جلے ہوی
درخت بھی دیکھے مگر میں یہہ نہیں کہہ سکتا کہ اُن پر بجلی گری تھی یا ایک دوسرے
کے ساتھ رگڑنے سے جل گئے تھے۔ کیونکہ تیز و تند ہوا کے چلنے سے

درختوں میں یہ حالت اکثر واقع ہو جاتی ہے۔ یا یہاں کے لوگوں کے خیال کے موافق خشک اور پرانے ہو کر اُن میں خود بخود آگ لگ اُٹھتی تھی

ایک عجیب آبشار جسکے قریب جہانگیر کی بنائی ہوئی ایک عالیشان عمارت ہے

خوشنما آبشاروں نے جو یہاں چٹانوں کے مابین اکثر بڑے زور و شور سے گرتی ہیں خوبی اور لُطف سیر کو نہایت ہی بڑھا دیا ہے۔ خصوصاً ایک آبشار جو اپنی نظیر آپ ہی ہے ہمنے اسکو ایک اونچے پہاڑ پر کھڑے ہو کر کچھ فاصلہ سے دیکھا کہ پانی کا ایک سیلاب ایک لمبے اور تاریک راستہ سے جو برابر درختوں سے ڈھکا ہوا ہے آکر بڑی تیزی کے ساتھ دفعتاً ایک بڑی سیدھی اور بلند چٹان پر سے گرتا ہے جس سے ایسا شور ہوتا ہے کہ کان سُن ہو جاتے ہیں بادشاہ جہانگیر نے اس آبشار کے متصل ایک پہاڑ کو ہموار کرا کر اُسپر ایک عالیشان عمارت تعمیر کرادی ہے تاکہ اہل دربار اس حیرت افزا صنع قدرت کے تماشا کو وہاں سے بآرام بیٹھکر ملاحظہ کر سکیں۔ اس آبشار اور اُن درختوں سے جنکا ذکر اوپر ہوا قدامت اور کہنگی کے آثار ایسے نمایاں ہیں کہ آفرینش عالم کے ہم سن کہنا شاید بیجا نہیں ہے۔

پیر پنجال کی چڑھائی میں بیگمات کی سواری کے ہاتھیوں کا گر جانا اور کئی عورتوں کی جان کا تلف ہونا۔

اس جگہ ایک ایسا سخت حادثہ پیش آیا جس سے ہمارے سیر و تماشے کا لطف بالکل منغص ہو گیا بادشاہ اسوقت پیر پنجال پہاڑ کی چڑھائی پر تھا جو سب پہاڑوں سے اونچا ہے اور جہاں سے ملک کشمیر پہلے ہی پہل دکھائی دینے لگتا ہے اور بادشاہ کے پیچھے پیچھے ہاتھیوں کی ایک لمبی قطار چلی آتی ہے جن پر عماریوں اور میگھڈنبروں میں بیگمیں سوار تھیں اس قطار میں کا سب سے اگلا ہاتھی لوگوں کی دانست میں راستہ

کی بلندی اور درازی سے خوف کھاکر پیچھے کو ہٹا اور اُس ہاتھی پر آن گرا جو
اُس کے پیچھے آتا تھا اور اسیطرح پندرہ ہاتھیوں کے ایک دوسرے پر
گر پڑنے کی نوبت پہنچگئی - اور اَب نہ تو وہ گھوم ہی سکتے تھے اور نہ دائیں
بائیں حرکت کر سکتے تھے کہ اُس تنگ اور ڈھلواں راستے سے اپنے تئیں
نکال لیں اور آخر بیخود ہو ہو کر نیچے جا گرے - مگر جس مقام پر یہہ ہاتھی گرے
تھے خوش قسمتی سے وہ جگہہ چنداں بلند نہ تھی اسلئے صرف تین یا چار ہی عورتوں
کی جان تلف ہوئی - لیکن ہاتھیوں میں سے کسی ایک کے بچانے کی بھی
کوئی صورت نہ نکلی - یہہ جانور جب کبھی بھاری بوجھ سے جو اکثر اُسپر لادتے ہیں
دبکر بیٹھ جاتا ہے تو پھر اچھے راستہ پر بھی نہیں اُٹھ سکتا بس ایسی خراب جگہہ
میں کسطرح اُٹھتے - چنانچہ جب ہم دو روز بعد پھر اُسی راستہ سے گزرے تو
ہمنے دیکھا کہ بیچارے کئی ہاتھی ابتک پڑے ہوے اپنی سونڈیں ہلا رہے
تھے - اُس فوج کو جو چار دن سے قطار باندھ کر ان پہاڑوں میں کوچ کر رہی
تھی اِس حادثے کے باعث سخت تکلیف اُٹھانی پڑی کیونکہ اُس روز کا باقی
ماندہ دن اور تمام اگلی رات بیگمات کی جان بچانے اور اسباب سنبھالنے میں
گزرے اور اتنی دیر تک سپاہ کو بمجبوری اُسی جگہہ ٹھہرنا پڑا اور اس سبب سے
ہر ایک شخص اپنی اپنی جگہہ گویا بند ہوا کھڑا رہا - کیونکہ بہت سے مقامات ایسے
تھے کہ وہاں سے آگے بڑھنا یا پیچھے ہٹنا ناممکن تھا اور قلی لوگ جنکے پاس
خیمے اور رسد تھی وہ پہنچ نہیں سکتے تھے - مگر میری معمولی خوش قسمتی میرے
ساتھ تھی - میں راستہ سے الگ نکل کر ایک ایسی جگہہ جا چڑھا کہ جہاں میںنے

اور میرے گھوڑے نے آرام وقت بسر کیا اور تھوڑی سی روٹی جو میرے
نوکر کے پاس تھی ہم دونوں نے بانٹ کھائی۔

ایک بچھو کاٹنے کی عجیب حکایت

مجھکو یاد ہے کہ اسی جگہہ پر پتھروں کے ہلانے جلانے
سے ہمکو ایک بڑا سیاہ بچھو نظر پڑا جسکو ایک نوجوان مغل نے جو میرے
جان پہچان والوں میں سے تھا اُسے اُٹھا کر اپنی مٹھی میں دبالیا اور پھر
میرے نوکر کے اور میرے ہاتھ میں دیدیا مگر اُس نے ہم میں سے کسی کو
بھی نہ کاٹا۔ اس نوجوان سوار نے اسکا باعث یہہ بیان کیا کہ مینے اسپر قرآن
کی ایک آیت پڑھکر پھونک دی ہے۔ اور اکثر بچھوؤں پر میں اسیطرح
پڑھکر پھونک دیتا ہوں۔ مگر مجھے اُس آیت کے سکھلانیسے انکار کرنے
کی اُسنے یہہ وجہ بیان کی کہ اُسکی تاثیر اُس سے منتقل ہوکر میرے میں آجائیگی
جیسا کہ بقول اُسکے! اُسکے اُستاد کا حال ہوا تھا۔ یعنی جب اُسنے اُس
نوجوان کو یہہ عمل سکھلایا تو فوراً اُسکی تاثیر اُستاد کے ہاتھ سے جاتی رہی۔

پیر پنجال پر مصنف کا تین عجیب باتیں معلوم کرنا

جب ہم پیر پنجال پر سے جارہے تھے مینے
اپنے فلسفیانہ خیالات کے ساتھ تین عجیب باتوں کا ملاحظہ کیا۔

(۱) گرمی و سردی کی دو متضاد کیفیتیں

ایک تو یہہ کہ ایک ہی ساعت میں گرمی اور سردی
کی دو متضاد کیفیتیں محسوس ہوئیں یعنی چڑھائی کے وقت تو دھوپ بہت
سخت معلوم ہوتی تھی اور ہم پسینے پسینے ہوتے جاتے تھے لیکن چوٹی پر
پہنچتے ہی ہمنے اپنے تئیں جمی ہوئی برف کے اندر پایا جسکو کاٹ کر لشکر
کے گزر کیواسطے راستہ بنایا گیا تھا جہاں خفیف برفانی بارش بھی ہورہی تھی

اور ٹھنڈی ہوا ایسی تندی کے ساتھ چل رہی تھی کہ بیچارے ہندوستانی لوگ جنمیں سے اکثر نے کبھی سردی کی شدت نہیں اُٹھائی تھی پہلے ہی پہل اُس برف کو دیکھکر بڑی تکلیف اور حیرت میں پڑ گئے اور بعض تو گھبرا کر بھاگ بھی گئے۔

(۲) صرف دو سو قدم کے فاصلہ میں دو مخالف سمتوں سے ہوا کا چلنا

دوسری یہہ کہ صرف دو ہی سو قدم کی مسافت کے اندر دو مخالف سمتوں سے ہوا چلتی تھی۔ یعنی چڑھائی کیوقت تو سامنے کی ہوا تھی جو شمال کی جانب سے آتی تھی اور اُترائی کے شروع ہوتے ہی ہماری پشت یعنی جنوب کیطرف سے چلنے لگ گئی۔ غور کرنے سے اسکا سبب یہہ معلوم ہوتا تھا کہ سب طرف سے بخارات اُٹھکر جب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے ہیں تو وہاں کی سردی سے کثیف ہو کر اُس ہوا کی پیدایش کا باعث ہوتے ہیں جو وہاں چلتی رہتی ہے۔ اور اُترائی کی دونوں مخالف اطراف میں ہوا چلنے کا سبب یہہ معلوم ہوتا ہے کہ گرمی کے سبب سے جو نیچے زیادہ ہوتی ہے۔ نیچے کی ہوا جب ہلکی اور لطیف ہوجاتی ہے تو اوپر کی ثقیل ہوا اُسکی جگہہ لینے کو نیچے اُتر آتی ہے اور یہہ اُتار چڑھاؤ ہوا کی حرکت کا باعث رہتا ہے۔

(۳) ایک عمر رسیدہ درویش کا یہہ بتانا کہ بیرنجال پر شور و غل مچانے سے طوفان آجاتا ہے

تیسری یہہ کہ اُس پہاڑ کی چوٹی پر ایک عمر رسیدہ درویش دیکھا جو جہانگیر کے وقت سے یہاں رہتا ہے اُسکے مذہب سے تو کسیکو کچھ واقفیت نہ تھی مگر لوگ یہہ بیان کرتے تھے کہ اُس سے خرق عادات اور کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں جس سے بادلوں میں

عجیب عجیب طرح کی گرج۔ طوفان۔ برف۔ اولے۔ اور مینہ پیدا ہو جاتا ہے اُسکی سفید اور الجھی ہوئی داڑھی بہت گھن دار اور لمبی تھی اور چہرے سے کچھ وحشت اور بدمزاجی کے آثار بھی نمایاں تھے اور خیرات بھی ایک اکھڑپن سے مانگتا تھا اور لوگوں کو اُن مٹّی کے پیالوں سے پانی پینے کی اجازت دیتا تھا جو ایک بڑے سے پتھر پر اُسنے بطور قطار کے چُنے ہوئے تھے اور ہاتھ سے اشارہ کرتا جاتا تھا کہ یہاں توقف نکرو جلد اُتر جاؤ اور جو لوگ کچھ غل مچاتے تھے اُن سے سخت ناراض ہوتا تھا۔ مگر جب میں اُس غار میں کہ جہاں وہ بیٹھا تھا پہنچا اور مؤدب طور پر اُسکے ہاتھ پر ایک اٹھنّی رکھکر اُسکا مزاج ٹھنڈا کیا تو اُسنے مجھے کہا کہ یہاں شور و غل مچانے سے ہوا اور مینہ کا ایسا سخت طوفان پیدا ہو جاتا ہے جو انسان کے خیال میں بھی نہیں آسکتا۔ اور کہا یہہ اورنگ زیب کی دانائی ہے جو اُسنے ہماری نصیحت مان کر سپاہ و لشکر کو چُپ چاپ اور تعجیل کے ساتھ اُتر جانے کا حکم دیدیا ہے اور اسکا باپ شاہجہاں بھی ایسے ہی حزم و احتیاط کے ساتھ عمل کیا کرتا تھا۔ مگر جہانگیر نے ایک دفعہ ہماری نصیحت کو ہنسی میں اُڑا کر باوجود ہماری تاکیدی ممانعت کے نقّارے اور نفیریاں بجانیکا حکم دیدیا تھا مگر وہ ایسے طوفان میں گھرا کہ ہلاک ہوتے ہوتے بچ گیا۔

کشمیر کے بعض چشموں وغیرہ کا دلچسپ بیان

اب میں آپکی خدمت میں اُس سیر و سیاحت کا حال بیان کرنا شروع کرتا ہوں جو میں نے اِس مُلک کے مختلف حصّوں میں کی ہے۔ شہر کشمیر میں پہنچتے ہی ہمارے نواب دانشمند خاں نے مجھکو اس مُلک کی پرلی حد تک بھیجا جو دارالحکومت سے ہلکی سی تین منزل

ہے تاکہ میں اُن عجائبات کا ملاحظہ کروں جو ایک اُبلتے چشمے سے منسوب کئے جاتے ہیں میرے ہمراہ ایک وہاں کا باشندہ اور محافظت کیواسطے نواب صاحب کا ایک سوار بھی تھا۔

چشمہ سوندہ براری کی وجہ تسمیہ اور اُسکے جاری و بند ہونیکے تعجب انگیز اوقات اور اُسکے سبب کی نسبت مصنف کا خیال

عجائبات یہہ ہیں کہ ماہ مئی میں جسوقت برف پگھلنے لگتی ہے پندرہ روز تک یہہ چشمہ فوارہ کیطرح برابر جاری رہتا ہے اور رات دن میں تین بار یعنی طلوع آفتاب کے وقت اور دوپہر اور رات کو بند ہو جاتا ہے۔ اکثر یون گھنٹہ تک اُس سے متواتر پانی نکلتا رہتا ہے اور ایک ایسے مربع حوض سے بھر دینے کو جو دس بارہ فرانسیسی فٹ عمق اور اسیقدر طول و عرض رکھتا ہے مکتفی سے بھی زیادہ ہے اور جب پندرہ روز گزر جاتے ہیں تو پانی کی آمد اسیقدر کم ہو کر اُس کا بہاؤ معمولی اندازہ پر آجاتا ہے اور ایک مہینا گزرنے کے بعد پانی کی آمد بالکل بند ہو جاتی ہے مگر سخت اور متواتر بارشوں میں مثل اَور چشموں کے بلاانقطاع اور بلااندازہ جاری رہتا ہے۔ اس حوض کے کنارے پر ہندؤں کا ایک مندر ہے جو برار دیوتا کے نام سے منسوب ہے اور اسی وجہ سے یہاں کے لوگ اُس کو سوندہ براری یعنی آب برار کہتے ہیں۔ چنانچہ جاتری لوگ دور دور سے آکر اس مندر پر جمع ہوتے ہیں تاکہ اس معجزنما اور پوتّر پانی سے اشنان کریں۔ اس چشمہ کی اصلیت کی بابت لوگ بہت سی حکایتیں بیان کرتے ہیں جو لغو اور بیہودہ ہونے کی

وجہ سے اُنکا بیان چنداں دلچسپ نہ ہوگا۔ پانچ چھ روز جو مجھکو یہاں ٹھہرنیکا اتفاق ہوا تو میں اس عجوبگی کا سبب دریافت کرنے میں کوشش کرتا رہا چنانچہ مینے اُس پہاڑ کو جسکے دامن میں یہہ عجیب چشمہ نکلتا ہے بغور ملاحظہ کیا اور سخت محنت اور مشکل کے ساتھ اُسکی چوٹی پر پہنچکر قدم قدم پر تلاش کرنے اور دیکھنے میں کوئی حصّہ اُسکا دریافت سے باقی نہ چھوڑا۔ اُسکا طول شمال سے جنوب کی جانب ہے اور اگرچہ اور پہاڑوں کے بہت قریب ہی مگر تاہم سب سے بالکل جُدا ہے۔ اُسکی ہیئت گدھے کی پیٹھ کے مشابہ ہے اور اگرچہ چوٹی کا طول بہت بڑا ہے مگر عرض غایت درجہ سو قدم بھی مشکل سے ہوگا۔ اسکی ایک طرف شمال رویہ ہے جسپر سبز گھاس کے سوا اور کچھ نہیں ہے مگر صبح کے آٹھ بجے تک مقابل کے پہاڑوں کے حائل ہوجانے کی وجہ سے اُسپر دھوپ نہیں آتی۔ اور غربی جانب درختوں اور نباتات سے پُر ہے۔ پس یہہ حالات دیکھکر مینے اپنے دل میں خیال کیا کہ شاید حرارت آفتاب اسکی موقع کی خصوصیت اور اندرونی کیفیتوں سے ملکر اس عجوبگی کو پیدا کرتی ہے اور اس بناء پر مینے اپنی یہہ راے قایم کی کہ جاڑے کے موسم میں جبکہ تمام زمین برف سے ڈھک جاتی ہے کچھ پانی اس پہاڑ کے اندرونی حصّوں میں رِس کر اور منجمد ہوکر اُسیطرح محفوظ پڑا رہتا ہے اور جب صبح کے وقت سامنے کی دھوپ سے پہاڑ کا وہ حصّہ گرم ہوجاتا ہے جسپر سب سے پہلے دھوپ آتی ہے تو وہ پانی پگھل کر پہاڑ کی دراڑوں میں سے دوپہر کیوقت چشمہ کی جگہہ پھوٹ نکلتا ہے اور جسوقت وہ مقام جو صبح کی دھوپ سے گرم ہوا تھا

آفتاب کے بلند ہوجانیکے باعث سرد ہوجاتا ہے تو اُس جگہہ سے پانی کا آنا بند ہوجاتا ہے۔ اور پھر جب دوپہر کیوقت آفتاب کی شعاع پہاڑ کی چوٹی پر اُسکے سر کی طرف سے پڑنے لگتی ہے تو پہاڑ کے دوسرے حصہ کا پانی پگھلنا شروع ہوتا ہے اور بتدریج دوسرے راستوں سے اُنہیں پہلے راستوں میں آجاتا ہے اور رات کو چشمہ سے بہنے لگتا ہے۔ پھر جب آفتاب کی دھوپ پہاڑ کی مغربی سمت پر پڑتی ہے تو وہی تاثیر اُس طرف کے منجمد پانی پر ہوتی ہے جو صبح کیوقت پانی نکلنے کا باعث ہے۔ مگر اس دفعہ جو پانی چشمہ سے آہستگی کے ساتھ نکلتا ہے اُسکا باعث یہہ ہے کہ مغربی سمت کے پانی کا ذخیرہ چشمہ کے مونہہ سے کسیقدر فاصلہ رکھتا ہے اور یہہ بھی سبب ہے کہ کثرت اشجار کی وجہ سے تمازت آفتاب سے پہاڑ کی وہ طرف کم اثر پذیر ہوتی ہے یا فقطرات کی سردی اُسکا سبب ہے کہ جسکے باعث پانی کا جریان کسیقدر سست ہوجاتا ہے۔

میرے ان دلائل کو اس بات پر غور کرنے سے تائید پہنچتی ہے کہ پہلے دنوں میں پانی کثرت سے نکلتا ہے اور پھر بتدریج گھٹکر بالکل بند ہوجاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو پانی پہاڑ کی دڑاڑوں میں جما ہوا پڑا تھا ابتدا میں زیادہ تھا اور اخیر میں کم ہوتا گیا۔ علاوہ بریں یہہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اس چشمہ سے پانی کے بہاؤ کی مقدار خواہ ابتدائی موسم ہی میں کیوں نہ ہو بالکل غیر معین طور کی ہوتی ہے۔ چنانچہ بعض اوقات دوپہر کو رات یا صبح کی نسبت زیادہ ہوجاتی ہے اور کبھی صبح کو بہ نسبت دوپہر

کے کثیر المقدار ہوتا ہے جسکا سبب ظاہر ہے یعنی یہہ کہ کسی دن گرمی زیادہ ہوتی ہے اور کسی دن کم اور بعض اوقات ابر کے سبب دھوپ کی حرارت میں کمی اور زیادتی کا ہو جانا پانی کے بہاو میں کمی اور زیادتی کا باعث ہوتا ہے۔

اچھہ بل میں ایک جوشندہ چشمے اور وہاں کے باغ کا ذکر

سوندہ براری سے واپسی کے وقت میں شاہراہ سے تھوڑا سا چکر کھا کر آیا تھا تاکہ اچھہ بل کی بھی سیر کرتا چلوں ! یہہ جگہہ شہر کشمیر کے توابع میں ایک بادشاہی باغ ہے جو سابق میں راجگان کشمیر سے متعلق تھا اور اب شاہان مغلیہ کی سیرگاہ ہے جو چیز کہ بالتخصیص اس جگہہ کی حسن و خوبی کا باعث ہے وہ ایک جوشندہ چشمہ ہے جسکا پانی سیکڑوں چھوٹی چھوٹی نہروں میں منقسم ہو کر اس مکان کے گرد اور کل باغ میں پھرتا ہے اور خالی از لطف نہیں۔ اس چشمہ سے پانی اس شدّت سے اُچھلتا ہے کہ گویا کسی کنوئیں کی تہ سے جوش مار رہا ہے اور اتنا زیادہ ہے کہ اُسکو دریا کہنا چاہیئے نہ کہ چشمہ۔ اور نہایت لطیف اور برف کی مانند سرد ہے۔ یہہ باغ بہت خوبصورت ہے اُسکی روشیں نہایت اسلوب سے بنی ہوئی ہیں۔ اور میوہ دار درختوں۔ مثل سیب۔ ناشپاتی۔ الوچہ اور زرد آلو سے بھرا ہوا ہے۔ فوّارے مختلف وضع اور شکل کے اور مچھلیوں کے رکھنے کے لئے حوض کثرت سے بنے ہوئے ہیں۔ اس جگہہ ایک ابشار ایسی بلند ہے کہ گرتے وقت تیس یا چالیس قدم کے طول میں ایک سفید اور خوبصورت چادر کی شکل بنجاتی ہے۔ اور ایک ایسی عجیب کیفیّت

پیدا کرتی ہے جو قیاس سے باہر ہے۔ خصوصاً رات کیوقت جب اس کے نیچے دیوار کے طاقوں میں جو اس غرض سے بنائے ہوئے ہیں صدہا چراغ روشن کردیے جاتے ہیں تو اور ہی سماں نظر آتا ہے۔

ایک اور بادشاہی باغ اور وہاں کی ایک حوض کی مچھلیوں کا ذکر۔

اچھہ بل سے چلکر میں ایک اور بادشاہی باغ میں پہنچا جو وہ بھی ایسا ہی آراستہ ہی اور اس باغ کے حوض کی مچھلیاں آدمیوں سے ایسی مانوس ہیں کہ بلانے یا روٹی کا ٹکڑا ڈالنے سے نزدیک آجاتی ہیں۔ اور بڑی بڑی مچھلیوں کے جبڑوں میں سونے کے بالے پڑے ہوئے ہیں جنپر کچھ لکھا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہہ بالے نور محل (نورجہاں بیگم) نے جو اورنگ زیب کے دادا جہانگیر کی بیگم تھی پہنائے تھے۔

بارہ مولا میں پیر کے ایک مقبرہ پر بیماروں کے شفا پانے کی غلط شہرت اور ایک ایسے ہی اور بیہودہ اعتقاد کا ذکر۔

جب میں نے واپس آکر سوندہ براری کے حالات دانشمند خاں سے بیان کئے تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ انکو سنکر خوش ہوے۔ پھر انہوں نے مجھے ایک اور طرف جانے کی فرمایش کی تاکہ میں بھی اس عجیب امر کی تصدیق کروں جسکو اور لوگوں کی طرح وہ بھی فی الحقیقت کرامت سمجھتے تھے اور ان کے گمان میں وہ ایسی کرامت تھی کہ میں اسے دیکھکر مسلمان ہوجاؤنگا۔ انہوں نے فرمایا کہ "آپ ذرا بارہ مولا تک ہو آئیے جسکا فاصلہ سوندہ براری سے کچھ زیادہ نہیں ہے۔ وہاں ایک مقبرہ ہے جسمیں ایک مشہور پیر کا مزار ہے جو اگرچہ اب زندہ نہیں ہیں مگر ان کی کرامت سے ابتک بیمار اور ناتوان

لوگوں کو شفا ہوتی ہے - اور مرض یا شفا کے فی الواقع ہونے کو شاید آپ نہ مانیں مگر اُس بزرگ کی کرامت سے ایک اور کرشمہ ظہور میں آتا ہے - جسکو دیکھکر ہر شخص کو تسلیم کرنا پڑتا ہے - یعنی وہاں پتھر کی ایک بڑی مدوّر سل پڑی ہے جسکو نہایت طاقت ور آدمی بھی زمین سے نہیں اُٹھا سکتا لیکن گیارہ آدمی اُس ولی کے حقمیں کچھ فاتحہ وغیرہ پڑھکر اپنی اُنگلیوں کے سرے سے ایسی آسانی کے ساتھ اُٹھا لیتے ہیں کہ جیسے ایک گھاس کا تنکا اُٹھا لیا - مینے اس دوسرے سفر کی تکلیف کو بھی بخوشی گوارا کرلیا اور اپنے دونوں پہلے رفیقوں کے ساتھ چلدیا -

بارہ مولا کو مینے ایک فرحت بخش جگہہ پایا - اور اگرچہ مقبرہ تو کچھ بہت بڑی لاگت کا مکان نہ تھا مگر اُس پیر کی قبر البتہ تکلّف سے آراستہ تھی - اور اُسکے چاروں طرف لوگ دعا وغیرہ میں مشغول تھے اور کہتے تھے کہ ہم بیمار ہیں - اُس مقبرہ کے متصل ایک باورچیخانہ ہے جہاں مجھکو بڑی بڑی دیگیں گوشت اور چاولوں سے بھری ہوئی نظر پڑیں جس سے مینے فوراً تاڑ لیا کہ بس یہی بیماروں کے یہاں کھینچ لانیکے لئے مقناطیس کا کام دیتی ہیں اور یہی اُنکی شفا کے لئے کرامات کا حکم رکھتی ہیں - مقبرہ کے دوسری جانب ایک باغ اور مجاور لوگوں کے حجرے ہیں جنہوں نے اپنے پیر کی مقدّس کرامتوں کے اظہار کو اپنی گزران کے لئے ایک بخلش حیلہ بنا رکھا ہے اور اُسکی کرامتیں اور محامد اور مناقب بڑی سرگرمی کے ساتھ بیان کرتے رہتے ہیں - لیکن چونکہ میں ایسے معاملات میں ہمیشہ سے بدقسمت ہوں پس جبتک

میں بارہ ہو لامیں رہا پیر صاحب نے کسی مریض پر اپنی کرامت کا اثر نہیں ڈالا اور میں اُسکے مشاہدہ سے محروم ہی رہا۔

اب اُس بھاری سل کا حال سُنیئے جو مجھے مُسلمان بناتی تھی میں نے دیکھا کہ مجاوروں میں سے گیارہ آدمیوں نے اُسکے گرد حلقہ باندھ لیا مگر اُنکی نیچی نیچی قباؤں اور مشق کی ہوئی بلافصل حلقہ بندی کی وجہ سے مجھے اُس طریقہ کے دیکھنے میں جس سے وہ اُس پتھر کو اٹھاتے تھے بڑی دقت پیش آئی مگر غور کرنے سے مجھے انکی سب مکاری اور ہیرا پھیری معلوم ہو گئی اور اگرچہ یہہ لوگ بڑی شدومد سے ادعا کرتے تھے کہ ہر شخص نے اپنی اُنگلی کی صرف ایک ہی پور لگائی ہے اور پتھر ایسا سبک محسوس ہوتا رہا ہے جیسا کہ ایک پر ہوتا ہے مگر مجھے صاف معلوم ہو گیا کہ سارا زور لگائے بدون وہ زمین سے نہیں اُٹھایا گیا۔ اور مجھے یہہ بھی معلوم ہو گیا کہ مجاوروں نے اُس پتھر کے اُٹھانے میں صرف اپنی اُنگلیاں ہی نہیں لگائیں بلکہ اپنے انگوٹھے بھی لگائے تھے۔ مگر باایں‌ہمہ میں بھی اُن کے اور اُن کے طرفداروں کے ساتھ جو "لفظ کرامت کرامت" پکار رہے تھے ہم آواز اور ہم آہنگ ہو گیا۔ پھر میں نے اُنکو ایک روپیہ نذر کیا اور نہایت عقیدتمندانہ صورت بنا کر التجا کی کہ اگر ارشاد ہو تو میں بھی ایکدفعہ اس مقدس پتھر کے اٹھانے والوں کے حلقہ میں شریک ہونے کا شرف حاصل کرلوں۔ یہہ لوگ پہلے تو متامل ہوئے مگر جب میں نے ایک روپیہ اور نذر کیا اور کرامت کی سچائی کی نسبت اپنا اعتقاد ظاہر کیا تو اُن میں سے ایک نے مجھے اپنی جگہہ دیدی۔ کیونکہ

المو فینا یہہ امید تھی کہ دس آدمی کچھ زیادہ زور لگا کر اُس پتھر کو اٹھا لینگے خواہ میں اپنی انگلی کی صرف ایک پور لگا نیکے سوا اُسکے اٹھا دینے میں کچھ زیادہ مدد نہ دوں۔ اور انکو یہہ بھی توقع تھی کہ ایسی چالاکی کے ساتھ اُسکے اُٹھا لینے کا انتظام کرینگے کہ مجھکو انکا فریب معلوم نہ ہوسکیگا۔ مگر جب انکو یہہ معلوم ہوا کہ پتھر جسکو میں بجز اپنی انگلی کی پور کے اور کچھ سہارا نہیں لگاتا تھا برابر میری طرف جھکا اور گرا جاتا ہے تو وہ سخت نادم ہوے اور بالآخر مینے عیاری کی راہ سے اُس پتھر کو اپنی انگلی اور انگوٹھے کے ساتھ بزور تھامنا مناسب سمجھا اور ہم سب اسکو بڑی مشکل کے ساتھ اُسکی معمولی بلندی تک لے آئے اور جب میں نے دیکھا کہ ہر شخص میری طرف بُری نگاہ سے گھور رہا ہے اور خدا جانے میری نسبت کیا کیا خیال کر رہے تھے مثلاً یہہ کہ یہہ شخص پتھر کے اُٹھانے کے مخاطرہ میں پڑنیکے باعث خود پتھر بن جانے کی سزا کے لایق ہے تو مینے مناسب جانکر پھر "لفظ کرامت کرامت" پکارنے میں انکا شریک ہو جانا پسند کیا اور ایک تیسرا روپیہ انکی طرف اور ڈالکر اُس ازدحام سے جھٹ پٹ آنکھ بچاکر نکل آیا۔ اور اگرچہ صبح سے مینے مطلق کچھ نہیں کھایا تھا مگر وہاں ٹھہرنا مناسب نہ جانا اور فوراً اپنے گھوڑے پر سوار ہوکر پیر صاحب اور انکی کرامت کو ابدالآباد تک وہیں چھوڑ آیا۔ اسجگہہ کی آمدورفت سے یہہ فائدہ البتہ ہوا کہ اُن مشہور چٹانوں کو دیکھ لیا جنکے بیچ میں سے گر کر تمام ولایت کشمیر کی نہروں اور چشموں کا پانی ایک دریا بنکر نکلتا ہے۔ اور جسکا اشارہ میں اِس خط کے شروع میں کرچکا ہوں۔

ایک جھیل کے نزدیک فقیر کے مکان کی نسبت لوگوں کے اس بیہودہ اعتقاد کا ذکر کہ وہ کرامت سے پانی پر تیرتا ہے۔

میں اپنے شوق کی وجہ سے شاہراہ سے علیحدہ ہو کر ایک بڑی جھیل کیطرف چلا گیا جو عموماً شاہراہ سے کچھ فاصلہ پر تھی۔ اس جھیل میں مچھلیوں اور خصوصاً مارماہی کی بڑی کثرت ہے اور مرغابیاں اور راج ہنس اور اور بہت سے آبی پرندے بکثرت رہتے ہیں اور صوبہ دار کشمیر جاڑوں میں اسجگہہ شکار کھیلنے آتا ہے اور اسوقت پرندوں کی اس جگہہ نہایت کثرت ہوتی ہے اس جھیل کے وسط میں ایک فقیر کا چھوٹا سا ایک باغیچہ اور حجرہ ہے جسکو لوگ سمجھتے ہیں کہ کرامت سے پانی پر تیرتا ہے اور جو فقیر یہاں رہتا ہے مدت العمر اسیمیں بسر کرتا ہے اور یہاں سے کبھی باہر نہیں جاتا۔ ان ہزاروں مہمل اور بیہودہ حکایات سے جو اس حجرہ کی بابت مشہور ہیں بجز ایک معتبر روایت کے کہ کشمیر کے راجگان سلف میں سے کسی راجہ نے صرف تماشے کی غرض سے چند بڑے کارا و مضبوط شہتیروں کو باہم جوڑ کر ان پر ایک حجرہ تعمیر کروایا تھا میں اپنے اس خط کو سیاہ کرنا نہیں چاہتا! وہ دریا جو بارہ مولا کو جاتا ہے اس جھیل کے وسط میں ہو کر گزرتا ہے۔

ایک چشمہ کا ذکر جو دم بدم ابلتا ہے اور رنگ کے اس طرح پلٹنے کے سبب کی نسبت مصنف کا خیال

اس جھیل سے چلکر میں ایک چشمہ کی تلاش میں گیا جسکو نہایت عجیب و غریب خیال کرتے تھے۔ یہہ چشمہ بلبلے کی شکل میں آہستگی کے ساتھ ابلتا اور کسیقدر زور سے تھوڑا سا بلند ہو جاتا ہے۔ اسکے پانی میں کسیقدر صاف اور شفاف ریگ ملی ہوی نظر آتی ہے جو کچھ زور سے پانی کے اوپر کو چڑھکر پھر

نیچے چلی جاتی ہے - اور اسکے بعد دو ایک لمحہ تک پانی کا جوش کھانا اور
ریگ کا اوپر کو چڑھنا تھم جاتا ہے اور پھر بدستور سابق پانی زور کرتا ہے اور
ریگ اوپر کو چڑھکر نیچے بیٹھ جاتی ہے - اور اس چشمہ کا یہہ حرکت اور سکون
اسیطرح کے غیر معین نظام میں جاری رہتا ہے ! سب سے زیادہ عجیب امر
جو اس چشمہ کی نسبت بیان کرتے ہیں وہ یہہ ہے کہ بہت تھوڑا سا شور خواہ
بولنے سے ہو خواہ زمین پر پانوں مارنے سے پانی میں حرکت پیدا کر دیتا ہے
اور جیسا کہ مینے ابھی بیان کیا اُسکے اُبلنے اور بہنے کا باعث ہو جاتا ہے مگر
مینے دریافت کر لیا کہ اسمیں نہ تو بولنے سے حرکت پیدا ہوتی ہے نہ پانوں مارنے
سے بلکہ اُسکی حرکت اور سکون کا حال خواہ آپ بولیں یا نہ بولیں ایک ہی سا رہتا ہے
! اور چونکہ مینے اسکے اصل باعث کی نسبت بخوبی غور نہیں کی اسلئے آپکی
خدمت میں کوئی قابل اطمینان تشریح نہیں لکھ سکتا مگر شاید یہہ سبب ہو کہ ریت اپنے
ثقل طبعی کے باعث اُس کم زور چشمہ کے تنگ مجرا میں عود کرکے پانی کے
اُچھلنے میں روک پیدا کرتا ہے اور اس سبب سے پانی جب اندر زیادہ
جمع ہو جاتا ہے تو ریت کے ہٹانے اور راستہ کے کھولنے کے لیئے
پھر زور کرتا ہے - یا بظن غالب شاید یہہ ہو کہ جو ہوا اسکے مجرا میں بھری
ہوئی ہوتی ہے وہ لمحہ بلمحہ اوپر کو چڑھتی ہے جیسے کہ عموماً فواروں
میں یہہ کیفیت مشاہدہ ہوا کرتی ہے

جب ہم اس چشمہ کو اچھی طرح دیکھ چکے تو ایک اور
وسیع جھیل کے دیکھنے کو پہاڑ پر چڑھے جس میں

ایک جھیل کا ذکر جسمین برف کے
بڑے بڑے ٹکڑے پڑے رہتے ہیں

گرمی کے موسم میں بھی برف موجود رہتی ہے اور تند ہوا کے چلنے سے برف کے بہت بڑے بڑے ٹکڑے بحر منجمد کیطرح کبھی مجتمع اور کبھی منتشر ہوتے رہتے ہیں۔

مقام معروف سنگ سفید کے قدرتی پھولوں کی بہار اور اس روایت کا ذکر کہ شور و غل کرنے سے واں سخت بارش ہونے لگتی ہے ———

اس کے بعد ہم اس مقام سے ہوکر گذرے جسکو سنگ سفید بولتے ہیں۔ یہہ جگہہ دو باتوں کے لئے مشہور ہے

(۱) ایک یہہ کہ موسم بہار میں یہاں ہر قسم کے ویسے ہی پھول پیدا ہوتے ہیں جیسے کسی بڑے عمدہ باغ میں۔

(۲) دوسرے یہہ کہ یہاں قدیم سے ایک یہہ روایت چلی آتی ہے کہ جب آدمیونکا زیادہ ازدحام ہوتا ہے اور وہ شور و غل مچاکر ہوا میں حرکت پیدا کرتے ہیں تو ضرور شدت سے بارش ہونے لگتی ہے۔ ایسا اتفاق خواہ عموماً ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو مگر اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ چند سال گزرے جب شاہجہاں بادشاہ یہاں آیا تھا تو گو اُسنے غیر ضروری شور و غل کی ممانعت کیواسطے احکام بھی جاری کردئے تھے مگر پھر بھی غیر معمولی اور شدید بارش کے باعث اُسکے تمام ہمراہی ہلاکت کے خطرہ میں پڑ گئے تھے اس بیان کو سنکر آپ اُس بڈھے فقیر کی گفتگو یاد فرمائینگے جو کوہ پیر پنجال پر مجھسے ہوئی تھی۔

میرا ارادہ تھا کہ اس پہاڑ کے ایک غار کو بھی دیکھتا چلوں جو سنگ سفید سے دو دن کی راہ پر تھا اور اسمیں عجیب عجیب طور کی منجمد چیزیں قابل مشاہدہ تھیں۔ مگر اتنے میں میرے پاس خبر پہنچی کہ ہمارے نواب صاحب میرکا

بہت دنوں کی غیر حاضری سے فکرمند اور متردد ہیں اسلئے مجھے اپنا ارادہ ترک کرنا پڑا۔

کشمیر کے قرب وجوار کے پہاڑی ملکوں اور وہاں کی پیداوار وغیرہ اور باشندوں کے مذہب اور سادہ لوحی کا بیان ——

جب سے میں یہاں آیا ہوں ہر چند میرے خیالات اسی مضمون کی طرف مائل رہتے ہیں مگر مجھے کوئی ہم شوق اور ہم خیال شخص بہم نہیں پہنچا اور نہ کوئی ایسا آدمی ملا جسکو کاوش اور تلاش ہو اور اُن امور سے واقفیت رکھتا ہو جنکو میں تحقیق کرنا چاہتا ہوں۔ اور اسلئے مجھے افسوس ہے کہ کشمیر کے قرب وجوار کے کوہستان وغیرہ کی نسبت میں مختصر اور غیر مکمل ہی اطلاع دے سکتا ہوں۔ مگر بہر حال جو کچھ مینے دریافت کیا ہے آپکو لکھتا ہوں۔ وہ تاجر لوگ جو شال بنانے کی عمدہ پشم کے جمع کرنیکے لئے سال بسال پہاڑوں میں پھرتے رہتے ہیں متفق اللفظ بیان کرتے ہیں کہ اُن پہاڑوں کے اندر جو اب بھی کشمیر کے توابع میں شمار ہوتے ہیں زمین بہت زرخیز ہے اور اُن میں سے ایک علاقہ تو ایسا ہے کہ جسکے سالانہ خراج میں صرف اُون اور چمڑا دیا جاتا ہے اور عورتیں حسن وجمال اور پاکدامنی اور دستکاری میں ضرب المثل ہیں اور اس سے آگے بڑھکر ایک اور علاقہ جسکے وادی بہت خوشنما اور میدان سیر حاصل ہیں وہاں چاول اور کئی قسم کا غلہ اور سیب اور ناشپاتی اور زرد آلو اور نفیس خربوزہ اور انگور (جس سے عمدہ شراب بنتی ہے) کثرت سے ہوتا ہے اور اسکا خراج بھی چمڑے اور اُون ہی سے دیا جاتا ہے اور بعض اوقات ایسا بھی اتفاق ہو جاتا ہے کہ اسکے باشندے اپنے ملک کی دشوار گزاری

کے بھروسہ پر اداے خراج سے انکار کرتے ہیں لیکن سرکاری فوج ہمیشہ جاکر پھر مطیع کر لیتی ہے۔ سوداگر لوگوں سے میں یہ بھی سنتا ہوں کہ دور دور کے پہاڑوں میں جو اب کشمیر کے باج گزار نہیں ہے اور بھی اچھے اچھے خوشنما علاقے ہیں جہاں کے لوگ سرخ وسفید اور خوش اندام ہوتے ہیں لیکن اپنے وطن سے ایسا اُنس رکھتے ہیں کہ کبھی شاذ ونادر ہی باہر جاتے ہیں۔ اِن میں سے بعض علاقوں میں کوئی حاکم بھی نہیں ہوتا۔ اور جہاں تک تحقیق ہوسکتا ہے کچھ مذہب بھی معلوم نہیں ہوتا۔ مگر ہاں بعض بعض اقوام مچھلی کو ناپاک سمجھکر کھانیسے پرہیز کرتے ہیں۔

اَب میں وہ حال بیان کرتا ہوں جو چند روز ہوے مجھسے ایک بڈھے نیک مرد نے کہ جسنے کشمیر کے ایک قدیم راجہ کی نسل میں شادی کی تھی بیان کیا تھا۔ جس زمانہ میں جہانگیر بادشاہ راجگان کشمیر کے خاندان کے لوگوں کی بڑی سرگرمی سے تلاش کر رہا تھا یہ بڈھا بچکر اپنے تین متعلقوں کے ساتھ مذکورہ بالا کوہستان کی جانب نکل گیا تھا اور کچھ نہیں جانتا تھا کہ کدھر جاتا ہوں مگر پھرتے پھرتے آخر کار وہ ایک خوشنما چھوٹے سے ضلع میں جانکلا جہاں اُسکے شرف خاندان سے مطلع ہوتے ہی لوگ بڑے اخلاص اور عقیدت سے پیش آئے اور اس خوش نصیب شخص کے روبرو پیشکش اور نذرانوں کے انبار لگادیئے۔ اور شام کو اپنی سب سے زیادہ خوبصورت لڑکیاں اس التجا سے لیکر حاضر ہوے کہ آپ اِن میں سے کسیکو پسند فرمالیں تاکہ اس مُلک کو آپ کی نسل سے فخر حاصل ہو۔

پھر یہہ میرا دوست ایک اور ضلع میں جو اس ضلع کے قریب ہی تھا گیا اور وہاں بھی اُسکی ویسی ہی آو بھگت ہوئی لیکن شام کیوقت کی تواضع میں ایک بات کا فرق ہوا یعنی وہاں کے لوگوں نے اپنی لڑکیاں حاضر کی تھیں اور یہاں والوں نے اپنے ہمسایوں کو بیوقوف سمجھکر اور یہہ آل اندیشی کرکر کہ لڑکیاں تو آخر کار اپنے خاوندوں کے ساتھ اپنی اپنی سسرال کو چلی جائیں گی اپنی جوروئیں پیش کیں۔

چھوٹی تبت کے فرمانروا کے پیشکش لیکر کشمیر میں حاضر ہونے اور اُسکی زبانی ملک تبت کے جو حالات معلوم ہوئے اُن کا ذکر

چھوٹی تبت جو کشمیر کی سرحد پر ہے اُسکے فرمانروا خاندان کے لوگوں میں چند سال سے بڑی بڑی تنازع ہو رہے تھے جنمیں سے آخر کار ایک شخص* نے جو حکومت و ریاست کا دعوی دار تھا پوشیدہ صوبہ دار کشمیر سے مدد کی درخواست کی اور شاہجہاں کے حضور سے حکم ہوگیا کہ جو مدد درکار ہو دیجاے چنانچہ صوبہ دار نے یورش کی اور بعض دعویدار تو قتل ہوئے اور بعض بھاگ گئے اور اسکو اس شرط کے ساتھ مسند پر بٹھا دیا گیا کہ سال بسال کسیقدر بلور مُشک اور شال بنانے کی اُون بطور خراج دیا کرے اور یہی وجہ تھی کہ اس شخص کو یہہ چیزیں بطور پیشکش لیکر بذات خود اورنگ زیب کے حضور میں حاضر ہونا پڑا مگر ایسے حقیر سامان کے ساتھ آیا ہے کہ میں تو کبھی اُسکو عالی رتبہ شخص خیال نہیں کرسکتا ! ہمارے نوّاب نے اِس غرض سے اُسکی دعوت کی کہ اُس سے اُسکے علاقہ کے کچھ حالات معلوم کرسکیں۔ چنانچہ اُسنے ہم سے بیان کیا کہ بڑی

* عالمگیر نامہ میں اس شخص کا نام "مُراد خاں" لکھا ہے۔ س م ح

تبت میری ریاست کی حد شرقی ہے اور اُسکا عرض قریب نوے ۹۰ یا ایکسو بیس ۱۲۰ میل کے ہے اور کہا کہ گو ہمارے ہاں بلور مشک اور پشم یہہ اشیاء بہم پہنچتی ہیں - مگر میں چنداں متموّل نہیں ہوں اور لوگوں کا یہہ عام گمان کہ میرے قبضہ میں سونے کی کانیں ہیں بالکل غلط ہے - اُسنے یہہ بھی بیان کیا کہ اُسکے مُلک کے بعض اضلاع میں عمدہ عمدہ میوے پیدا ہوتی ہیں خصوصاً خربوزہ جو کئی قسم کا ہوتا ہے - مگر کثرت برف کے باعث جاڑا بڑی شدت سے پڑتا ہے اور وہاں کے باشندے پہلے بت پرست تھے مگر اب اکثر مسلمان ہو گئے ہیں - چنانچہ میں بھی مسلمان ہوں اور شیعہ ہوں - اُسنے یہہ بھی ذکر کیا کہ "سترہ اٹھارہ برس گزرے کہ شاہجہاں نے بڑی تبت کو جسپر راجگان کشمیر کی اکثر تاخت رہتی تھی تسخیر کرنے کا ارادہ کیا تھا اور سپاہ نے بعد سولہ ۱۶ دن کے ایک مشکل سفر کے جو کوہستان میں سے کرنا پڑا تھا ایک قلعہ کو محاصرہ کر کے لے بھی لیا تھا اور وہاں کی لوگوں میں ایسی کھلبلی ڈال دی تھی کہ بیشک تمام مُلک مسخر ہو جاتا اگر سپاہ شاہی ایک مشہور اور تیز رو دریا سے جو راستہ میں آتا ہے اُتر کر اُسیوقت جرأت کر کے ریاست گاہ کو جا لیتی - مگر چونکہ موسم مخالف آن پہنچا تھا صوبہ دار کشمیر جو اس فوج کا حاکم تھا اس اندیشہ سے واپس آگیا کہ کہیں برف نہ آن دبائے اور اِس مفتوحہ قلعہ میں کسیقدر سپاہیوں کو اسلئے چھوڑ آیا کہ فصل بہار کے شروع میں پھر یورش کرونگا - مگر فوج متعینہ قلعہ نے عجیب حرکت کی کہ قلعہ کو یا تو دشمن کے خوف سے یا قلت رسد کی وجہ سے ناگہاں اور

خلاف توقع خالی کر دیا۔ اور اس طرح سے بڑی تبت کا ملک جسکی تسخیر آیندہ فصل بہار پر ملتوی رکھی گئی تھی محکوم ہونے سے بچ رہا چونکہ اُس مُلک کو اورنگ زیب کی فوج کشی کا خوف تھا وہاں کے رئیس نے بادشاہ کی کشمیر میں تشریف آوری سنکر اپنے ایک

بڑی تبت کے سفیر کے اورنگ زیب کی خدمت میں حاضر ہونے کا اور جو تحائف وہ لایا تھا اُن کا اور اُسکی ذلیل حیثیت کا ذکر۔

سفیر کو اپنے مُلک کے تحائف بلور۔ مشک۔ سنگ یشب اور گائے کی سفید اور عمدہ دُمیں وغیرہ جو بالتخصیص اُسی مُلک میں ہوتی ہیں اور زیبائش کی خاطر ہندوستان میں ہاتھیوں کے کانوں میں لٹکا دیتے ہیں بھیجا سنگ یشب جو اس دفعہ پیشکش میں آیا ہے خلاف معمول بہت بڑا قطعہ ہے اور اسی جہت سے بیش قیمت ہے۔ دربار مغلیہ میں یہ پتھر بڑی قیمت اور قدر پاتے ہیں۔ اِن کا رنگ سبزی مائل ہوتا ہے اور اُسمیں سفید سفید دھاریاں ہوتی ہیں اور ایسا سخت ہوتا ہے کہ صرف الماس کے بُرادہ کے ساتھ تراشا جاتا ہے۔ پیالے اور پھولدان اسی پتھر کے بنتے ہیں۔ چنانچہ میرے پاس بھی اس پتھر کی چند عمدہ بنی ہوئی چیزیں ہیں جنمیں سُنہری تار اور جواہرات جڑے ہوئے ہیں۔

اِن جناب ایلچی صاحب کی جلو میں تین چار تو سوار تھے اور دس بارہ لمبے لمبے قد والے دُبلے اور سوکھے ہوئے سڑیل پیادے۔ جنکے مونہہ پر چینیوں کیطرح داڑھی کا کوئی بال صرف نام ہی کو تھا اور ایک طرح کی غریبانی ٹوپیاں سُرخ رنگ کی پہنے ہوئے تھے۔ جیسے

کہ ہمارے فرانس کے ملاح پہنتے ہیں اور اُن کے باقی لباس کی شان وشوکت بھی ان ٹوپیوں ہی سے خیال فرما لیجئے اور مجھے یاد ہے کہ ان میں سے صرف چار پانچ بزرگ وار تو البتہ تلوار باندھے ہوئے تھے باقی کے پاس لاٹھی تک نہ تھی اور بالکل خالی ہاتھ ایلچی جی کے پیچھے پیچھے چلا کرتے تھے۔

سفیر تبت کا اپنے آقا کی طرف سے اداے خراج اور تعمیر مسجد وغیرہ کے عہد و پیمان کرنا۔

الغرض اس شخص نے اپنے آقا کی طرف سے اورنگ زیب کے ساتھ عہد و پیمان کیا کہ دار الریاست تبت میں ایک مسجد تعمیر کرائی جائیگی جہاں اہل اسلام کے طور پر نماز ہوا کریگی اور سکہ کے ایک طرف اورنگ زیب کا نام منقوش ہوگا۔ اور ایک رقم سالانہ خراج کی بھیجی جایا کریگی۔ مگر اس میں کسی شخص کو بھی شبہ نہیں ہے کہ اورنگ زیب کے کشمیر سے مراجعت کرتے ہی اس عہد و پیمان پر کچھ بھی عمل کیا جائیگا اور رئیس تبت شرایط عہد و پیمان کو اس سے زیادہ بجا نہ لائیگا جیسے کہ اُس عہد کے شرایط کو بجا لایا تھا جو شاہجہاں اور اس رئیس کے باہم ہوئے تھے۔ ۵۱

۵۱ عالمگیر نامہ میں لکھا ہے کہ اورنگ زیب نے کشمیر سے واپس آکر سیف خاں صوبہ دار کشمیر کے پاس دلدن مجل بڑی تبت کے "زمیندار" یعنی راجا کے نام کا ایک فرمان اس مضمون کا لکھکر روانہ کیا کہ اگر تم ہماری اطاعت اختیار کرکے اپنے ملک میں ہمارا سکہ اور خطبہ جاری کردو اور مسجد بناکر شعائر اسلام کو رواج دو تو بہتر تمہارا ملک وہاں بحال رہیگا ورنہ فوج کشی کیجائیگی چنانچہ یہہ فرمان ہدایت شاہی کے موافق محمد شفیع نامی ایک بادشاہی سردار کے ہاتھ کشمیر سے اُسکے پاس بھیجا گیا جسکا دلدن مجل نے تین میل تک استقبال کیا اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ فرمان

سفیر تبت کے ایک ہمراہی طبیب سے مصنف کی ملاقات اور لاما گرو اور ستا سنخ کا ذکر

اس ایلچی کے ہمراہیوں میں ایک طبیب تھا جسکو کہتے تھے کہ لاسا کا رہنے والا ہے اور فرقہ لاما میں سے ہے - لاما[۲] - لاسا میں ہندوستان کے برہمنوں کی طرح مذہبی امور میں مقتدا اور رہنما سمجھے جاتے ہیں مگر برہمنوں کے طریقے کے برخلاف ان میں ایک گرو بھی ہوتا ہے جسکی تعظیم وتکریم صرف ملک لاسا ہی میں نہیں بلکہ کل تاتار میں ہوتی ہے اور اسکا ایسا اعزاز واحترام کرتے ہیں جیسے کسی بڑے دیوتا کا - اس طبیب کے پاس نسخوں کی ایک کتاب تھی اور میں نے ہرچند چاہا کہ وہ اسکو بیچڈالے مگر اُسنے نہ دی - اُس کتاب کا خط دور سے کچھ ہمارے خط کے مشابہ دکھلائی دیتا تھا - ہم نے اُس سے اس خط کی

بقیہ نمبر ۱ کو اپنے سر پر رکھا اور فرستادگان شاہی کی بہت خاطر و مدارات کی اور اُس سے دوسرے روز جو جمعہ کا دن تھا ایک بڑے مجمع عام میں بادشاہ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور جب محی الدین محمد اورنگ زیب کا نام خطبہ میں لیا گیا تو خطیب کے سر پر بہت سا سونا چاندی لٹایا گیا اور خطبہ کے بعد مسجد کی نیو رکھی گئی اور بہت سے سونے چاندی پر بادشاہ کا سکہ لگایا گیا اور اسکے بعد ایک عریضہ جس میں بہت سے عجز و نیاز اور وفاے عہد کے وعدے تھے مع ایک طلائی کنجی کے جو بطور علامت سپردگی اپنی ولایت کے تھی اور ایک ہزار اشرفی اور دو ہزار روپیہ جسپر بادشاہ کا سکہ لگایا تھا مع اور اپنے ملک کے تحائف کے حوالہ کرکے محمد شفیع کو رخصت کیا اور لکھا ہے کہ اس کارروائی کے بامراد سرانجام پانے میں چھوٹی تبت کے راجہ مراد خاں نے بہت کچھ کوشش کی تھی اور یہ پہلی ہی دفعہ تھی کہ بڑی تبت والوں نے کسی مسلمان بادشاہ کی اطاعت اختیار کی تھی - اِسی کتاب میں اُس ملک کی حدود کا حال اس طرح پر درج ہے کہ اسکا طول چھ مہینے کے راستہ سے زیادہ اور عرض بعض مقامات میں دو مہینے کا اور بعض جگہہ ایک مہینے کا راستہ ہے - اسکے مغرب میں

نمبر ۲ بودھ مذہب والے اپنے گرو اور پیشواے مذہب کو لاما کہتے ہیں اور سب سے بڑا لاما شہر لاسا دار الحکومت ملک تبت میں رہتا ہے اور تبت اور چین کے وہ لوگ جو بودھ مذہب رکھتے ہیں لاسا کے بڑے لاما کو مجسم بودھ جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ حیات ابدی رکھتا ہے

ابجد لکھوائی مگر اُسنے بڑی مشکل سے اور ایسی بدخطی سے لکھی کہ جسکے باعث ہمنے اُسکو بے علم اور جاہل جان لیا۔

مسئلہ تناسخ پر اس شخص کو سخت اعتقاد تھا جسکی نسبت اُسنے عجیب و غریب حکایتیں سُنائیں جنمیں سے اُسنے یہہ بھی ذکر کیا کہ ایک بار جب ڈلالاما بہت بُڈھا ہوگیا اور اُسکی موت کا وقت آن پہنچا تو اُسنے مجلس جمع کی اور ارشاد کیا کہ میری روح ایک نوزاد بچے کے قالب میں حلول کرگئی چنانچہ اُس بچے کو جسکی نسبت اُسنے یہہ خبر دی تھی بڑی غور اور پرداخت سے پالاگیا اور جب وہ چھ سات برس کا ہوگیا تو بہت سا مختلف قسم کا اسباب خانہ داری اور پوشاکیں وغیرہ امتحاناً اُسکے روبرو رکھی گئیں اور اُسنے ازراہ فراست اپنے اور بیگانے اسباب میں فوراً امتیاز کردیا۔ یہہ حکایت اُس طبیب کے لئے مسئلہ تناسخ اور نقل ارواح پر اعتقاد کرنیکو ایک نہایت قاطع دلیل تھی۔ پہلے تو ہمکو یہہ گمان ہوا کہ یہہ شخص ہنسی کے

بقیہ نمبر۱ کشمیر۔ کمایوں۔ سری نگر۔ بہار اور بنگالہ اور مشرق میں مُلک ارژنگ ورخطا اور شمال رود تبت خورد اور کاشغر اور تمام مغولستان اور جنوب رود دشت قبچاق ہے اور یہاں کے راجہ کی فوج بارہ ہزار سوار اور بہت سے پیادے ہیں اور سپاہ میں اکثر فرقہ قلماق قوم کے لوگ ہوتے ہیں۔ م ح

بقیہ نمبر۲۔ اور جب کبرسن کے باعث اُسکا جسم بوسیدہ ہوجاتا ہے تب نئے قالب میں چلا جاتا ہے۔ لیکن یورپین سیّاح اسکی نسبت یہہ خیال کرتے ہیں کہ جب لاما مرجاتا ہے تو اُسکے کارپرداز مخفی طور سے کسی قریب کے پیدا ہوے لڑکے کو لاکر لاما کی مسند پر بٹھادیتے ہیں۔ اور اُسکو ایسے طور پر پالتے پوستے اور سکھاتے پڑھاتے ہیں کہ وہ تمام باتیں پہلے لاماؤں کے وقت کی بتلانے لگتا ہے اور اُسکے ناواقف اور جاہل پیرو اسکو لاما کے کشف و کرامات کا کرشمہ سمجھکر یقین کرلیتے ہیں۔ کپتان ٹرنر صاحب جو ۱۷۸۳ء میں سرکار آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کیطرف سے تبت کے راجہ کے پاس جو لاما کا نائب ہوتا ہے بطور سفارت لاسا کو گئے تھے لکھتے ہیں کہ اُسوقت جو لاما تھا اگرچہ اُسکی عمر

طور پر اس قسم کا بیان کر رہا ہے لیکن پھر معلوم ہوگیا کہ نہیں فی الواقع اُسکو اس روایت کی صحت پر پکّا اعتقاد ہے۔

ایک روز میں اُس ایلچی کے مکان پر اس طبیب کی مُلاقات کو گیا اور ایک کشمیری سوداگر کو ترجمانی کے لیئے اپنے ساتھ لیگیا۔ یہہ تو میرا صرف بہانہ ہی تھا کہ مجھے کچھ پشمینہ جو اُسکے پاس تھا خریدنا ہے بلکہ اصل مطلب یہہ تھا کہ اُس سے اُن ممالک کے حالات دریافت کروں جنکی کیفیّت مجھے مکمّل طور پر معلوم نہیں ہے مگر کوئی نئی بات دریافت نہ ہوئی اکثر وہ یہی کہتا رہا کہ بڑی تبّت ہمارے مُلک کے ساتھ ہمسری نہیں کرسکتی ہمارے ہاں سال بھر میں پانچ مہینے سے زیادہ عرصہ تک برف پڑتی۔ اور اکثر تاتاریوں سے ہماری ہمیشہ لڑائی رہتی ہے۔ مگر وہ یہہ نہیں بتا سکا کہ تاتاریوں سے اُسکی مراد کونسے تاتاری تھے۔ آخرکار مجھے معلوم ہوگیا کہ جو وقت اُسکی مُلاقات میں صرف ہوا ناحق ضایع ہوا کیونکہ مینے اُسکو اپنے اکثر سوالات میں سے کسی ایک کے جواب دینے پر بھی

بقیہ نمبر ۲- صرف ڈیڑھ برس کی تھی لیکن صاحب موصوف کی ملاقات کے وقت وہ بڑی شان وشوکت اور تحمل واستقلال کے ساتھ مسند پر بیٹھا رہا اور برابر اُنکی طرف متوجہ رہا۔ صاحب موصوف جب کوئی بات کہتے تو جواب میں اس انداز سے گردن ہلاتا کہ جیسے کوئی امیر کسی بات کو سمجھکر اشارہ کرے۔ جب صاحب موصوف کا چاے کا پیالہ خالی ہوتا تو لاما ناک بھوں چڑھا سر کو ہلاکر چیختا اور اپنے نوکروں کو اور چاے دینے کا اشارہ کرتا بلکہ ایک دفعہ تو ایک سونے کی طشتری میں سے کچھ مٹھائی اُٹھا کر اپنے ہاتھ سے اُن کو دی۔ لاما جب قالب تبدیل کرتا ہے تو اُس کے مردہ جسم کو سُکھاکر اور چاندی سے منڈھ کر مندر میں پرستش کے لئے رکھدیتے ہیں۔

(ماخوذ از جام جہاں نما) س م ح

قادر نہ پایا۔

کشمیر سے تبت ہو کر چین کے راستوں اور اشیاء تجارت وغیرہ کا بیان

بیس۲۰ برس سے پہلے کشمیر سے چین کو ہر سال کاروان جایا کرتے تھے اور اُن کا راستہ بڑی تبت کے کوہستان اور مُلک تاتار میں سے تھا اور تقریباً تین مہینے کے عرصہ میں چین میں پہنچ جاتے تھے۔ یہہ راستہ بہت دشوار گزار ہے اور ایسے تیز رو دریا اُترنے پڑتے ہیں کہ جن پر سے گزرنا صرف ایسے لمبے لمبے رسّوں کے ذریعہ سے ممکن ہے جو دریا کے وار پار بڑے بڑے پتھروں سے بندھے رہتے ہیں* یہہ قافلے چین سے مشک۔ چوب چینی۔ ریوند۔ اور مامیران۔ جوامراض چشم کے معالجہ کے باب میں ایک چھوٹی سی نہایت مشہور جڑ ہے لاتے تھے۔ جب یہہ لوگ واپسی کے وقت بڑی تبت میں ہو کر گزرتے تھے تو اس مُلک کے تحائف بھی مثل مشک۔ بلور۔ سنگ یشب۔ اور خاص کر بھیڑوں اور جنگلی بکریوں کی پشم کے (جسکو اس اطراف میں توز کہتے ہیں اور جو حسب بیان سابق ملائمت میں ہنوز کے مشابہ ہے بھر لاتے تھے۔ مگر جب سے شاہجہاں نے بڑی تبت پر حملہ کیا ہے

* جہاں دریا پہاڑوں کے اندر بہت زور سے بہتے ہیں اور پتھروں کے سبب سے کشتی کو خوف ہوتا ہے وہاں لوگ جھولے یا چھینکے کے ذریعہ سے پار اُترتے ہیں۔ جھولا اسکو کہتے ہیں کہ دریا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک کئی مضبوط رسّے برابر برابر باندھ کر تختوں سے پاٹ دیتے ہیں جنکی چوڑان اکثر ہاتھ دو ہاتھ سے زیادہ نہیں ہوتی اور سہارے کیواسطے دونوں جانب برابر رسّیاں باندھ دیتے ہیں۔ لیکن چھینکا اس سے بھی بدتر ہے وہ صرف ایک

وہاں کے راجہ نے نہ صرف کاروانوں کا آنا جانا بند کر دیا ہے بلکہ یہاں تک ممانعت کر دی ہے کہ کوئی کشمیر کا رہنے والا بھی ہماری قلمرو میں قدم نہ رکھنے پاوے - یہی وجہ ہے کہ اب ہندوستان کے کاروان شہر پٹنہ سے جو گنگا کے کنارے بستا ہے چل کر سیدھے ملک لاسا میں جا پہنچتے ہیں اور بڑی تبت کو بائیں ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں

ملک کاشغر کا بیان

اُس ملک کی نسبت جو یہاں (یعنی ہندوستان میں) بنام کاشغر مشہور ہے اور بظن غالب وہ وہی ہے جسکو ہمارے جغرافیہ کے نقشوں میں کاسکر لکھتے ہیں میں وہ سب حالات بیان کرونگا جو مجھکو اُس ملک کے رہنے والے سوداگروں سے معلوم ہوئے ہیں - یہہ لوگ یہہ سنکر کہ اورنگ زیب کشمیر کی سیر کو آیا چاہتا ہے بہت سے کم عمر غلام اور لونڈیاں بیچنے کو لائے ہیں اُنکا بیان ہے کہ کاشغر تھوڑا سا شمال کو جھکتا ہوا کشمیر کے شرق میں ہے اور اِن دونوں ملکوں میں سیدھا اور نزدیک کا راستہ بڑی تبت میں کو ہے مگر اس سبب سے کہ وہ اب بند ہے ہم ضرورتاً چھوٹی تبت ہو کر آئے ہیں - پہلا شہر جو ہمکو مراجعت کیوقت راستہ میں آتا ہے اُسکا نام گورچی ہے جو توابع کشمیر میں سے عین سرحد پر واقع ہے اور کشمیر سے چار دن کا راستہ ہے

رستا ہوتا ہی اس کنارے سے اُس کنارے تک بندھا ہوا جسمیں لوہے کے قلابے کے ساتھ ایک چھینکا لٹکا دیتے ہیں اور اُسمیں مسافر کو بٹھاتے ہیں - اِس چھینکے میں دو رسیاں بندھی ہوئی ہوتی ہیں ایک رسی کا سرا اس کنارے والے کے ہاتھ میں اور دوسری رسی کا سرا دوسرے کنارے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے - اُس طرف کو مسافر کو اِس کنارے والا اور اِس طرف کو مسافر کو اُس کنارہ والا اپنی رسی سے کھینچ لیتا ہے - س - م - ح

گورچی سے چلکر ہم آٹھ روز میں اسکردو میں پہنچتے ہیں جو چھوٹی تبت کا دارالریاست ہے۔ اور وہاں سے دو دن میں قصبہ چیکر* میں آتے ہیں جو چھوٹی تبت ہی کے علاقہ میں اس ندی کے کنارے آباد ہے جسکا پانی بمنزلہ دوا کے مشہور ہے۔ اور یہاں سے پندرہ روز کے عرصہ میں ایک بڑے بن میں جو چھوٹی تبت کی سرحد پر ہے پہنچتے ہیں۔ اور پھر پندرہ روز میں کاشغر پہنچ جاتے ہیں جو ایک چھوٹا سا شہر ہے اور جو اگلے زمانہ میں حاکم نشین مقام تھا گو بالفعل کاشغر کا رئیس جورسندھ میں رہتا ہے جو ذرا زیادہ شمال کیطرف کاشغر سے دس منزل کے فاصلہ پر ہے

کاشغر سے چین کو کاروانوں کے آنے جانے اور وہاں کے راستوں کا بیان۔

ان سوداگروں نے یہہ بھی بیان کیا کہ شہر کاشغر سے چین تک دو مہینے سے زیادہ کا سفر نہیں ہے اور کاشغر سے ہر سال کاروان چین کو جاتے ہیں اور وہاں سے وہ جنسیں لیکر جنکا ذکر اوپر ہو چکا ہے ملک اذبک کے راستہ سے ایران کو چلے جاتے ہیں اور بعض کاروان ایسے بھی ہوتے ہیں جو چین ہوکر ہند میں آنے کے لئے پٹنہ کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ ان تاجروں نے مجھسے یہہ بھی کہا کہ کاشغر سے چین کو ایک اور راستہ بھی ہے

---

* یہہ مقام مع اپنے متعلقہ علاقہ کے بالفعل مہاراجہ صاحب والی جموں وکشمیر کی عملداری میں ہے اور گورچی اور چیکر غیر معروف مقام ہیں گر چیکر کا صحیح نام ایک تبت کے رہنے والے نے ہموشنگ بتایا تھا اور فی التحقیق ایک مستند انگریزی نقشہ میں بھی ایسا ہی لکھا ہوا ہے مگر گورچی کی نسبت کچھ معلوم نہیں ہو سکی علی ہذ القیاس جو دسندہ وغیرہ ناموں کا بھی پتہ نہیں لگ سکا ۔ ا س م ع

(اسکردو - اِس ک ر دو) (چیکر - چ ے ک ر) (شگر - ش گ ر) (جُ در)

جو ایک ایسے قصبہ میں ہو کر گزرتا ہے جو ختن سے جو ملک کاشغر کی سرحد پر سب سے اخیر شہر ہے آٹھ منزل ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ کشمیر سے کاشغر تک راستہ نہایت ہی خراب ہے اور منجملہ اَور مشکلات کے ایک جگہہ ایسی بھی آتی ہے کہ جہاں ہر موسم میں مسافر کو آدھے میل تک برابر برف ہی برف پر جانا پڑتا ہے۔

ان اطلاعوں کے ناکمل ہونیکی بابت مصنف کا عذر۔

مشفق من۔ یہہ کُل واقعات ہیں جنکو میں ایسے لوگوں سے حاصل کر سکا ہوں جنکی نادانی اور جہل رحم کے قابل ہے پس جو حالات اور کیفیات ایسے لوگوں سے حاصل ہوں بلاشک قلیل اور بے ترتیب ہی ہونگے جیسے کہ یہہ ہیں! علاوہ بریں مجھے ایسے مترجموں سے بھی کام لینا پڑتا تھا جنکو خود میرے سوالات کے سمجھنے اور پھر بیان کرنے اور اُن کا جواب شافی دینے میں دقّتیں اور مشکلیں واقع ہوتی تھیں۔



مسٹر تھیوی نٹ صاحب کے پانچ سوال اور اُنکے جواب✝

اس موقع پر میرا ارادہ تھا کہ اپنے اِس خط کو جسے ایک کتاب کہنا چاہیئے ختم کر دوں اور دہلی واپس پہنچنے تک آپسے بالکل رخصت ہولوں لیکن میرا شوقِ تحریر ابھی خاموشی کی اجازت نہیں دیتا اور کچھ

✝ THEVENOT

فرصت بھی ہے اسلئے میں مسٹر تھیوی نٹ صاحب کے پانچ سوالوں کا جواب لکھنا چاہتا ہوں کیونکہ صاحب موصوف نہایت ہی محقق اور جانکاہی کرنے والے شخص ہیں اور بہ نسبت اُن لوگوں کے جو ملکوں ملکوں سیر کرتے پھرتے ہیں کتابوں کے مطالعہ ہی سے بڑے بڑے نئے انکشافات اور اہم معلومات حاصل کر لیتے ہیں۔

پہلا سوال یہودیوں کے کشمیر میں ہونے کی بابت

اُنکا پہلا سوال یہہ ہے کہ آیا یہہ سچ ہے کہ یہودی ایک بہت لمبے عرصہ سے کشمیر میں بودو باش رکھتے ہیں اور آیا اُنکے پاس کتاب مقدس موجود ہے یا نہیں۔ اور اگر ہے تو اُنکی اور ہماری کتاب عہد عتیق میں کچھ اختلاف ہے یا نہیں

دوسرا سوال ہندوستان کے موسم برسات کی بابت

دوسرا یہہ کہ جو جو تجربے ہندوستان کے موسم برسات کی نسبت مجھے حاصل ہوے ہیں۔ میں اُنکی خدمت میں لکھ بھیجوں۔

تیسرا سوال مشرقی سمندروں کی موسمی ہوا اور پانی کے بہاؤ کی بابت میں

تیسرا یہہ کہ مشرقی سمندروں میں جو ایک خاص طور کے انضباط اور نظام معینہ کے موافق ہواؤنکا اھتزاز اور پانی کی دھاروں کا بہاؤ رہتا ہے اُنکی نسبت میں اپنی راے اور خیالات ظاہر کروں۔

چوتھا سوال ملک بنگالہ کی زرخیزی اور دولتمندی اور خوشنمائی کے باب میں

چوتھا یہہ کہ کیا ملک بنگالہ واقع میں ایسا ہی زرخیز اور دولتمند اور خوشنما ہے جیسا کہ عموماً خیال کیا جاتا ہے۔

پانچواں سوال دریاے نیل کی طغیانی کی بابت

پانچواں یہہ کہ دریاے نیل کی طغیانی اور چڑھاؤ کے اسباب کی نسبت زمانہ قدیم سے جو ردوقدح چلی آتی ہے میں اسکی نسبت ایک قطعی راے پیش کروں۔

جواب تھیونٹ صاحب کے پہلے سوال کا۔

اگر میں یہودیوں کو اس پہاڑی ملک میں دیکھ پاتا تو مجھکو ویسی ہی خوشی ہوتی جیسی کہ تھیونٹ صاحب کو۔ میری مراد اُن یہودیوں سے ہے جنکے پاے جانیکی صاحب موصوف خواہش رکھتے ہیں یعنی وہ یہودی جو اُن قبائل کی اولاد سے ہوں جنکو شال * مینیسر نے جلاوطن کیا تھا لیکن صاحب موصوف کو آپ یقین دلاے کہ گو بظن غالب بعض وجوہ سے پایا جاتا ہے کہ اُن میں سے

* توریت میں اس شخص کا نام سلمانسار آیا ہے۔ مگر انگریز مورخ "شال مینیسر" یا "شال مینیزر" لکھتے ہیں یہہ ملک شام کا بادشاہ تھا اور مشہور شہر بابل اس کا پایہ تخت تھا۔ سنہ سات سو انیس برس قبل از سنہ عیسوی ملک یہودا کے بادشاہ ہوشاع پر جو بنی اسرائیل میں سے تھا مگر بت پرست ہوگیا تھا چڑھائی کی اور اُسکو اپنا باج گزار بنالیا۔ لیکن پھر یہہ سُنکر کہ وہ فرعون مصر کے ساتھہ سازش رکھتا ہے دوبارہ اُسکے شہر شومرون کو جا گھیرا اور تین برس کے محاصرہ کے بعد اُسکو فتح کرلیا اور ہوشاع اور اُسکی تمام قوم کے لوگوں کو قید کرکے بابل میں لے آیا اور اُن کی جگہہ بابل کے لوگ آباد کئے۔ اور تیرہ برس سلطنت کرکے آخر وہ بھی اس دنیا سے چلبسا۔ ماخوذ از ناسخ التواریخ والنائکلوپیڈیا برطانیکا۔ س۔م۔ح
(شَ اَلْ مِ نے زَ نے سَ رْ) (SHALMANESER)

---

۱ (سَ لْ مَ ا نَ عَ سَ رْ) سلمانسار
۲ (ہُ وْ شَ عْ) ہوشاع
۳ (شُ وْ مُ رُوْ نْ) شومرون

بعض لوگ پہلے اس مُلک میں آباد تھے لیکن اب تو یہاں کے کل باشندے ہندو ہیں یا مسلمان۔ البتہ چین میں غالباً اُس قوم کے لوگ موجود ہیں۔ کیونکہ مینے اپنے پادری صاحب مقتدائے فرقہ جیسوئٹ کے پاس جو دہلی میں رہتے ہیں اِس فرقہ کے ایک پادری صاحب باشندہ جرمنی مقیم شہر پیکن دارالسلطنت چین کے خطوط دیکھے ہیں جنمیں وہ لکھتے ہیں کہ "میری اِس شہر یعنی پیکن میں یہودیوں سے گفتگو ہوئی ہے جو مذہب موسوی کے پابند ہیں اور توریت وغیرہ کتب عہد عتیق اُن کے پاس موجود ہیں۔ اُن کو حضرت عیسیٰ کی وفات کا حال مطلق معلوم نہیں اور اُنہوں نے یہہ خواہش ظاہر کی کہ فرقہ جیسوئٹ کے پادری صاحب کو ہم اپنا کاکان* مقرر کرلیں گے بشرطیکہ پادری صاحب سُور کے گوشت کھانے سے پرہیز کریں" بہرحال کشمیر میں یہودیت کی بہت سی علامتیں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ پیر پنجال سے گزر کر جب میں اسملک میں داخل ہوا تو دیہات کے باشندوں کی صورتیں یہودیوں کی سی دیکھکر مجھے حیرت ہوئی۔ اُنکی صورتیں اور اُن کے طور وطریق اور وہ ناقابل بیان خصوصیتیں جن سے ایک سیاح مختلف اقوام کے لوگوں کی خود بخود شناخت اور تمیز کرسکتا ہے سب یہودیوں کی پُرانی قوم کی سی معلوم ہوتی تھیں۔ میری بات کو آپ محض خیالی

* اس لفظ کی تحقیق نہیں ہوسکی مگر شاید خاقان ہو جس سے اس جگہ پیشوا اور امام مراد ہو۔ مترجم

* JESUIT

ہی تصور فرمائی گا - اِن دیہاتیوں کے یہودی نما ہونے کی
نسبت ہمارے پادری صاحب اور اَور بہت سے فرنگستانیوں
نے بھی میرے کشمیر جانے سے بہت عرصہ پہلے ایسا ہی لکھا ہے*
! دوسری علامت یہہ ہے کہ اِس شہر کے باشندے باوجودیکہ
تمام مسلمان ہیں مگر پھر بھی اُن میں سے اکثر کا نام موسیٰ ہے -
تیسرے یہاں یہہ عام روایت ہے کہ حضرت سلیمان اِس ملک
میں آئے تھے اور بارہ مولا کے پہاڑ کو کاٹ کر اُنہوں ہی نے پانی
کا راستہ کھول دیا تھا -
چوتھے یہاں لوگوں کو یہہ بھی گمان ہے کہ حضرت موسیٰ نے شہر
کشمیر ہی میں وفات پائی تھی اور اُن کا مزار شہر سے قریب تین میل کے ہے
پانچویں یہہ بات دیکھی جاتی ہے کہ یہاں عموماً سب لوگوں کا
یہہ عقیدہ ہے کہ ایک اونچے پہاڑ پر جو ایک مختصر اور نہایت ہی پرانا
مکان نظر آتا ہے اُسکو حضرت سلیمان نے تعمیر کرایا تھا اور اسی سبب سے
اُسکو آجتک تخت سلیمان کہتے ہیں - ‡
شفیق من! وجوہ مذکورہ کے باعث سے آپ دیکھوگے کہ میں اس بات سے

---

* کرنل جارج فاسٹر صاحب نے اپنی ایک چٹھی میں جو کشمیر سے ۱۷۸۳ء میں لکھی تھی! لکھا ہے کہ" جب پہلی دفعہ
میں نے کشمیریوں کو کشمیر میں دیکھا تو اُن کے لباس اور چہرے کی ساخت سے جو لمبا اور سنجیدہ طور کا ہے
اور اُن کی داڑھی کی وضع سے یہہ خیال کیا کہ گویا میں یہودیوں کے مُلک میں آگیا ہوں" مترجم انگریزی

‡ تعجب ہے کہ ایسی بے سروپا باتوں کو مصنف نے اپنی رائے کی بنیاد قرار دیا ہے اور شاید اُسکو
معلوم نہ ہوگا کہ مسلمان اکثر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور اَور پیغمبروں کے نام پر قدیم سے اپنے
نام رکھتے چلے آئے ہیں - س - م - ح

انکار کرتا ہیں چاہتا کہ یہودی لوگ کشمیر میں آکر نہ بسے ہوں میں خیال کرتا ہوں کہ پہلے تو اُن کے مذہبی مسائل زمانہ پاکر بگڑ گئے ہوں گے اور آخر کار رفتہ رفتہ تنزل کرتے کرتے بُت پرست بن گئے ہونگے اور بعد ازاں مثل اور بہت سے بُت پرستوں کے مذہب اسلام اختیار کرنے کی طرف مائل ہو گئے ہونگے!

اور یہہ بات تو تحقیق ہے کہ بہت سے یہودی ایران میں بمقامات لار اور اصفہان آباد ہیں اور ہندوستان میں بھی جزیرہ گوآ اور کوچین* کے بعض مقامات میں بستے ہیں اور میں سُنتا ہوں کہ اتھوپیا[۲] میں تو یہودی بہت ہی زیادہ آباد ہیں جو اپنی شجاعت اور جنگی لیاقتوں کی وجہ سے مشہور ہیں اور اگر میں اُن دو سفیروں کی بات کا یقین کروں جو حال ہی میں شاہ اتھوپیا کیطرف سے اورنگ زیب کے دربار میں آئے ہوئے تھے تو پندرہ سولہ برس ہوئے وہاں ایک یہودی الیسا زبردست ہو گیا تھا کہ اُسنے ایک دشوار گزار چھوٹے سے کوہستانی ضلع میں خود مختار ریاست قایم کر لینے کی کوشش کی تھی۔

جواب تھیونی نٹ صاحب کے دوسرے سوال کا

ہندوستان میں سال بھر خصوصاً آٹھ مہینے تک گرمی اس سختی اور شدت سے پڑتی ہے کہ زمین جلکر بالکل ناقابل زراعت اور غیر آباد ہو جاتی ہے۔ مگر خداوند تعالی نے

---

* مدراس پریزیڈنسی کے متعلق ساحل مالابار پر سمندر کے کنارے ایک ہندوستانی ریاست ہے مگر بندرگاہ کوچین خاص گورنمنٹ انگریزی کی عملداری میں ضلع مالابار میں ہے۔ س۔م۔ح۔

۲ ملک نوبیا یا نُوبَۃ کا جو افریقہ کا ایک حصہ ہے قدیم نام ہے۔ س۔م۔ح

(اِتھِیُاُوپِیا ETHIOPIA) (نُوبِیا NUBIA)

اپنے فضل و کرم سے اُسکی اصلاح کیواسطے یہہ معقول انتظام کر دیا ہے
کہ جولائی میں جب گرمی نہایت ہی شدت سے پڑتی ہے تو مینہ برسنا
شروع ہوجاتا ہے اور متواتر تین مہینے تک برستا رہتا ہے اور اسطرح پر
ہوا میں اسقدر اعتدال آجاتا ہے کہ برداشت کے لائق ہوجاتی ہے اور
زمین بھی ناقابل زراعت نہیں رہتی - مگر یہہ بارشیں ایسی باقاعدہ نہیں
ہوتیں کہ ضرور اُسی دن یا اُسی ہفتہ میں ہوں چنانچہ مختلف مقامات خصوصاً
دہلی میں جہاں میں دیر تک رہا ہوں مینے دیکھا ہے کہ ایک سال کی
بارش دوسرے سال سے کبھی مطابق اور یکساں حالت پر نہیں ہوتی -
چنانچہ بعض اوقات بارشیں دو دو تین تین ہفتے آگے پیچھے شروع
اور ختم ہوتی ہیں اور کسی سال میں پہلے سال کی نسبت زیادہ ہوتی ہیں -
مینے ایک مرتبہ یہہ بھی دیکھا ہے کہ دو برس کامل ایسا امساک رہا کہ ایک
بوند بھی نہیں پڑی اور اِس غیر معمولی خشک سالی کا نتیجہ یہہ ہوا کہ جدھر دیکھیے
بیماری اور قحط کی مصیبت نظر آرہی تھی - اِس بات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے
کہ اس مُلک کے مختلف حصّوں میں برسات اُسیقدر آگے یا پیچھے اور
کمی یا زیادتی سے ہوتی ہے جسقدر کہ وہ ایک دوسرے سے قریب
یا بعید ہیں - مثلاً بنگالہ میں اور ساحل کارومنڈل سے لیکر جزیرہ سرانديپ
تک ساحل مالابار کی نسبت برسات ایک مہینا پہلے شروع اور ختم ہوجاتی
ہے اور بنگالہ میں چار مہینے تک شدت سے بارش رہتی ہے اور اس
عرصہ میں کبھی کبھی بڑے زور سے آٹھ آٹھ روز کی جھڑی لگی رہتی ہے

اور تھوڑی دیر کے لئے بھی بارش بند نہیں ہوتی - مگر دہلی اور آگرہ
میں نہ تو اسقدر بارش ہی ہوتی ہے اور نہ اُسقدر مدت تک رہتی ہے،
اور اکثر یہہ حال ہوتا ہے کہ دو تین روز یوہیں خالی گزر جاتے ہیں یا
یہہ کہ صبح کو دن نکلنے کے بعد کوی نو دس بجے تک اکثر خفیف سی بارش
ہوا کرتی ہے اور بعض اوقات تو بالکل ہی نہیں ہوتی — میں خصوصاً
اس بات کو دیکھکر بہت متعجّب ہوا کہ مختلف ممالک میں مختلف اطراف
سے مینہہ آتا ہے - مثلاً دہلی اور اُسکے نواح میں مشرق یعنی بنگالہ
کی طرف سے بارش آتی ہے - اور بنگالہ اور ساحل کارومنڈل پر
جنوب کی جانب سے اور ساحل مالابار پر قریباً ہمیشہ مغرب کیطرف
سے - مینے ایک اور بات بھی دیکھی جسکی نسبت تمام ہندوستان میں بلا
اختلاف ایک ہی راے ہے یعنی یہہ کہ جسقدر گرمی کی تپش پہلے
یا پیچھے شروع ہوتی ہے اور کم یا زیادہ سختی سے گرمی پڑتی ہے
اور تھوڑے دنوں یا دیر تک قائم رہتی ہے اُسیقدر برسات بھی پہلے
یا پیچھے شروع ہوتی اور اُسی نسبت سے کم یا زیادہ اور تھوڑے یا بہت
عرصہ تک جاری رہتی ہے اور بلحاظ اِن امور کے مجھے یقین ہے
کہ زمین کی گرمی اور اُسکے سبب سے ہوا میں جو خفّت آجاتی ہے
وہی ہندوستان میں بارش کا سبب ہے - اور یہی دونوں چیزیں
بارش کو اِس مُلک میں کھینچ کر لاتی ہیں - یعنی آس پاس کی سمندروں
کی ہوا چونکہ سرد اور بھاری اور کثیف ہوتی ہے اُن بخارات کو اپنے

میں جذب کر کے پُر ہو جاتی ہے جو گرمی کی شدت سے پانی میں سے اُٹھتے ہیں اور قرب و جوار کی ہوائیں جب اُسکو دھکیلتی اور حرکت میں لاتی ہیں تو بادلوں کی صورت میں ہو کر اپنے تئیں طبعاً اُس زمین پر جہاں کی ہوا اُسکی نسبت زیادہ گرم اور لطیف اور کم وزن اور کم مزاحم ہوتی ہو اُن بخارات سے خالی کر دیتی ہے اور اُسکا اپنے کو اِن بخارات سے خالی کرنا اُسیقدر کم یا زیادہ قلت و کثرت سے ہوتا ہے جسقدر کہ گرمی پہلے یا پیچھے شروع ہوتی اور کم یا زیادہ سختی سے پڑتی ہے - اِس تقریر میں جو وجوہ بیان کئے گئے ہیں اُن میں اس بات کا خیال کرنا بھی مناسب ہے کہ ساحل مالابار کی نسبت ساحل کارومنڈل پر برسات پہلے شروع ہونے کی یہی وجہ ہے کہ گرمی پہلے پڑنے لگتی ہے - اور اِسکے نظائر باعث ہوں گے جنکا تحقیق کرنا غالباً اُس مُلک کے دیکھنے کی حالت میں شائد مشکل نہ ہو گا - اور آپ جانتے ہیں کہ زمین کے مختلف حصّوں میں بلحاظ سمندروں یا پہاڑوں کے اور بہ مناسبت اُنکی ریگستانی یا پہاڑی درختوں اور جنگل سے پُر ہونیکے گرمی جلدی یا دیر سے شروع ہوتی اور کم و بیش سختی سے پڑتی ہے - اور یہہ بات بھی کچھ تعجّب کی نہیں ہے کہ بارش مختلف اطراف سے آتی ہے - مثلاً ساحل کارومنڈل پر جنوب کی طرف سے اور ساحل مالابار پر مغرب کی جانب سے کیونکہ یہہ بات ظاہر ہے کہ جو سمندر پاس ہو گا اُسی سے مینہہ آئیگا - چنانچہ ساحل کارومنڈل کے پاس جو سمندر ہے وہ اِس سے جنوب کی طرف ہے - اور وہ سمندر جو

ساحل مالابار کو سیراب کرتا ہے مغرب کیطرف باب المندب اور عرب اور خلیج فارس کی سمت کو پھیلا ہوا ہے۔ مینے خوب غور کیا کہ اگرچہ بظاہر دہلی میں بادل شرق کیطرف سے آتے ہیں مگر اُنکی اصل انہیں سمندروں سے ہوگی جو جنوب کی طرف ہیں اور ایسی زمینوں یا پہاڑوں کے حائل ہونے کی وجہ سے جنکی ہوا زیادہ سرد اور کثیف اور زیادہ مزاحم ہے اپنا راستہ بدل لیتے ہیں اور ایسے ملک میں جا برستے ہیں جہاں کی ہوا زیادہ ہلکی اور کم مزاحم ہو۔ میں ایک اَور بات بیان کرنی بھول گیا جسکا مجھکو دہلی میں تجربہ ہوا یعنی یہہ کہ کبھی اچھی بارش نہیں ہوتی تا وقتیکہ کئی دن تک بہت سے بادل مغرب کیطرف نہ جالیں۔ گویا یہہ بات ضروری ہے کہ دہلی کے پچھم میں ہوا کا طبقہ اوّل بادلوں سے بھر جاوے۔ اور پھر ان بادلوں کو کوئی چیز مثلاً کوئی ایسی ہوا جو کم گرم اور کم لطیف اور زیادہ بھاری اور قابل مزاحمت ہو روکے یا اَور بادل اور مخالف ہوائیں متقابل ہوکر اُنکو ایسا کثیف اور وزنی کردیں کہ پھوٹ کر برسنے لگیں جس طرح پر کسی پہاڑ کی ہوا بادلوں کو جب پیچھے ہٹا دیتی ہے تو وہ برسنے لگتے ہیں۔

جواب ہیوی ٹنٹ صاحب کے تیسرے سوال کا

جب شروع اکتوبر میں عموماً بارش کا موسم ختم ہوجاتا ہے تو سمندر جنوب کی طرف بہنا شروع ہوتا ہے اور ٹھنڈی شمالی ہوا چلنے لگتی ہے جو چار پانچ مہینے تک برابر ایک ہی حالت پر بلا طوفان وغیرہ ایک ہی طرف کو چلتی رہتی ہے۔ البتہ اس عرصہ میں

کبھی ایک آدہ روز اپنا رُخ بدلتی یا ٹھہر جاتی ہے۔ اور اسکے بعد کوئی دو مہینے تک بیقاعدہ ہوائیں چلتی ہیں جسکو ہم لوگ وسطی موسم اور ڈچ لوگ غیر معین اور مختلف ہواؤں کا زمانہ کہتے ہیں۔ اور جب یہہ دو مہینے ختم ہو جاتے ہیں تو سمندر پھر اپنا رُخ جنوب سے شمال کو کر لیتا ہے اور جنوبی ہوا چلنی شروع ہوتی ہے۔ اور چار پانچ مہینے تک اسی طرف سے چلتی رہتی ہے اور سمندر کا بہاؤ بھی اس تمام عرصہ میں بدستور شمال ہی کو رہتا ہے۔ اور اسکے بعد پھر دو مہینے تک وہی وسطی موسم رہتا ہے اور ان وسطی موسموں میں جہاز رانی کرنا نہایت مشکل اور خطرناک ہوتا ہے۔ لیکن اُن دونوں معمولی موسموں میں بجز جنوبی ہوا کے موسم کے اخیر حصّہ کی جہازرانی کرنا بہت آسان اور خوش آیند اور بلااندیشہ ہوتا ہے پس آپکو اس بات سے متعجّب ہونا نہیں چاہیئے کہ ہندوستانی جو بہت ڈرپوک اور فنّ جہازرانی سے محض ناآشنا ہیں کمانے لمبے اور مفید بحری سفر اختیار کر لیتے ہیں۔ مثلاً بنگالہ سے تناسرم (دھناسری) آچین۔ ملاکا۔ سیام اور میڈی گاسکر۔ کویا مچھلی پٹن۔ سراندیپ۔ جزائر مالدیپ۔ بندر مخا۔ اور بندر عباسی کو اپنے جہاز لیجاتے ہیں۔ اور بڑی احتیاط کے ساتھ جانے اور آنے کے موسم کی عمدگی کا لحاظ رکھتے ہیں۔ مگر اسپر بھی ایسا ہوتا ہے کہ مناسب وقت سے زیادہ کہیں اٹکے رہنے کی حالت میں باد مخالف سے مغلوب ہو کر تباہ ہو جاتے ہیں۔ البتہ یہہ صورت بعض وقت

فرنگستانیوں کو بھی پیش آجاتی ہے جو بہت دل چلے اور زیادہ تجربہ کار اور واقف ہیں اور جنکے جہازوں کی حالت اور سازوسامان بہت بڑھکر ہیں۔ دونوں وسطی موسموں میں سے وہ موسم جو جنوبی ہوا کے بعد آتا ہے۔ چونکہ اسمیں طوفان اور ناگہانی جھوکے اکثر آتے ہیں ایسا خطرناک ہے کہ اور کوئی موسم ایسا نہیں ہے۔ اور یہہ جنوبی ہوا اپنے عین موسم میں بھی شمالی ہوا کی نسبت زیادہ تُند اور غیرمساوی ہوتی ہے مجھے اس موقع پر یہہ بات بھی بیان کردینی چاہیئے کہ جنوبی ہوا کے موسم کے خاتمے اور برسات کے موسم میں گو سمندر میں کامل سکون کی حالت ہو مگر کناروں پر پچاس ساٹھ میل کے فاصلہ تک ہوا نہایت طوفانی ہوتی ہے۔ پس فرنگستانی اور غیرفرنگستانی جہازوں کی کپتانوں اور ناخدایوں کو اس امر کی بڑی احتیاط رکھنی چاہیئے کہ ہندوستان کے کسی بندر مثلاً سورت یا مچھلی پٹن پر ٹھیک برسات کے ختم ہوتے ہی نہ جانکلیں ورنہ اُن کے جہازوں کو زمین سے ٹکرائے جانے کے مخاطرہ میں پڑنا ہوگا۔ پس میں اپنے مختصر اور جزوی تجربہ کی روسے کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان میں موسموں کی ترتیب اس طرح پر ہے۔

شمالی اور جنوبی ہواؤں کے پیدا ہونے کے اسباب کا بیان

کاش مجھکو ہر ایک نتیجے کے اصلی باعث کر معلوم کرلینے کی قدرت ہوتی! مگر پروردگار عالم کے تمام بھیدوں کا دریافت کرلینا انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ لیکن اس مسئلہ میں اپنی غوروفکر سے جو راے مینے قائم

کی ہے اُسکی بنیاد چند خیالات پر ہے - چنانچہ خیال اوّل تو یہہ ہے
کہ جو ہوا ہمارے کُرہ کو گھیرے ہوے ہے سمندر اور دریاؤں کے
پانی کیطرح اُسکو بھی ہمارے کُرہ کا ایک جزو سمجھنا چاہیئے کیونکہ یہہ دونوں
چیزیں اسکی طرف جھکتی اور ایک ہی مرکز کی طرف میل کرتی ہیں -
جس سے یہہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہہ چیزیں ہمارے کُرہ سے علیحدہ
نہیں ہیں اور پھر اس سے یہہ مطلب حاصل ہوتا ہے کہ یہہ کُرہ ہوا پانی
اور مٹّی تین چیزوں سے بنا ہوا ہے ! اسکے بعد دوسرا خیال یہہ ہے
کہ ہمارا یہہ کُرہ ایک ایسے خلا میں لٹکا ہوا اور تُلا ہوا ہے کہ جسمیں خالق نے
اپنی مرضی سے اسکو ایسے طور سے رکھدیا ہے کہ اگر یہہ کسی اَور نامعلوم
جسم سے ٹکرا جاے تو اپنی جگہہ سے بآسانی سرک سکتا ہے ! پھر تیسرا
خیال اس طرح پر ہے کہ جب آفتاب خط استوا سے گزر کر کسی قطب مثلاً
قطب شمالی کی طرف حرکت کرتا اور اپنی شعاعیں اُسطرف ڈالتا ہے تو
قطب شمالی کو کسیقدر دبانیکے لئے کافی اثر پیدا کرتا ہے اور قطب شمالی
اُسیقدر دبتا جاتا ہے جسقدر کہ سورج اُسکی طرف بڑھتا جاتا ہے - اسی
طرح جسقدر کہ سورج خط استوا کی طرف واپس آتا ہے اُسیقدر قطب شمالی
بتدریج ابھرنے لگتا ہے - یہاں تک کہ آفتاب کی کرنوں کی طاقت
سے وہی اثر قطب جنوبی کی طرف پیدا ہوجاتا ہے - اب اگر اِن خیالات
کو صحیح فرض کرلیا جاے اور اسکے ساتھ زمین کی روزانہ حرکت پر غور
کیا جاے تو ہندوستانیوں کا یہہ قول بیوجہ نہیں ہے کہ سورج اپنی

ساتھ سمندر اور ہوا کو کھینچتا اور چلاتا ہے کیونکہ اگر یہہ بات سچ ہے کہ آفتاب خط استوا سے گزر کر کسی قطب کی طرف جاتے ہوے زمین کے محور کی تبدیل حرکت اور اُس قطب کے نیچے کو دب جانے کا باعث ہوتا ہے تو اسکا یہہ لازمی نتیجہ ہونا چاہیئے کہ دوسرا قطب اونچا ہو جاے اور سمندر اور ہوا جو دو سیال اور وزن دار جسم ہیں نچان کیطرف بہنے لگیں ! پس میرے نزدیک اِس بات کا کہنا درست ہے کہ سورج کسی قطب کی طرف جاکر اُسطرف کو سمندر اور ہوا کے بڑے اور باقاعدہ بہاؤ کا باعث ہوتا ہے اور ہوا کے اِس بہاؤ سے موسمی ہوا پیدا ہوتی ہے - یعنی سورج کے کسی قطب کی طرف جانے اور واپس آنے کے وقت سمندر اور ہوا میں دو مختلف رفتاریں پیدا ہوتی ہیں - اور میں خیال کرتا ہوں کہ اس قیاس کی بنا پر یہہ بات کہی جاسکتی ہے کہ قطب شمالی اور جنوبی سے سمندر کے دو بڑے بالعکس بہاؤ ہیں - اور اگر ایک قطب سے دوسرے قطب تک ایک ایسا سمندر ہوتا جو فرنگستان میں ہو کر گزرتا تو ہم وہاں بھی ہر حالت میں سمندر کی ایسی ہی دو باقاعدہ رفتاریں پاتے جیسے کہ ہندوستان میں ہیں - اور اس قاعدہ کے عام نہ ہونے کی یہہ وجہ ہے کہ قطعات زمین کے حائل ہو جانیکے سبب سے سمندر کا بہاؤ رک کر دوسری جانب کو ہو جاتا ہے جیسے کہ بعض لوگوں کا قول ہے کہ معمولی جذر و مد اُن سمندروں میں جو بحیرہ شام کی طرح مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوے ہیں رُک جاتا ہے

اور اس خیال کے اعتبار سے میری راے میں یہہ بات بھی کہہ سکتی ہیں کہ ہوا کی یہی دو بڑی اور بالعکس رفتاریں ہیں - اور اگر زمین پورے اور عام طور پر صاف اور برابر اور ایک ہی سی ہوتی تو مذکورہ بالا خیال کے موافق شمالی اور جنوبی ہواؤں کی رفتاریں بھی عموماً اسی قاعدہ پر ہوا کرتیں -

جواب تھے وی نٹ صاحب کے چوتھے سوال کا -

ہر زمانے میں ملک مصر کو دنیا میں سب سے عمدہ اور زرخیز بیان کیا گیا ہے - بلکہ حال کے مؤرخ بھی یہی کہتے ہیں کہ کسی اور ملک میں ایسی خصوصیت کے ساتھ قدرتی سامان موجود نہیں ہیں -

مصنف کا بنگالہ کو مصر پر ترجیح دینا -

لیکن بنگالے میں دو مرتبہ جانے سے جو واقفیت مجھکو اس ملک کی نسبت حاصل ہوئی ہے اس سے مجھکو یقین ہے کہ جو فضیلت ملک مصر سے منسوب کی گئی ہے وہ زیادہ تر بنگالہ کا حق ہے

بنگالہ کے چاول اور اُسکے نکاس کا بیان -

بنگالے میں چاول اس کثرت سے پیدا ہوتا ہے کہ نہ صرف آس پاس کے بلکہ دور دور کے ملکوں کو جاتا ہے - چنانچہ گنگا کے راستہ پٹنہ کو اور سمندر کی راہ سے مچھلی پٹن وغیرہ بنادر ساحل کارومنڈل اور خصوصاً جزیرہ سراندیب اور جزائر مالدیپ کو بھیجا جاتا ہے -

بنگالہ کی کھانڈ اور اُسکے نکاس کا ذکر -

اسیطرح کھانڈ وغیرہ بھی کثرت سے ہوتی ہے جو گولکنڈا اور تمام کرناٹک کو جہاں یہہ بہت

کم پیدا ہوتی ہے اور مخا اور بصرہ کو ہو کر عرب اور عراق کو اور بندر عباس کے راستہ سے ایران کو جاتی ہے۔

بنگالہ میں جو مربے بنائے جاتے ہیں ان کا ذکر

بنگالے کے مربے بھی مشہور ہیں خصوصاً ان مقامات کے جہاں پرتگیز لوگ آباد ہیں اور جو نہایت عمدہ مربے بناتے ہیں اور ایک بڑی تجارت کی چیز سمجھے جاتے ہیں چنانچہ وہ میووں میں سے ویسے ہی بڑے بڑے چکوتروں کا جیسے کہ فرنگستان میں ہوتے ہیں اور ایک خاص قسم کی روئید گی کی جڑ کا جو عشبہ کی جڑ کی مانند ہوتی ہے اور آم کا اور اناناس کا جو ہندوستان کے دو عام میوے ہیں۔ اور آملہ اور لیموں اور ادرک کا مربا بناتے ہیں۔

مصر کی نسبت بنگالہ میں گیہوں کے کم پیدا ہونیکا ذکر

یہہ سچ ہے کہ بنگالے میں مصر کی برابر گیہوں پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن یہہ یہاں کے باشندوں کا قصور ہے جو مصر والوں کی نسبت چاولوں پر زیادہ گزران کرتے ہیں اور روٹی کبھی ہی کھاتے ہیں مگر پھر بھی ملک کی ضرورت کے لحاظ سے گیہوں کچھ کم نہیں بویا جاتا۔ چنانچہ فرنگستانی اہل جہاز مثلاً ڈچ انگریز اور پرتگیز وغیرہ سستے داموں گیہوں خریدتے اور سمندر کے سفر کے واسطے بسکٹ بناتے ہیں۔

ترکاری اناج اور کھانیکے جانوروں کے بنگالہ میں کثرت سے ہونیکا ذکر

اس ملک کے لوگونکی غذا زیادہ تر تین چار قسم کی ترکاری اور چاول اور گھی ہے جو بہت

ہی تھوڑی سی قیمت سے حاصل ہوسکتی ہے - اور ایک روپیہ میں بیس
سے زیادہ عمدہ مرغ مل سکتے ہیں اور بطخیں اور مرغابیاں بھی اسیقدر
ارزاں ہیں - بھیڑ بکریوں کی بھی افراط ہے اور سور تو اتنے سنتے
ہیں کہ جو پرتگیز یہاں آباد ہیں وہ قریبًا تمام سور ہی کا گوشت کھاتے
ہیں - اور سنتا جاتا انگریز اور ڈچ بھی اپنے جہازوں کے واسطے
نمک لگاکر رکھ لیتے ہیں - اور ہر قسم کی تازہ اور نمک سود مچھلی بھی اسی
افراط سے ملتی ہے -

ارزانی کی وجہ سے اہل یورپ کے بنگالہ میں آبسنے کا ذکر

غرضکہ بنگالے میں معیشت کی ہر ایک چیز افراط سے ہے - اور اس افراط ہی کا طفیل ہے کہ بہت
سے پرتگیز اور دوسرے یورپین اور اور عیسائیوں نے جنکو ڈچ لوگوں نے
اُن کی مختلف نوآبادیوں میں سے نکال دیا ہے اس زرخیز ملک میں
آکر پناہ لی ہے - چنانچہ فرقہ جیسوٹ اور اگسٹین* کے لوگوں نے جنکی
بڑی بڑی مذہبی جماعتیں ہیں اور جو اپنے اعمال مذہبی کو آزادانہ اور
بلا دقت عمل میں لاسکتے ہیں مجھے اس بات کا یقین دلایا کہ صرف ہوگلی
میں آٹھ ہزار سے نو ہزار تک عیسائی بستے ہیں اور اس ملک کے اور
حصوں میں تو انکی تعداد پچیس ہزار سے بھی زیادہ ہے - اور اس ملک
کی زرخیزی اور عورتوں کے حسن اور سلیم الطبعی نے پرتگیز - ڈچ اور انگریز
لوگوں میں یہہ بات زبان زد کردی ہے کہ "بنگالے میں داخل ہونیکے
واسطے تو سو دروازے ہیں مگر نکلنے کے لیئے ایک بھی نہیں" -

بنگالہ میں روئی - ریشم اور سوتی - اور ریشمی کپڑوں کی کثرت اور تجارت وغیرہ کا ذکر

بلحاظ ایسی عمدہ عمدہ لائق تجارت چیزوں کے جنکے باعث سے غیر ملکوں کے سوداگر کسی ملک کی طرف متوجہ ہوا کرتے ہیں میرے خیال میں بنگالہ کے برابر کوئی ملک نہیں ہے - اور علاوہ اُس قند و شکر کے جسکا ہمنے اوپر ذکر کیا ہے - اور جسکو قیمتی لائق تجارت اجناس کی فہرست میں درج کرنا چاہیئے اِس ملک میں روئی اور ریشم بھی اسقدر ہوتا ہے کہ اِس ملک کو نہ صرف ہندوستان بلکہ آس پاس کے ملکوں اور نیز یورپ کا گودام گھر کہنا زیبا ہے - میں بعض اوقات روئی کے ہر قسم کے باریک اور موٹے اور سفید اور رنگدار کپڑوں کی افراط کو دیکھکر حیران ہوتا تھا - جنکو خصوصیّت کے ساتھ ڈچ لوگ مختلف مقامات خصوصاً جاپان اور یورپ کو بھیجتے ہیں اور انگریز اور پرتگیز اور خاص یہاں کے سوداگر بھی اِن چیزوں کی بہت سی تجارت کرتے ہیں - اور یہی کیفیّت ریشم اور ہر قسم کے ریشمی کپڑوں کی ہے - جسقدر روئی کا کپڑا تمام سلطنت مغلیّہ میں لاہور اور کابل تک بلکہ عموماً تمام غیر ملکوں کو یہاں سے جاتا ہے اُسکی مقدار معلوم کرنا ناممکن ہے -

مصنف کا ایران اور شام کے ریشم کو بنگالہ کے ریشم پر ترجیح دینا ---

حقیقت میں یہاں کا ریشم ایسا عمدہ نہیں ہوتا جیسے کہ ایران - شام - صیدا - اور بیروت* کا لیکن یہہ سستا بہت ہے اور میں قطعی طور پر کہہ سکتا ہوں کہ اگر عمدہ

* ملک فلسطین اور شام کی دو بندرگاہوں کا نام ہے (س - ی - ح) صیدا - بیروت

چھانٹ لیا جاوے اور احتیاط سے صاف کیا جاوے تو اس سے نہایت ہی عمدہ کپڑا بن سکتا ہے۔

بنگالہ میں ریشم کے کارخانوں کا ہونا

ڈچ لوگوں کے قاسم بازار کے ریشم کے کارخانہ میں بعض اوقات سات آٹھ سو آدمی کام کرتے ہیں۔ اور اسیقدر انگریزوں اور اور سوداگروں کے کارخانوں میں۔

بنگالہ کے شورہ کا ذکر

بنگالہ شورے کی بھی بڑی منڈی ہے اور گنگا کے راستہ سے بہت سا شورہ پٹنہ سے دساور کو جاتا ہے اور ڈچ اور انگریز شورے کی بہت سی کھیپیں ہندوستان کے مختلف مقامات اور فرنگستان کو بھیجتے ہیں۔

بنگالہ کے گوند افیون موم وغیرہ دواؤں اور گھی کا ذکر

اس زرخیز ملک سے گوند افیون موم مُشک لاکھ مگھ پیپل اور اور بہت سی دوائیں حاصل ہوتی ہیں اور گھی جو آپکو ایک ناچیز جنس معلوم ہو گی یہاں اس افراط سے ہوتا ہے کہ اگرچہ غیر مُلکوں کو بھیجے جانیکے واسطے ایک بڑی جسامت کی چیز ہے مگر پھر بھی سمندر کی راہ سے بیشمار باہر کو جاتا ہے۔

اہل یورپ کو بنگالہ کی آب ہوا کے موافق نہ آنے اور اُس سے بچنے کی تدبیروں کا ذکر

لیکن یہہ بات واجبی ہے کہ یہاں کی ہوا خصوصاً سمندر کے پاس کی اجنبی لوگوں کو شاذ ہی موافق ہوتی ہے۔ چنانچہ ڈچ اور انگریز لوگوں میں جبکہ پہلے پہل یہاں آکر رہے موت کثرت سے ہوئی اور بندرگاہ بلاسور میں مینے دو خوبصورت انگریزی جہازوں کو جو ڈچ

لوگوں کے ساتھ لڑائی ہونے کی وجہ سے یہاں سال بھر تک ٹھہرے رہے تھے دیکھا کہ بہت سے ملاّحوں کے مرجانے کی وجہ سے اس قابل نتھے کہ کہیں کوجاسکیں! لیکن اب یہہ دونوں قومیں بہت احتیاط سے رہتی ہیں اور موت کم ہوگئی ہے - جہازوں کے مالک اس بات کی احتیاط رکھتے ہیں کہ اُن کے آدمی شراب کو پنچ* بناکر نہ پئیں (جو قندی شراب اور نیبو کے عرق اور پانی اور جایفل کو ملاکر بناتے تھے اور جسکا ذائقہ گو بہت اچھّا تھا مگر نتیجے مُہلک تھے) اور ہندوستانی عورتوں کے نزدیک نہ جائیں اور شراب اور تمباکو بیچنے والوں سے نہ ملیں - لیکن عمدہ قسم کی انگوری شراب اور شیرازی خام شرابیں - انکو اگر اعتدال کے ساتھ استعمال کیا جائے تو مخالف آب وہوا کے اثر سے بچنے کے لیے بہت مفید ثابت ہوئی ہیں -

بنگالہ میں راج محل سے دریاے گنگا کے کنارے سمندر تک جو ملک ہے اسکی خوشنمائی اور ریشم کے کیڑوں کی غذا کے لئے توت کے درختوں کی کثرت کا ذکر ——————

اس مُلک کی خوشنمائی کو بیان کرتے ہوئے اس بات کو بھی ظاہر کردینا چاہیئے کہ اس مُلک میں جو دریاے گنگا کے دونوں طرف راج محل سے سمندر تک قریب تین سو میل کے ہے بے شمار نہریں ہیں جو دریاے گنگا سے بڑی محنت کے ساتھ اسلیے کاٹی گئی ہیں کہ تجارتی مال کے لیجانے میں آسانی ہو اور گنگا کا پانی جسکو ہندوستانی تمام پانیوں سے اعلیٰ گنتے ہیں

* شراب کے ہر قسم کے مرکب کو جو بغرض تفریح تیار کیا جاتا ہے انگریزی میں پنچ کہتے ہیں مترجم PUNCH

مختلف مقامات میں پہنچ سکے۔ اِن نہروں کے دونوں طرف قصبے اور گانوں آباد ہیں جن میں ہندوؤں کی بہت گنجان آبادی ہے اور چاول اور اکھ اور غلّا اور بہت قسم کے ساگ پات اور سرسوں اور تل کے بڑے بڑے کھیت موجود ہیں اور ریشم کے کیڑوں کی غذا کے واسطے کوئی دو تین فرانسیسی فٹ کے برابر چھوٹے چھوٹے شہتوت کے درخت ہیں۔

گنگا کے بیشمار ٹاپوؤں اور اُنکی خوبصورتی وغیرہ کا ذکر

لیکن بنگالے کو اُن بیشمار قطعوں نے جو بطور ٹاپوؤں کے دریار گنگا میں ہیں اور جنکی وسعت بعض جگہہ چھ سات منزل کی مسافت کی ہے عجیب خوبصورت بنا رکھا ہے۔ اِن ٹاپوؤں کی وسعت کم وبیش ہے۔ لیکن سب نہایت زرخیز اور جنگلوں سے بھرے ہوئے اور میوہ دار درختوں اور انناس سے پُر اور سبزے سے بالکل ڈھکے ہوئے ہیں۔ ہزاروں نہریں اتنی دُور تک کہ جہاں نظر کام نہیں کرتی اِن میں جاری ہیں اور ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ گویا لمبی لمبی روشیں درختوں کی محرابوں کے نیچے بنی ہوئی ہیں۔

بنگالہ کے سمندر کے قریب کے غیر آباد جزیروں کا ذکر۔

سمندر کے پاس کے بہت سے جزیروں کو جن پر آراکان کے قزاق لوٹ مار کرتے رہتے تھے اور جنکا ذکر اور کسی مقام پر کیا گیا ہے وہاں کے باشندوں نے چھوڑ دیا ہے اور اب وہ بالکل اُجاڑ پڑے ہیں جہاں بجز ہرنوں اور جنگلی سوروں اور پرندوں اور شیروں کے جو بعض اوقات ایک جزیرے سے

پہر کر دوسرے جزیرے میں چلے جاتے ہیں اور کوئی جاندار مخلوق نظر نہیں آتی۔ چھوٹی کشتیوں میں بیٹھکر دریاے گنگا کو عبور کرتے ہوئے (جو ان جزیروں میں جانے کا معمولی طریقہ ہے) اکثر مقامات میں خشکی پر اُتر پڑنا پر خطر ہے۔ اور اس بات کی احتیاط رکھنی چاہیئے کہ رات کو جو کشتی کو کسی درخت سے باندھ دیا جاے تو کنارے سے کچھ فاصلہ پر رکھنا چاہیے کیونکہ ہمیشہ ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ کوئی نہ کوئی آدمی شیر کا شکار ہو جاتا ہے کہتے ہیں کہ یہہ خونخوار جانور جب لوگ سوے پڑے ہوں کشتی میں آجاتے اور بقول اس مُلک کے ملّاحوں کے (بشرطیکہ سچ ہو) کسی ایسے آدمی کو پہچان کر اُٹھا لیجاتے ہیں جو سب سے موٹا تازہ ہو۔

پیپلی سے ہوگلی تک دریا میں مصنف کے ایک سفر کرنے کا ذکر

مجھے وہ نو۹ دن کا دریائی سفر یاد ہے جو میں نے پیپلی سے ہوگلی تک ان جزیروں اور نہروں میں سے کیا تھا جس کو میں بیان کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اُس سفر میں کوئی دن ایسا نہیں گزرا جو کوئی نہ کوئی عجیب واقعہ پیش نہ آیا ہو۔ ان جزیروں اور نہروں کی طرف جاتے ہوئے جب ہماری سات ڈانڈ والی کشتی دریاے پیپلی سے نکلکر دس پندرہ میل سمندر میں بڑھ گئی تو ہمنے سمندر کو مچھلیوں سے جو ظاہرا بڑی کارپ کی قسم کی معلوم ہوتی تھیں

کارپ اور ڈالفن مچھلیوں کا ذکر

اور جنکے پیچھے تعاقب کے طور پر کثرت سے ڈالفن*

* صاحب فرہنگ رشیدی نے اِسکا تلفظ دُلفین لکھا ہے اور اُسکی عادت جو ظاہرا ایک افسانہ ہے یہہ

مچھلیاں لگی چلی آتی تھیں بھرا ہوا دیکھا میںنے اپنے آدمیوں سے کہا
کہ کشتی کو ان کی طرف لے چلیں اور میںنے دیکھا کہ بہت سی مچھلیاں پہلو
کے بل اس طرح پڑی ہوئی ہیں جیسے مُردہ اور بعض کچھ کچھ حرکت کرتی
تھیں اور بعض نزع کی حالت میں بیہوش پڑی لوٹتی تھیں چنانچہ ہم
لوگوں نے چوبیس مچھلیاں اپنے ہاتھوں سے پکڑلیں اور دیکھا کہ ہر ایک
کے مونہہ سے ایک پھکنا باہر نکلا ہوا ہے جیسا کارپ ۲ مچھلی کے ہوتا
ہے اور اسمیں ہوا بھری ہوئی ہے اور اُسکا ایک سرا سرخی نما رنگ کا
ہے - میںنے آسانی سے معلوم کرلیا کہ یہی پھکنا مچھلیوں کو ڈوبنے نہیں
دیتا - مگر یہہ بات بالکل میری سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ باہر کو کیوں لٹک رہا
تھا - لیکن شاید یہہ سبب ہو کہ ڈالفن † مچھلیوں نے دیر تک اِنکا سخت
تعاقب کیا تو ان بیچاریوں نے اپنے بچاؤ کی خاطر یہاں تک اپنا
لہو پانی ایک کیا کہ اِن کا پھکنا پھول کر سُرخ ہو گیا اور مونہہ سے باہر

(بقیہ) یہہ لکھی ہے کہ ڈوبے ہوے آدمی کو دریا سے نکال کر کنارے پر ڈال دیتی ہے چنانچہ اُسکی
اسی عادت کے اعتبار سے شیخ ابراہیم ذوق نے بھی اپنی ایک مثنوی میں محبوب کے بازوں
کی تعریف میں لکھا ہے " مچھلی بازو کی ماہی دلفین + غرقہ کش بحر خوں سے مردم عین "
اور کتاب مخزن الادویہ میں اسکی نسبت یہہ عبارت لکھی ہے کہ " اسم یونانی ست و بعضی
گفتہ اند بلغت رومی (یعنی لیٹن) اسم نوعی از سمک ست کہ بعربی خنزیر البحر و لہذا سہی
خوک ماہی ماہی بینی دراز و بہ دیلمی گنجہ ماہی و بہندی سُوس نامند" اور انگریزی کتابوں
میں یہہ ہے کہ یہہ لفظ لیٹن زبان کا ہے اور انہوں نے اِسکو ایک قسم وھیل مچھلی کی
لکھا ہے اور وہ یہہ بھی لکھتے ہیں کہ جب طوفان آنے کو ہوتا ہے تو یہہ مچھلی اُچھلنے کودنے لگتی

---

۲ CARP † DOLPHIN § WHALE

نکل پڑا۔ مینے اس امر کا ذکر سیکڑوں جہاز رانوں سے کیا مگر کسی نے یقین نہیں کیا۔ البتہ ایک ڈچ ملاح نے مجھسے کہا کہ چین کے کنارے پر جبکہ میں ایک بڑی کشتی پر سفر کر رہا تھا تو مینے بھی ایک ایسی ہی [illegible] دیکھی تھی اور کشتی سے باہر ہاتھ نکال کر بہت سی مچھلیوں کو پکڑ لیا تھا۔

مصنف کا ایک رات کو قمری قوس قزح دیکھنا

اگلے دن ہم کچھ دیر کرکے ان جزیروں میں پہنچے اور ایک ایسی جگہہ پسند کرکے جہاں شیر کا خوف نہ تھا خشکی پر اتر پڑے اور آگ روشن کرکے اور مینے اپنے نوکروں کو کہکر دو مرغ اور کچھ مچھلیاں تیار کرالیں اور خوب مزے سے کھانا کھایا۔ اور مچھلیاں فی الواقع لذیذ تھیں مینے پھر کوچ کیا اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ رات ہونے تک برابر چلے چلیں کیونکہ ان نہروں کے درمیان اندھیرے کے باعث راستہ بھول جانے کا خوف تھا۔ اور ایک محفوظ کھاڑی تلاش کرکے ہم بڑی نہر میں سے اسمیں چلے گئے اور کشتی کو کنارے سے معقول فاصلہ پر ایک درخت کے موٹے ٹہنے سے باندھ کر رات بسر کی۔ اور جبکہ میں نگہبانی کے لئے جاگ رہا تھا تو مینے آسمان میں ایک عجیب صورت دیکھی جیسے کہ دو مرتبہ دہلی میں بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا یعنی ایک قمری قوس* قزح دیکھی اور اپنے سب ساتھیوں کو جگا کر دکھایا جو دیکھکر بہت

بقیہ حاشیہ ہے جس سے ملاح ہوشیار ہو جاتے ہیں اور [illegible] گھتے ہیں اور [illegible] مشہور ہے [illegible]

* قمری قوس قزح کو بعض [illegible] لوگوں نے بھی لکھا ہے چنانچہ کتاب [illegible]

متعجب ہوئے خصوصاً دو پرتگیز ہو کشتیوں اور جہازوں کے معلم یعنی
رہنما تھے اور جنکو میںنے اپنے ایک دوست کے کہنے سے اپنے ساتھ
چڑھا لیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہمنے ایسی قوس نہ کبھی دیکھی نہ سنی!
تیسرے دن ہم ان نہروں میں راستہ بھول گئے اور اگر ہمکو بعض پرتگیز
جو ایک جزیرے میں نمک بنا رہے تھے نہ ملتے تو میں نہیں جانتا کہ
ہمکو سیدھا راستہ کیونکر معلوم ہوتا۔ اس رات کو جبکہ ہماری کشتی ایک
چھوٹی سی محفوظ کھاڑی میں لگی ہوئی تھی میرے پرتگیز رفیقوں نے جو
شب گزشتہ کے عجیب مشاہدے کے خیال میں اپنی نظر ہر وقت آسمان
کی طرف لگائے ہوئے تھے مجھکو نیند سے جگایا اور ویسی ہی قوس قزح
پھر دکھائی جیسی کہ ہمنے کل رات دیکھی تھی۔ یہ آپکو خیال نہ کرنا چاہیئے کہ میں
غلطی سے چاند کے ہالہ کو قوس سمجھتا ہوں! نہیں میں ہالے کو خوب جانتا
ہوں کیونکہ بمقام دہلی برسات میں کوئی ایسا مہینا نہیں ہوتا جسمیں اکثر

نوٹ: میں (جسکو علما و فضلا کی ایک کمیٹی نے بحکم ناصر الدین شاہ بادشاہ حال ایران مشہور و معروف اہل علم کے تذکرہ کے طور پر تالیف کیا ہے اور خوش قسمتی سے مطبع شاہی طہران کی چھپی ہوئی ہمارے کتبخانہ میں موجود ہے) ابن بطلان طبیب کے تذکرے کی ذیل میں لکھا ہے کہ شاہزادہ علی قلی میرزا وزیر علوم (ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم ایران) نے اپنی ایک تالیف میں لکھا ہے کہ سن بارہ سو انہتر ۱۲۶۹ ہجری میں جبکہ ہم وبا کے خوف سے بادشاہ کے ساتھ موضع آہا میں ڈیرے ڈالے پڑے تھے ایک رات کو جو شب ماہ تھی اور خفیف سا ترشح ہو رہا تھا آدھی رات کیوقت جو میں ایک کام کے لئے اپنے خیمہ سے باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ چاند افق کے قریب ہے اور اُسکے مقابل مشرق میں قوس پڑی ہوئی ہے۔ چونکہ دیکھنا تو کیا چاند سے قوس کا پڑنا کبھی سنا بھی نہ تھا مجھکو نہایت حیرت ہوئی اور میںنے امیرزادہ محسن میرزا اور ملا علی محمد اصفہانی اور حکیم قاآنی اور شمس الشعرا سروش اور جناب نصیر الدولہ میرزا عبد الوہاب خان وزیر تجارت کو جو میرے

چاند کے گرد ہالہ نظر نہ آئے۔ لیکن ہالہ اسی وقت نظر آتا ہے جبکہ چاند اُفق سے بہت بلند ہو چنانچہ میں تین چار رات تک متواتر دیکھتا رہا ہوں اور بعض اوقات دوہرا ہالہ بھی دیکھا ہے مگر جس قوس کا میں ذکر کرتا ہوں وہ چاند کے گرد کوئی ہالہ نہ تھا بلکہ وہ چاند کے مقابل اسی طرح جیسے آفتاب کی قوس ہوتی ہے تھی۔ چنانچہ جب کبھی میں نے قمری قوس کو دیکھا تو چاند کو مغرب میں پایا اور قوس کو مشرق میں اور چاند قریباً پورا تھا۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو میرے نزدیک اُسکی شعاع قوس پیدا کرنے کے قابل نہ ہوتی یہ قوس ہالے کی طرح سفید نہ تھی اور اچھی طرح نمایاں تھی بلکہ طرح طرح کے رنگ بھی اُس میں نمودار تھے۔ پس آپ دیکھتے ہیں کہ ہم متقدمین کی نسبت زیادہ خوش نصیب ہوں جنہوں نے ارسطو کے قول کے بموجب اُس کے زمانے سے پہلے قمری قوس قزح کا ہونا بیان نہیں کیا۔

بقیہ حاشیہ ساتھ تھے جنکو دکھایا اور وہ بھی متعجب ہوئے اور پھر میں نے اس کا ذکر جو اکثر اہل کمال سے کیا تو میں دیکھتا تھا کہ وہ بظاہر ہاں ہاں تو کرتے تھے مگر دل سے اسکا اُنکو یقین نہ تھا۔ اسکے بعد میں نے کتاب تاریخ الحکما میں قمری قوس کا ہونا پڑھا جس سے مجھکو نہایت تقویت ہوئی اور ہمیشہ میں اپنے قول کی صداقت کی خاطر اس کتاب کا حوالہ دیتا تھا۔ مگر چونکہ مجھکو ہمیشہ اسکی تحقیق کا خیال تھا پھر میں نے علم طبعیات کی کئی کتابوں میں دیکھا کہ حکماء فرنگستان میں سے کئی شخصوں نے قمری قوس کو دیکھا ہے۔ چنانچہ کتاب فزیک کانو کا مصنف لکھتا ہے کہ سورج کی طرح چاند سے بھی قوس پڑتی ہے مگر قمری قوس کے رنگ بہت ہلکے ہوتے ہیں اور کتاب فزیک راکن میں جو چار جلدوں میں ہے لکھا ہے کہ قمری قوس کے رنگ بہ نسبت آفتاب کے چاند کی روشنی کے کم ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے کم ممیز ہوتے ہیں اور ایک اور کتاب میں لکھا ہے کہ کبھی کبھی چاند سے بھی قوس پڑتی ہے چنانچہ ماہ ستمبر ۱۸۱۰ء میں شہر شوفنڈ میں جو ملک فرانس کا ایک شہر ہے دیکھی گئی تھی۔ ۱۲ س م ع

رفزیک کانو۔ فزیکل کانز فزیک راکن۔ نیچرل فلاسفی (شوفنڈ) [illegible]

مصنف کا اثنائے سفر میں رات کو عجیب غریب روشنیوں کا دیکھنا

چوتھے روز کی شام کو معمول کے موافق ہم بڑی نہر میں سے ایک محفوظ جگہہ میں چلے آئے اور وہاں ہمنے ایسی رات کاٹی جو معمولی طور کی نتھی! ہوا نام کو بھی نتھی اور گرمی اور امس کا یہہ عالم تھا کہ دم لینا مشکل تھا۔ اور آس پاس کی جھاڑیوں میں جگنو اس کثرت سے چمکتے تھے گویا آگ لگی ہوئی معلوم ہوتی تھی اور ہر لمحہ شعلوں کی طرح آگ نکل نکل کر ہمارے ملاحوں کو ڈراتی تھی جنکو یقین تھا کہ یہہ سب جن بھوت ہیں۔! ان نورانی صورتوں میں سے دو صورتیں بہت عجیب و غریب تھیں یعنی ایک تو بڑا آتشیں گولا جو اُسقدر عرصہ سے جو دعای *پیٹر ناسٹر کے پڑھنے میں گزرتا ہے زیادہ دیر تک قائم رہا۔! دوسرا ایک چھوٹا سا درخت جو پاؤ گھنٹے سے زیادہ عرصہ تک رہا

پانچویں رات کا سخت طوفان اور بارش میں بسر ہونا۔

پانچویں دن کی رات بڑے ہی خوف و خطر میں گزری! ایسی سخت ہوا آئی کہ گو ہم اپنے خیال کے موافق درختوں کے نیچے بڑی محفوظ جگہہ میں تھے اور کشتی بھی احتیاط سے بندھی ہوئی تھی مگر لنگر کا رسّا ٹوٹ گیا۔ اور اگر میں اور میرے وہ دونوں پرتگیز ساتھی دفعتاً اپنے بازو درختوں کے ٹہنوں میں ڈالکر اُنکو دو گھنٹے تک یعنی جب تک کہ وہ طوفانی ہوا برابر شدت سے چلتی رہی بڑے زور سے نہ پکڑے رہتے تو بالضرور ہم بڑی نہر میں جا گرتے اور آخر کار وہیں مرجاتے۔ کیونکہ ہندوستانی ملاحوں سے جن پر بالکل خوف چھا رہا تھا کسی طرح کی اُمید نہ تھی۔ اِسوقت ہماری حالت بڑی

Pater noster

* عیسائیوں کے رومن کیتھلک فرقہ کی ایک دعا کا نام ہے۔ س ح م

بڑی دردناک تھی۔ مینہ اس شدت سے پڑ رہا تھا کہ کشتی میں گویا ڈول کے ڈول پانی کے گر رہے ہیں۔ اور بجلی کی چمک اور کڑک ہمارے سروں کے آس پاس اور اسقدر تھی کہ ہم اُس ہولناک رات کو اپنی جانوں سے مایوس ہو چکے تھے۔ اگر ہمارا باقی سفر ایسی عمدگی سے گزرا کہ اُس سے زیادہ اور کیا ہوگا۔ نویں روز ہم ہوگلی میں پہنچے اور اِس خوشنما ملک کو دیکھ دیکھکر جس میں سے ہمارا گزر ہوا میری آنکھیں سیر نہیں ہوتی تھیں۔ مگر میرا صندوق اور تمام پہننے کے کپڑے بھیگ گئے تھے اور مرغیاں مر گئیں۔ اور مچھلیاں تلف ہو چکی تھیں اور تمام بسکٹ مینہ سے تر ہو گئے تھے۔

جواب تھیوسنٹ صاحب کے پانچویں سوال کا

میں نہیں جانتا کہ میرے اس پانچویں سوال کا حل قابل اطمینان ہوگا یا نہیں۔ لیکن جو رائیں میں پیش کرونگا وہ باعتبار اسکے ہیں کہ میں نے دریاے نیل* کی طغیانی کو دو مرتبہ دیکھا ہے اور اپنی تمام غور و فکر اس مضمون پر صرف کی ہے اور ہندوستان

---

* اس غرض سے کہ دریاے نیل کے منبع وغیرہ کی بابت مصنف کے بعد کے زمانے میں جو تحقیقاتیں عمل میں آئیں اس دلچسپ مضمون کے ساتھ ناظرین انکو بھی پڑھ لیں ہم تاریخ مصر سے جسکا سائنٹفک سوسائٹی علیگڈھ نے مسٹر ڈاکٹر ولن صاحب کی تاریخ اقوام قدیم میں سے انتخاب کرکے باضافہ بعض جدید تحقیقات اور حاشیوں کے سنہ ۱۸۶۲ء میں چھاپا تھا عبارات ذیل نقل کرتے ہیں۔ س م ش

دریاے نیل کی طغیانی کا بیان

مصر میں دریاے نیل بھی ایک عجیب چیز ہے۔ اُس ملک میں مینہ بہت ہی کم برستا ہے۔ مگر اسکی طغیانی سے تمام ملک سیراب ہو جاتا ہے۔ اور مینہ برسنے کی کمی سے جو نقصان ہوتا ہے اسکا بدلہ یہ دریا دیتا ہے۔ کیونکہ اور ملکوں کی بارش کو بعض مقاموں کے جمع کرکر مصر میں پہنچا دیتا ہے چنانچہ ایک شاعر نے مصر کے کھیتوں کے حق میں خوب کہا ہے شعر عجیب مزرع کی ...

نیں بھی بعض ایسی معلومات حاصل ہوئی ہیں جن سے اس امر کی تحقیق میں مجھے کچھ آسانی ملی ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ ایسی آسانی بالضرور اُس مشہور و معروف

کہ عین قحط میں بارش کی وہاں نہ تھی پروا - اس فیض رسان دریا سے زیادہ فائدہ اُٹھانیکے لئے مصریوں نے میلوں کے اندر دور دور مناسب مناسب موقعوں پر بیشمار نہریں نہایت مناسب عرض و طول کی بنائی تھیں جن کے ذریعہ سے دریائے نیل اپنی فیاض دھاروں سے ہر جگہ کو فیضیاب کرتا تھا نہروں کی راہ سے لوگ سفر کرتے تھے اور خشکی پر چلنے اور خشکی کے سفر کی مصیبت جھیلنے سے لوگ بچے ہوئے تھے اس دریا نے شہروں کو پاس پاس کر دیا تھا - اور دریائے قلزم کو بحیرہ روم سے ملا دیا تھا اور اس سبب سے ملک کی اندرونی و بیرونی تجارت بہت رونق پر تھی اور دشمنوں سے بھی ملک محفوظ تھا ان سب باتوں کے سبب کہا جاتا ہے کہ حقیقت میں یہہ دریا مصر کا مربی اور اسکا بہت بڑا محافظ ہے - مصر والے کھیتوں میں دریا کے پانی کو جانے سے نہ روکتے تھے مگر شہروں میں جو بڑی محنت سے بنے تھے اور جو طرف پانی بھر جانے سے جزیرہ نیل کی طرح دکھائی دیتے تھے پانی نہیں جا سکتا تھا وہاں کے رہنے والے اُن میدانوں کو جو دریائے نیل کے پانی سے بھر جاتے تھے اپنے اپنے مکانوں پر چڑھکر نہایت خوشی سے دیکھتے تھے -

دریائے نیل کے مخرج کا بیان

متقدمین خیال کرتے تھے کہ دریائے نیل کا مخرج اُن پہاڑوں میں ہے جو کوہ قمر کے نام سے مشہور ہیں اور جو خط استوا سے دس درجہ عرض جنوبی میں واقع ہیں - تقویم البلدان میں بوعلی سینا کا یہہ قول لکھا ہے کہ دریائے نیل تمام دنیا کے دریاؤں سے بڑا اور لمبا ہے مگر یہہ پُرانے زمانہ کی بات ہے یورپ کے سیاحوں اور جغرافیہ دانوں نے جو نئی نئی تحقیقاتیں کی ہیں اُن سے معلوم ہو گیا ہے کہ دنیا میں بہت سے دریا دریائے نیل سے بڑے اور لمبے ہیں سب سے بڑا دریا دنیا میں امریکہ کے ملک میں امیزان ہے اور دریائے نیل کی لمبان سے دوگنے سے بھی زیادہ لمبا ہے - دریائے نیل کا مخرج اگلے زمانہ میں اچھی طرح تحقیق نہیں ہوا تھا عربی جغرافیہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ خط استوا کے جنوب کی طرف بالکل ویرانہ ہے اور اس سبب سے وہاں کا حال دریافت نہیں ہو سکتا اور جو کچھہ یونانیوں نے لکھا ہے اُس سے زیادہ کچھہ معلوم نہیں ہوا - رولن صاحب لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانہ کے سیاحوں نے یہہ تحقیق کیا ہے کہ خط استوا سے بارہ درجے عرض شمال میں اسکا منبع ہے اور اس سبب سے متقدمین کی

شخص[†] کو حاصل نہ ہوئی ہو گی جس نے بغیر اس کے کہ ملک مصر میں سیاحت کی ہو صرف اپنی ذہانت اور سیر کتب او مطالعہ کی رو سے اس عجیب

حاشیہ

تحقیقات کی بہ نسبت اس دریا کی لمبان کو قریب بارہ یا پندرہ سو میل کے کم کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ دریائے نیل نکلتا ہے ایک بڑے پہاڑ کی جڑ میں سے جسکا نام قمر ہے وہ مملکت ابی سینیا میں واقع ہے مگر زمانہ حال میں انگلستان کے شاہی جغرافیہ کی سوسائٹی نے اس دریا کے مخرج دریافت کرنے کو بہت سی کوششیں کیں اور کپتان اسپیک صاحب تین دفعہ اس کا مخرج دریافت کرنے کو افریقہ میں گئے - اخیر سفر ان کا سنہ ۱۸۶۳ء میں تھا انہوں نے اپنے سفروں میں عین خط استوا کے نیچے ایک بہت بڑی جھیل پائی - وکٹوریا نینزا اسکا نام رکھا انکے نزدیک وہی جھیل درحقیقت دریائے نیل کا مخرج ہے جنوبی سرا اس جھیل کا قریب تیسرے درجہ عرض جنوبی کے واقع ہے - جو گویا سرا دریائے نیل کا ہے - اس حساب سے دریائے نیل خو تینتیس درجوں کی لمبان میں یعنی دو ہزار تین سو میل کے طول میں بہتا ہے اس جھیل کے جنوبی سرے سے مغرب کیطرف آؤ تو کٹنگول نامے ایک دریا ملتا ہے جو اس جھیل میں پڑتا ہے مگر کپتان اسپیک صاحب کہتے ہیں کہ اس دریا سے اور دریائے نیل سے کچھ واسطہ نہیں ہے - اور اگر جھیل کے اسی جنوبی سرے سے مشرق کی طرف جاؤ تو وہاں کوئی بڑا دریا نہیں ہے - کیونکہ عرب کے سیاحوں سے انہوں نے تحقیق کیا کہ کوہ کلی مانجارو کے مغرب کی طرف نمک کی جھیلیں اور نمک کے میدان ہیں اور پہاڑی ملک ہر دریائی کی بہت قلت ہے کبھی کبھی کوئی چھوٹی ندی بہ آتی ہے - اس جھیل کے شمالی کنارے سے دریائے نیل نکلتا ہے اس جھیل کے شمال مشرق کو ایک اور جھیل ہے مگر کپتان اسپیک صاحب کا وہاں تک جانا نہیں ہوا - مشہور ہے کہ وہاں ایک آبنائے ہے جو ان دونوں جھیلوں کو ملا دیتی ہے - اس پچھلی جھیل سے بھی ایک دریا نکلتا ہے جسکا نام آسو ہے اور تخمیناً سوا تین درجہ عرض شمالی تک بہکر دریائے نیل میں مل جاتا ہے - وکٹوریا نینزا جھیل کے شمالی کنارے میں سے تین دھاریں نکلتی ہیں اور تھوڑی دور بہکر سب آپسمیں مل جاتی ہیں اور ایک دریا یعنی دریائے نیل ہو جاتا ہے - انمیں سے مشرقی دھار اس طرح پر نکلی ہے کہ جھیل میں سے ایک حصہ پانی کا شمال کیطرف نکلا ہے اسپیک صاحب نے اسکا نام نپولین چینل فرانس کے بادشاہ کے نام پر رکھا ہے،

† مسٹر تھیوی نٹ سے مراد ہے - س - م - س

سیاحت میں ایک عمدہ اور عالمانہ تحریر کی ہے۔

[illegible] دہلی میں شاہ حبشہ کے سفیروں [illegible] حبشہ کے حالات کا دریافت کرنا

میں پہلے بیان کرچکا ہوں کہ جب اتھیوپیا کے دو سفیر دہلی میں آئے تھے تو میرے آقا دانشمند خاں جنکو معلومات حاصل

[illegible] جیمس بروس [illegible] شاہی [illegible] نے [illegible] تحقیقات کرنے کے [illegible] انکو سوفے [illegible] [illegible] جھیل سے ایک بہت بڑا [illegible] پانی کی نہایت زور سے جسکا عرض چار سو [illegible] فٹ ایک ہی گرتی ہے اور وہ جھیل [illegible] دریا [illegible] جاتی ہے۔ کپتان سپیک صاحب نے اس [illegible] کا نام [illegible] لکھا ہے کیونکہ جب [illegible] دریائے نیل کے منبع کی تحقیقات کر رہے تھے تو انکا [illegible] ان کے [illegible] کی شاہی [illegible] کے [illegible] راستہ [illegible] تھے۔ کپتان اسپیک صاحب کے نزدیک [illegible] متعلق [illegible] درباب تحقیق [illegible] کے [illegible] پورے ہوچکے ہیں۔ مگر محققین کے نزدیک ابھی اور زیادہ تحقیقات کی ضرورت ہے۔

دریائے نیل کی آبشاروں کا بیان

جن مقاموں میں کہ دریائے نیل سخت پتھروں میں ہوکر بہت نیچے گرتا ہے انکو آبشار کہتے ہیں ملک حبشہ میں آنے سے پہلے یہ دریا اتھیوپیا کے جنگل میں آہستہ آہستہ بہکر آبشار کی طرح گرتا ہے اور پھر وہاں سے دفعتاً نہایت [illegible] اور زور شور سے بہتا ہے اور رفتہ رفتہ پہاڑ کی گھاٹیوں سے نکل کر اور چند پہاڑوں سے گزر کر اسقدر زور شور سے بہتا ہے کہ اسکی آواز دو میل پرے سے سنائی دیتی ہے۔ اس ملک کے رہنے والے جنکو اس دریا میں آنے جانے کی عادت ہوگئی ہے ان لوگوں کو جو یہاں سیر کرنے کو آتے ہیں ایک عجیب تماشا دکھاتے ہیں جسمیں بہ نسبت دل لگی کے خوف زیادہ معلوم ہوتا ہے یعنی ایک چھوٹی سی ڈونگی میں دو آدمی بیٹھکر دریا میں جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک تو ڈونگی کھیتا ہے اور دوسرا ڈونگی میں سے پانی الیچتا جاتا ہے۔ بہت دیر تک وہ ڈونگی لہروں کی تیزی سے ٹکراتی ہے مگر وہ لوگ ہر طرح کا صدمہ اٹھاکر اور ڈونگی کو ہوشیاری اور چالاکی سے اپنے قابو میں لاکر تیز دھار میں لیجاکر بہاؤ پر چھوڑ دیتے ہیں اور تیر کی طرح اسمیں سے نکل جاتے ہیں۔ خوف زدہ تماشائی والے یہ گمان کرتے ہیں کہ جس بلندی سے ان لوگوں نے اپنی ڈونگی کو چھوڑا ہے

کرنے کا ہمیشہ شوق رہتا ہے اُنکو اکثر دعوت کی تقریب سے اپنے ہاں
بُلا لیتے تھے اور میں بھی ہمیشہ شریک مجلس ہوتا تھا۔ اور اس سے

نیچے جاکر وہ لوگ ڈوب گئے لیکن وہ لوگ جب اصلی دھار پر جا پڑتے ہیں تو بہت دور تک بہہ جاتے ہیں اور جہاں پانی دھیما ہوجاتا ہے وہاں سے نکل آتے ہیں اس عجیب تماشے کا بیان سینیکا صاحب نے کیا ہے اور حال کے زمانہ کے سیاح بھی اسکی تصدیق کرتے ہیں۔

دریاے نیل کی طغیانی کے سببوں کا بیان

اگلے زمانہ کے لوگوں نے نیل ہیروڈوٹس اور ڈایوڈورس اور سیکوس اور سنیکا صاحب کے دریاے نیل کی طغیانی کے باریک باریک سبب بیان کئے ہیں۔ لیکن وہ پُرانی باتیں اور صرف ناتحقیق خیالات تھے حال کے زمانہ میں کچھہ زیادہ التفات کے لائق نہیں رہے۔ اس زمانہ میں سب کا اتفاق ہے کہ اتھیوپیا میں جہاں سے یہہ دریا آتا ہے نہایت کثرت سے بارش ہونے کے سبب دریاے نیل کو اسقدر طغیانی ہوتی ہے کہ اول اتھیوپیا کو اور اُسکے بعد مصر کو غرق کردیتا ہے اور یہہ ہی دریا اس بارش کے سبب سمندر بنکر تمام مُلک میں پھیل جاتا ہے۔ شترے بُو صاحب کہتے ہیں کہ متقدمین کا صرف یہہ قیاس تھا کہ نیل کی طغیانی اتھیوپیا میں کثرت سے بارش ہونیکے سبب سے ہوتی ہے۔ لیکن اس قیاس پر وہ یہہ بات زیادہ کرتے ہیں کہ بہت سے سیاحوں نے اُسکو اپنی آنکھہ سے دیکھا ہے۔ چنانچہ ٹولیمی فلیڈلفس یعنی بطلیموس ثانی بادشاہ مصر نے جو علوم اور فنون کی تحقیقات میں نہایت شوق رکھتا تھا اس امر کی تحقیقات کے لئے نہایت قابل قابل شخصوں کو وہاں بھیجکر اس امر کو تحقیق کیا تھا۔

دریاے نیل کی طغیانی کے موسم کا بیان

ہیروڈوٹس صاحب اور اسی طرح ڈایوڈورس اور سیکوس صاحب اور بہت سے مصنف بیان کرتے ہیں کہ دریاے نیل گرمی کے موسم میں یعنی ماہ جون کے اخیر میں بڑھنا شروع ہوتا ہے اور ستمبر کے اخیر تک روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ اور اکتوبر اور نومبر میں رفتہ رفتہ گھٹنا شروع ہوتا ہے یہاں تک کہ اپنے اصلی حال پر آجاتا ہے۔ اس زمانہ کے لوگ بھی اس بیان کی تصدیق کرتے ہیں اور حقیقت میں جو اصلی سبب اس دریا کی طغیانی کا ہے اُسی پر اُسکی بنیاد ہے اور وہ سبب وہی اتھیوپیا کی بارش ہے۔ جو لوگ وہاں گئے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ اپریل کے مہینے میں وہاں بارش شروع ہوتی ہے۔ اور پانچ مہینے تک یعنی اگست کے نصف اخیر یا ستمبر کے نصف اول تک برابر بارش

نواب صاحب کی اصل غرض یہہ ہوتی تھی کہ اُن کے مُلک کی حالت اور حکومت کی وضع سے واقفیت حاصل کریں۔

رہتی ہے۔ اسلئے مصر میں دریاے نیل کا چڑھاؤ تین ہفتے یا ایک مہینے بعد ابی سینیا میں بارش شروع ہونے سے ہوتا ہے۔ سیاحوں کا قول ہے کہ دریاے نیل مئی کے مہینے سے بڑھنا شروع ہوتا ہے۔ مگر اوّل نہایت آہستہ آہستہ بڑھتا ہے اور اپنے کناروں سے باہر نہیں نکلتا اور جون کے ختم ہونیکے قریب تک بھی اسمیں طغیانی نہیں ہوتی۔ ہیرو ڈوٹس صاحب کہتے ہیں کہ اسکے بعد جو تین مہینے آتے ہیں اُنہیں تین مہینوں میں اس دریا میں طغیانی ہوتی ہے۔ اگلے مصنفوں کی اصل کتابوں میں ایک اختلاف ہے جسکو میں بیان کرتا ہوں ہیرو ڈوٹس اور ڈایو ڈورس ایک طرف ہیں اور سٹرےبو صاحب اور پلے نی صاحب اور سولینس صاحب دوسری طرف ہیں۔ یہہ تینوں صاحب دریاے نیل کی طغیانی کے زمانہ کو بہت کم گنتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ تین مہینے یا سو دن میں کنارے کے باہر کی زمینوں میں سے لوٹ جاتا ہے اور زیادہ تر تعجب یہہ ہے کہ پلے نی صاحب اپنی راے کی بنیاد ہیرو ڈوٹس کی گواہی پر قایم کرتے ہیں۔

دریاے نیل کی طغیانی کی بلندی کا بیان

پلے نی صاحب بیان کرتے ہیں کہ طغیانی کے دنوں میں دریاے نیل ٹھیک ٹھیک چوبیس فٹ اونچا چڑھ جاتا ہے۔ جبکہ اُسکا چڑھاؤ اٹھارہ یا ساڑھے اٹھارہ فٹ اونچا آتا ہے تو مُلک میں قحط سالی ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اور جبکہ چوبیس فٹ اونچا چڑھاؤ آتا ہے تو غرق کا اندیشہ ہوتا ہے۔ شہنشاہ جولین نے ایک چٹھی موسومہ ایکڈیشیس مورخہ بیسویں ستمبر ۳۶۲ء میں دریاے نیل کی طغیانی کی بلندی بائیس فٹ لکھی ہے۔ دریاے نیل کے چڑھاؤ کی بلندی میں باہم متقدمین کے اور نیز زمانہ حال کے مورخوں میں اتفاق نہیں ہے۔ مگر بہت سا تفاوت بھی اُن میں نہیں ہے۔ اور اسکے سبب یہہ ہوں گے! اوّل یہہ کہ اگلے زمانہ کے اور زمانہ حال کے پیمانوں میں شاید کچھ تفاوت ہو جسکا دریافت کرنا مشکل ہے۔ دوسرے متقدمین مورخوں نے بے پروائی سے اپنے بیانوں کو لکھا ہو۔ تیسرے یہہ کہ خود نیل کی طغیانی میں تفاوت ہوتا ہے کیونکہ وہ دریا جسقدر سمندر کے پاس آتا جاتا ہے اُسکے چڑھاؤ کی بلندی کم ہوتی جاتی ہے جو کہ مصر کے مُلک کی زرخیزی دریاے نیل کی طغیانی پر منحصر تھی اسلئے مصریوں نے اُس کے

دریائے نیل کے منبع کی بابت تھیوسوفیا کے سفیروں کا بیان۔

چنانچہ علاوہ اور باتوں کے ہمنے اُن سے دریائے نیل کے منبع کی نسبت جسکو وہ

ابا بائیل کہتے ہیں بہت گفتگو کی اُنہوں نے کہا کہ اسکے منبع کا حال تو کسی کو

چڑھاؤ کے تمام حالات کو اور اُسکے مختلف درجوں کو بخوبی غور کیا تھا اور ایک مدت تک باقاعدہ امتحانوں سے جو بہت سے برسوں میں ہونے تھے خود دریائے نیل کے چڑھاؤ سے یہہ بات معلوم ہونے لگی تھی کہ اس سال میں چڑھاؤ سے کیسی فصل پیدا ہوگی۔ مصر کے بادشاہوں نے شہر ممفس میں ایک پیمانہ لگایا تھا اور اُسپر دریائے نیل کے چڑھاؤ کے مختلف درجے لکھے تھے۔ اور اُن درجوں پر حساب کرکر تمام مُلک مصر میں اطلاع دیجاتی تھی کہ اگلی فصل میں کیا نقصان آویگا یا کیا فائدہ ہوگا۔ سٹرابو صاحب کہتے ہیں کہ اسی مطلب کے لئے شہر سیئین کے قریب دریائے نیل کے کنارے پر بھی ایک کنواں بنا ہوا ہے۔ آجتک یہہ رسم شہر قاہرہ میں جاری ہے کہ ایک مسجد کے صحن میں ایک مینارہ ہے اور اُسپر دریائے نیل کے چڑھاؤ کے درجوں کے نشان بنے ہوئے ہیں۔ شہر کے ہر گلی کوچہ میں ہر روز منادی ہوتی ہے کہ دریائے نیل میں اسقدر چڑھاؤ ہوا! زمین کا خراج جو بادشاہ کو دیا جاتا ہے اُسکا تصفیہ نیل کے چڑھاؤ پر منحصر ہے جس دن دریائے نیل کا چڑھاؤ ایک معیّن بلندی پر پہنچ جاتا ہے اُس دن بہت خوشی ہوتی ہے اور عیش و عشرت کیجاتی ہے۔ اور آتشبازی چھوٹتی ہے۔ اور آپسمیں دعوتیں ہوتی ہیں۔ اور جو جو باتیں ہر طرح کی خوشی میں ہوتی ہیں وہ سب کیجاتی ہیں۔ قدیم زمانہ میں بھی دریائے نیل کی طغیانی ہونے سے تمام مصر میں عام خوشی کیجاتی تھی۔ اس لیئے اُس مُلک کی خوشی اور آسودگی کی بنیاد یہہ ہی دریا ہے۔ اگلے زمانہ میں مصر کے لوگ جو بت پرست تھے دریا کی طغیانی کو اپنے دیوتا سراپس کا سبب جانتے تھے اور جس مینار پر اسکے چڑھاؤ کے درجوں کے نشان لگے ہوئے ہیں اسکو اُس مندر میں مقدس سمجھکر رکھا تھا شہنشاہ قسطنطین نے اس مینار کو وہاں سے اُٹھاکر سکندریہ کے گرجا میں بیجانے کا حکم دیا۔ اسپر مصریوں نے یہہ مشہور کیا کہ سراپس دیوتا کی خفگی کے سبب دریائے نیل میں کبھی چڑھاؤ نہیں آنیکا۔ دوسرے سال دریائے نیل میں معمولی قاعدہ پر چڑھاؤ آیا شہنشاہ جولین نے جو بت پرستی کا مربی تھا اس مینار کو اُسی مندر میں بھجوادیا مگر شہنشاہ تھیوڈوسیس نے پھر اُسکو وہاں سے اُٹھوا منگایا۔

خوب معلوم ہے اور اسکی نسبت کسیکو کچھ شک نہیں ہے - بلکہ ان سفیروں میں سے ایک نے مع ایک مغل کے جو انہیں کے ساتھ ہندوستان

نیل کی نہروں اور پانی کے کھینچنے کی کلوں کا بیان

اگرچہ خدا تعالے نے مصر کے ملک کو ایسا فیض رسان دریا دیا تھا مگر پھر بھی یہہ نہیں چاہا کہ وہاں کے بسنے والے سست اور کاہل ہو جائیں اور بغیر محنت و مشقت کے ایسی بڑی نعمت کا فائدہ اُٹھائیں - یہہ بات از خود معلوم ہو سکتی ہے کہ دریائے نیل تمام ملک کو سیراب نہیں کر سکتا اسلئے بہت سی محنت اور مشقت زمین کے پانی دینے میں کیجاتی تھی اور بہت سی نہریں ہر جگہ پانی پہنچانے کے لیئے کاٹی گئی تھیں جو دیہات دریائے نیل کے کنارے کے پاس اونچی زمینوں پر تھے - اُن میں نہریں بنائی تھیں - اور مناسب وقت پر بہت سے دیہات میں پانی پہنچانے کے لئے کھولی جاتی تھیں جو دیہات کہ بہت دور دور از فاصلہ پر ملک کی سرحد پر تھے اُن میں بھی پانی پہنچانے کے لیئے نہریں بنی ہوئی تھیں - اور اِس طرح سے نہایت دور دور کے مقاموں میں بھی نہر سے پانی پہنچتا تھا جب تک کہ دریائے نیل ایک معیّن حد تک چڑھ جاتا تھا - اُسوقت تک لوگوں کو پانی لینے اور نالیاں کاٹنے اور دہانوں کے کھولنے کی اجازت نہ ہوتی تھی - کیونکہ اگر اُس سے پہلے پانی لینا شروع ہو جاتا تو بعض زمینوں کو بہت سا پہنچ جاتا اور بعض کھیتوں کو کم پہنچنے کا احتمال ہوتا - بموجب اُن قاعدوں کے جو ایک کتاب میں لکھے ہوئے تھے اور جبمیں سب طرح کے اندازے مقرر تھے پہلے اوپر کے حصّہ ملک مصر میں اور پھر نیچے کے حصہ میں نہروں کا کھولنا شروع ہوتا تھا اسطرح پر پانی کی ایسی احتیاط سے تقسیم ہوتی تھی کہ تمام زمینوں کو بخوبی پہنچ جاتا تھا - جن ضلعوں میں کہ دریائے نیل کا پانی از خود پھیلتا تھا وہ اسقدر کثرت سے ہیں اور ایسے نیچے ہیں اور اُن میں اسقدر نہریں بنی ہوئی ہیں کہ جسقدر پانی مجون اور جولائی اور اگست میں مصر میں پھیلتا تھا یقین ہوتا ہے کہ اسکا دسواں حصّہ بھی سمندر تک نہیں جاتا تھا - مگر باوجود اسقدر نہروں کے بہت سی زمینیں ایسی بلند ہیں کہ نیل کی طغیانی کا پانی وہاں تک نہ پہنچتا تھا اسلئے پیچدار کلوں سے اُن زمینوں میں پانی پہنچا دیتے تھے اُن کلوں کو بیل پھراتے تھے اور پانی نلوں میں جاکر اُن اونچی زمینوں میں پہنچتا تھا - ڈایوڈورس صاحب کہتے ہیں کہ جب آرکی میڈیز صاحب بطریق سیر کے مصر میں گئے تو انہوں نے لوگوں

کو واپس آیا تھا اُسکو دیکھا بھی تھا اُنہوں نے کہا کہ دریاے نیل کا منبع اگوس کے ملک میں ہے اور وہ دو بڑے جوشندہ چشمے ہیں جو

کے پتے یہہ کل ایجاد کی تھی۔

مصر کی زرخیزی کا بیان جو دریاے نیل کے سبب سے ہوتی ہے

دنیا میں کوئی ملک ایسا نہیں ہے جسکی زمین مصر کی زمین سے زیادہ زرخیز ہو اور وہ صرف دریاے نیل کا باعث ہے اور دریاؤں کا یہہ دستور ہے کہ جب اُنکی رو زمین پر پھیر جاتی ہے تو وہ ریت ویجاتی ہے یعنی زمین کی مٹی جسکے سبب زمین نم رہتی ہے بہ جاتی ہے مگر برخلاف اسکے دریاے نیل اپنی رَو میں اوپر سے چکنوٹ مٹی بہالاتا ہے اور وہاں چھوڑ جاتا ہے اور زمینوں کو زرخیز کر دیتا ہے اور اس سبب سے اگلی فصل ہونے سے زمین جسقدر کمزور ہو جاتی ہے پھر اُتنی ہی زور آور ہو جاتی ہے کاشتکار کو ملک میں ہل چلانے اور زمین توڑنے کی حاجت نہیں پڑتی۔ جب دریاے نیل ہٹ جاتا ہے تو بجز اسکے کہ زمین کے اوپر جو چکنوٹ مٹی رہگئی ہے اُسکو اُلٹ پلٹ کر نیچے کی ریتلی مٹی سے ملاکر اُسکے مزاج کو معتدل اور اُسکی قوت کو کم کیا جاے اور کچھ کام کرنا نہیں پڑتا۔ اِسکے بعد نہایت آرام سے اُسمیں بیج ڈالدیا جاتا ہے۔ اور اس سبب سے کھیتی کرنے میں کچھ خرچ کرنا نہیں پڑتا۔ دو مہینے میں سب زمینیں پھول پھل کر سبز ہو جاتی ہیں اور کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں اور اُن میں کثرت سے اناج پیدا ہوتا ہے۔ مصر والے اکثر نومبر اور اکتوبر میں جبکہ دریاے نیل کا پانی کم ہونے لگتا ہے کھیتی بوتے ہیں اور مارچ و اپریل میں فصل تیار ہو جاتی ہے۔ ! مصر کی زمینیں تین فصلی اور چو فصلی ہیں۔ یعنی ایک زمین میں ہر سال تین یا چار قسم کی مختلف چیزیں بوئی جاتی ہیں پہلی دفعہ کھیرا ککڑی بو کر کاٹ لیتے ہیں اُسکے بعد اناج بوتے ہیں اور جب اناج کی فصل تیار ہو کر کٹ لیتی ہے تو مختلف قسموں کی ترکاریاں جو خاص کر مصر میں ہوتی ہیں بوتے ہیں اور چونکہ مصر میں آفتاب بہت تیزی سے نکلتا ہے اور دھوپ کی طپش بہت ہوتی ہے اور مینہہ بہت کم برستے ہیں اگر اُس ملک میں نہریں اور چشمے بکثرت نہ ہوتے جن سے نالیاں بہاکر کھیتوں اور باغوں میں بخوبی پانی دیا جاتا ہے تو قیاس چاہتا ہے کہ وہاں

Agows (اگوس اگ وْ سْ)

ایک دوسرے کے قریب ہی زمین سے نکلکر اول تو کوئی تیس۳۰ یا
چالیس۴۰ قدم لمبی ایک چھوٹی سی جھیل بنجاتے ہیں اور پھر اسمیں سے نکلکر
یہہ دریا بہت پھیل جاتا ہے اور اسکے
بعد راستہ میں اور بہت سے ندّی نالے
ملجاتے ہیں اور ایک دریاے ذخّار
بنجاتا ہے - اُنہوں نے یہہ بھی کہا کہ یہہ ایسے طور پر پیچ کھا کھا کر گیا

دریاے نیل اپنے مخرج سے جدا ہو کر جس شکل سے اور جس جس ملک میں ہو کر مصر میں پہنچتا ہے اُس کا بیان ———

کی زمینیں جلد خشک ہو جاتیں اور ایسی کثرت کی گرمی سے اناج اور ترکاریاں جل جاتیں۔ دریاے نیل سے مویشی کی پرورش میں بھی جو مصر کی دولت کا دوسرا ذریعہ ہے کچھہ کم مدد نہیں ہوتی۔ مصر والے اپنے مویشی کو نومبر کے مہینے میں چرنے کو باہر نکال دیتے ہیں اور مارچ تک چراتے ہیں۔ لفظوں میں اتنی گنجایش نہیں ہے کہ ان چراگاہوں کی زرخیزی کا بیان اُنمیں ادا ہو سکے۔ مویشیوں کے ریوڑ جو بسبب معتدل اور خوش آیند ہوا کے دن رات باہر رہتے ہیں تھوڑی ہی مدّت میں بہت زیادہ اور فربہ ہو جاتے ہیں جن دنوں میں کہ نیل کی طغیانی ہوتی ہے اُن دنوں میں مویشی کو کُٹی اور گھاس اور جو اور مٹر کھلاکر پرورش کرتے ہیں۔

مسٹر کارنیل لی برون صاحب اپنی سیاحی کے حال میں لکھتے ہیں کہ مصر کے ملک پر خدا کی بہت بڑی عنایت ہے کہ ایک معیّن موسم میں اتھیوپیا میں اسقدر مینہہ برستا ہے کہ مصر کو پانی دیکر نہال کر دیتا ہے جہاں بالکل بارش نہیں ہوتی - اور اس اپنی عنایت سے ایسی خشک اور ریتلی زمین کو دُنیا کا ایک عمدہ زرخیز ملک بنا دیتا ہے - ایک اور بات بھی نہایت عمدہ ہے جس کو یہاں کے رہنے والے بیان کرتے ہیں کہ جون میں اور اُس کے اگلے چار مہینے میں شمالی اور شرقی ہوائیں چلتی رہتی ہیں تاکہ دریاے نیل کا پانی رُکا رہے اور جلدی سے بہ کر سمندر میں نہ چلا جاے اگلے لوگوں نے بھی اِس قدرتی حکمت کے نکتہ کو بہت غور سے خیال کیا تھا۔

ہے کہ جس سے زمین کا ایک وسیع حصہ جزیرہ نما کی صورت بن گیا ہے۔ اور پھر بہت اونچی اونچی چٹانوں پر سے اُتر کر ایک بڑی جھیل میں جو مملکت ڈیمبیا میں اِسکے منبع سے صرف چار پانچ منزل اور گونڈار دار الحکومت اتھیوپیا سے تین ہلکی منزلوں کے فاصلہ پر ہے جا گرتا ہے۔ اور اِس جھیل کو طے کر کے مع اُن تمام پانیوں کے جو اِس جھیل میں گرتے ہیں آگے کو بڑھتا ہے اور ممالک فنجی یعنی بربرستان جو شاہ اتھیوپیا کے باج گزار ہیں اُن کے خاص شہر سینار میں سے گزرتا ہوا آبشاروں کی صورت میں ہو کر ملک مصر کے میدانوں میں آنکلتا ہے۔

اتھیوپیا کے سفیروں کے قول کے موافق نیل کا منبع خط استوا کے شمال میں ہونا چاہیے۔

جب یہہ سفیر دریاے نیل کا منبع اور اُسکی کیفیت بیان کر چکے تو مینے اُس مُلک کا موقع دریافت کرنا چاہا جہاں اِس دریا کا یہہ منبع ہے بس مینے پوچھا کہ ڈیمبیا باب المندب سے کس طرف کو اور افریقہ کے کونسے حصہ میں واقع ہے۔ لیکن اُنھوں نے بجز اسکے اور کچھ جواب نہ دیا کہ وہ مغرب کی طرف ہے۔ مجھکو یہہ تقریر سُنکر حیرت ہوئی خصوصاً ایک مسلمان سفیر سے جسکو کسی عیسائی کی نسبت مقامات کی نسبتی حالتوں سے زیادہ واقف ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ مسلمانوں پر یہہ فرض ہے کہ اپنی پنجگانہ نماز پڑھتے وقت شہر مکہ کی طرف رخ کریں۔ مگر بہرحال اُس مسلمان سفیر نے یہہ امر باصرار

ڈ ے م ب ی آ Dembea گ ون ڈ ا ر Gondar ف ن ج ی Fungi
بربرستان Berberis س ی ن ا ر Senaar

بیان کیا کہ ڈیمبیا باب المندب کے مغرب میں ہے۔ پس ان سفیروں کے قول کے بموجب دریائے نیل کا منبع خط استوا کے شمال میں ہے نہ کہ جنوب میں جہاں بطلیموس* نے قرار دیا ہے۔ اور ہمارے نقشوں میں بھی جنوب ہی میں درج ہے۔

* بطلیموس - اس شخص کا نام انگریزی مورخ کلاڈیس ٹولیمی اور مسلمان مصنف بطلیموس ابن قاودیس لکھتے ہیں یہہ اصل میں یونانی تھا اور اسکندریہ میں آرہا تھا۔ لکھا ہے کہ جب اسنے ذرا ہوش سنبھالا تو مشہور حکیم جالینوس کی شاگردی اختیار کی اور جب علوم حکمیہ میں اچھی دستگاہ ہوگئی تو ریاضیات کی طرف اسکو زیادہ توجہ ہوئی چنانچہ جب یہہ اذریانوس کے عہد میں جو اذریان قیصر روم کی طرف سے ملک مصر کا حاکم تھا اور جو اسکو بہت عزیز رکھتا تھا اپنے وطن سے اسکندریہ میں آیا تو رات دن ریاضیات ہی کا اسکو شغل تھا۔ یہاں اسنے ستاروں اور افلاک کی گردش وغیرہ دریافت کرنے کے لئے رصد خانہ بنایا۔ اور متقدمین علمائے اہل ہیئت خصوصاً ہپارکس (ابرخس) کے سیاروں اور ثوابت کی فہرستوں کی تصحیح کی اور ایسی جدولیں بنائیں جنسے سورج چاند وغیرہ کی گردش کا حساب لگ سکتا ہے اور یہہ پہلا شخص ہے جسنے اُصطرلاب وغیرہ آلات رصدی ایجاد کئے اور اگرچہ بعض مورخوں کی یہہ رائے ہے کہ ہپارکس انکا موجد ہے لیکن اعمال ریاضی اور آلات رصد جو بالفعل معمول بہ ہیں اُن کی تصحیح اور توضیح تو فی الواقع اسی نے کی تھی۔ چنانچہ اسنے اپنی مشہور کتاب مجسطی کے تیسرے مقالہ کی آٹھویں نوع میں خود لکھا ہے! اس کتاب کی برابر اس فن میں آجتک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ چنانچہ نامور مسلمان علمائے ہیئت فضل بن یحیٰی تبریزی و محمد بن جابر و ابوریحان خوارزمی جنہوں نے اس کتاب پر حاشئے اور شرحیں لکھی ہیں جسقدر اُنہوں نے اس کتاب کے مسائل کی تحقیق و تدقیق کی اُسیقدر بطلیموس کی فضیلت کا اعتراف کیا۔ اس کتاب کے تیرہ ۱۳ مقالوں کا ترجمہ اوّل چند یونانی علمانے خلیفہ ہارون رشید عباسی کے وزیر یحیٰی بن خالد برمکی کے حکم سے جو سن ایک سو ستر ۱۷۰ ہجری مطابق سن سات سو چھیاسی

ب ٹ ل ی م و س Ptolemy ک ل ا ڈ ی ا س ٹ ال Claudius ی م ی
(اذری ان دس) Adrian (اذریان) Hipparchus (ہ پ ا ر ک س) (م ج س ط ی)

اتھیوپیا کی بارش کی نسبت اُن شخصوں کے جواب اور نیل کی طغیانی سے اُسکے تعلق کا ذکر

ہمنے اُن صاحبوں سے یہہ بھی دریافت کیا کہ اتھیوپیا میں بارش کب ہوتی ہے اور یہہ ہندوستان کی طرح مقررہ موسم میں ہوتی ہے یا اَور طرح اُنہوں نے جواب دیا کہ بحرِ احمر کے ساحل پر سواکن اور آرکیکو[1] اور جزیرہ مَصوَّع سے لیکر باب المندب تک اُس سے زیادہ بارش نہیں ہوتی جیسی کہ مخا میں ہوتی ہے جو اِس سمندر کے دوسرے کنارے پر ملک یمن میں ہے مگر اِس ملک کے اندر کی

سنہ ۱۴۰ عیسوی سے سن ایک سو تاسی ۱۸۰ ہجری مطابق سن آٹھ سو دو عیسوی تک وزیر [illegible] تھا یونانی سے عربی زبان میں کیا تھا لیکن وہ اسکو پسند نہ آیا اور اُسنے ابو حیان[2] اور ایک اَور عالم کو اسکے دوبارہ ترجمہ کرنے کا حکم دیا جنہوں نے نہایت عمدگی سے اس کام کو انجام دیا اور حجاج بن مطر ثابت بن قرّہ اور اسحاق نے اُسکے الفاظ کی اصلاح کی اور قریب سنہ ۱۲۳۰ع (بارہ سو تیس) کے اسی عربی ترجمہ سے یہہ کتاب زبان لیٹن میں ترجمہ ہوئی۔ بطلیموس نے اس فن میں ایک اَور رسالہ بھی اپنے شاگرد سوری کے واسطے لکھا تھا جسکا ترجمہ ابراہیم بن صلت نے عربی میں کیا اور حُنین[3] بن اسحاق نے اسکی اصلاح کی۔ غرض بطلیموس متقدمین ہیئت دانوں کا بادشاہ خیال کیا جاتا ہے جو اس علم کو کمل کرکے ہمارے لئے چھوڑ گیا۔ اسکے نظام مقررہ کو نظام بطلیموسی کہتے ہیں جسکا بڑا اصول یہہ ہے کہ زمین مرکز عالم ہے اور تمام ستارے اور افلاک اُسکے گرد حرکت کرتے ہیں بخلاف نظام مسلّمہ حال کے جو نظام فیثاغورسی کہلاتا ہے جسمیں آفتاب کو مرکز عالم قرار دیا گیا ہے اور بطلیموس نے مارینس[4] باشندہ شہر ٹائر[5] کے اصولوں کی بنیاد پر فن جغرافیہ میں بھی ایک کتاب لکھی تھی جسکا کندی[6] نے عربی میں ترجمہ کیا اور لیٹن میں بھی اسکا ترجمہ ہوا جو اب موجود ہے طول شرقی اور خط شمالی اسی نے قائم کئے اگرچہ اسکا یہہ کام کمل نہیں سمجھا جاتا مگر تاہم نہ جغرافیہ بنانے والوں کے لئے بڑا مفید ہے اور متن میں بطلیموس کی اسی کتاب کی طرف اشارہ ہے۔ یہہ علم موسیقی کا بھی بڑا ماہر تھا اور اُسکی ایک نہایت عمدہ کتاب تین جلدوں میں اس فن میں بھی موجود ہے۔ اسکی وفات اُٹھتر برس کی عمر میں سنہ ۱۶۹ع دو سو نو عیسوی میں واقع ہوئی [ماخوذ از ناسخ التواریخ و انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا] س ا م ح

(۱) آ ر ک ی ک و Arkeeko (۲) ا ب و ح ی ا ن (۳) ح ُ ن ے ن (۴) م ا ر ی ن س Marinus (۵) ٹ ا ئ ر Tyre (۶) ک ن د ی

طرف مملکت ڈینبیا کے صوبہ اگوس نیں اور آس پاس کے صوبوں میں گرمی کے
اُن دو مہینوں میں بہت بارش ہوتی ہے جنمیں کہ ہندوستان میں بھی ہوتی
ہے اور میرے قیاس کے موجب یہہ ٹھیک وہ وقت ہے جبکہ مصر میں
دریائے نیل طغیانی پر آتا ہے - ان سفیروں نے کہاکہ ہمکو خوب معلوم ہے
کہ دریائے نیل کی طغیانی اور اُس سے ملک مصر کی سیرابی کا باعث اتھیوپیا
کی بارشیں ہیں - اور ملک مصر کی زرخیزی کا باعث وہ چکنی مٹی ہے جس کو
دریائے نیل بہاکر یہاں لاڈالتا ہے - اُنہوں نے کہاکہ انہیں حالات کی
وجہ سے شاہان اتھیوپیا کو ملک مصر سے خراج لینے کا استحقاق حاصل تھا اور
جب اُس ملک پر مسلمان مسلط ہوگئے اور وہاں کی عیسائی رعایا ظلم سیدہ اور ذلیل
ہوگئی تو شاہ اتھیوپیا نے چاہا تھاکہ اس دریا کا رُخ بحر احمر کی طرف پھیر دیا جائے
اور یہہ ایسی تدبیر تھی کہ مصر کی زرخیزی بالکل مفقود ہوکر یہہ ملک برباد ہوجاتا -
لیکن یہہ منصوبہ اگرچہ غیر ممکن نہ تھا مگر ایسا عظیم الشان تھاکہ مطلق عمل میں نہ آیا !
اِن تمام باتوں سے میں بمقام مخا پہلے ہی واقف ہوچکا تھا - کیونکہ گونڈار + کے
رہنے والے دس بارہ سوداگروں سے (جو بادشاہ اتھیوپیا کیطرف سے ہرسال
اس شہر میں اس غرض سے آتے تھے کہ ہندوستان کے آئے ہوئے جہازوں
کے ساتھ لین دین کریں) مجھکو طرح طرح کی گفتگوؤں کا موقع ملا تھا - اور جو معلومات
مجھکو اُن سے حاصل ہوئے تھے اگرچہ وہ بہت مفید ہیں - کیونکہ اُن سے بھی
دریائے نیل کی طغیانی کا باعث صرف وہ بارشیں ہی ثابت ہوتی ہیں جو قریب
اُسکے منبع کے اور ملک مصر سے کچھ فاصلہ پر پڑتی ہیں لیکن تاہم میں اپنے

+ Gondar

ذاتی مشاہدوں کو جو اس دریا کی طغیانی کے وقت مجکو و مختلف اوقات میں ہوئے تھے زیادہ معتبر سمجھتا ہوں اور ان سے آپکو ظاہر ہو جائیگا اینصر کے عوام الناس کی جو رائیں اس بارہ میں ہیں وہ غلط ہیں بلکہ ثابت ہو جائیگا کہ وہ محض بے معنی قصے کہانیاں اور ایسے لوگوں کی گھڑتیں ہیں جو توہمات میں اسوجہ سے پھنسے ہوئے ہیں کہ ایسے موسم میں یعنی جب گرمی شدت سے ہوتی ہے ایسے ملک میں کہ جہاں بارش کو کوئی جانتا بھی نہیں دریا کی طغیانی کو دیکھکر سخت متحیر ہو جاتے ہیں۔

نیل کی طغیانی کے متعلق عوام مصر کے بعض تخیلات اور اوہام کا ذکر اور اُن کا ابطال

چنانچہ منجملہ اُن توہمات اور تخیلات کے میری مُراد اس جگہہ بہ تخصیص اُن کے مفصلہ ذیل غلط خیالات سے ہے یعنی ایک تو وہاں کے لوگوں کا یہہ اعتقاد ہے کہ دریائے نیل کی طغیانی شروع ہونیکا ایک خاص دن مقرر ہے! دوسرے یہہ کہ ایک خاص قسم کی شبنم جسکو گوٹ[1] کہتے ہیں۔ طغیانی کے اوّل ہی دن پڑنی شروع ہوتی ہے اور اسکے شروع ہوتے ہی وبا، طاعون فوراً جاتی رہتی ہے۔ تیسرے یہہ کہ جب گوٹ گرنے لگ جاتی ہے تو پھر اس مرض میں اگر کوئی شخص مبتلا بھی ہو تو ہلاک نہیں ہوتا۔! چوتھے یہہ کہ اس دریا کی طغیانی کے اسباب ایسے مخفی اور خاص طور کے ہیں کہ جو کسی کو معلوم نہیں ہیں! مگر میرے مشاہدات کا خلاصہ یہہ ہے کہ مجھے بخوبی منکشف ہو گیا کہ یہہ مشہور دریا بھی مثل اور دریاؤں کے صرف بارشوں کی کثرت سے طغیانی پر آتا ہے نہ یہہ کہ اِسکی طغیانی اِس سبب سے وقوع میں آتی

(۱) گوٹ Gout

ہے کہ مصر کی زمین اپنی شوریت کی وجہ سے جوش کھا کر اسکی طغیانی کا باعث ہوجاتی ہے چنانچہ ایک مرتبہ مینے دیکھا کہ طغیانی کے اُس متخیلہ دن سے قریب ایک مہینا پہلے ہی یہہ دریا ایک فرانسیسی فٹ سے زیادہ چڑھا ہوا اور نہایت گدلے پن کی حالت میں بہ رہا تھا۔ اور مینے یہہ بھی دیکھا ہے کہ جب یہہ دریا طغیانی پر آتا ہے تو قبل اسکے کہ اسکی نہروں کے دہانے کھولے جائیں یہہ پہلے تو چند روز تک ایک یا دو فٹ چڑھتا ہے اور بعد ازاں بتدریج اُترنا شروع ہوتا ہے اور پھر چڑھنے لگتا ہے اور ٹھیک اُسی اندازہ سے چڑھتا یا اُترتا ہے جسقدر کہ اُسکے منبع کے قریب بارش کی قلت یا کثرت ہوتی ہے اور اسکی یہہ حالت بعینہ ہمارے دریائے لوائر کی سی ہے جسکا چڑھاؤ اور اُتار اُسی نسبت سے ہوتا ہے جسقدر کہ بارشیں اُن پہاڑوں پر ہوتی ہیں جہاں سے یہہ نکلتا ہے۔

طغیانی کے متخیلہ دن اور شبنم کے پڑنے میں کچھ تعلق نہیں

اُس دن سے قریب ایک مہینا پہلے جبکہ گوٹ کا گرنا بیان کیا جاتا ہے ایک مرتبہ بیت المقدس سے واپس آتے ہوئے میں ڈمیٹا (یعنی دمیاط) سے شہر قاہرہ تک اِس دریا کی بالائی جانب کو آیا تھا اور صبح کو ہمارے کپڑے شبنم کی وجہ سے جورات بھر پڑی تھی تر ہو گئے تھے۔

شبنم کے گرنے اور وبائے طاعون میں جو تعلق خیال کیا جاتا ہے اسکا ابطال

گوٹ گرنے کے آٹھ دس روز بعد بمقام روسیٹا[۱] (یعنی رشید) مجھے اپنے وائس کانسل (یعنی

[۱] انگریزی میں ۔ Rosetta | Vice Consul

نائب وکیل) مانشیور دی برمن صاحب کے ساتھ شب کو کھانا کھانے کا اتفاق ہوا تھا اور جماعت حاضرین طعام میں سے تین شخص اسی رات کو طاعون کے مرض میں مبتلا ہوئے تھے جن میں سے دو تو آٹھویں دن مر گئے اور تیسرا مریض بھی جو اتفاق سے خود دی برمن (۱) صاحب ہی تھے شاید اس بیماری سے جاں بر نہوتا اگر میں جرأت کرکے یعنی اس شبنم کی متخیلہ تاثیر کے بھروسہ پر نہ رہکر اُن کا پھوڑا نہ چیر ڈالتا اور دوا تجویز نہ کرتا

خود مصنف کے مرض طاعون میں مبتلا ہونے کا ذکر۔

اس موقع پر خود مجھکو بھی یہہ متعدی بیماری لگ گئی تھی اور اگر میں فوراً بٹر آف اینٹی منی (۲) یعنی سرمہ کا جوہر استعمال نہ کرتا تو میں بھی مرجاتا۔ اور یہہ بات ثابت ہوجاتی کہ گوٹ کے گرجانیکے بعد بھی آدمی وبا سے مرجاتے ہیں! اس قے لانے کی دوا نے جو میں نے بیماری کے آغاز ہی میں پی لی تھی عجیب اثر کیا اور میں تین چار دن سے زیادہ بیمار نہ رہا۔ ایک میرا بدوی (۳) نوکر جو اس بیماری میں میری خدمت کرتا تھا میری ڈھارس بندھانے کی خاطر وہ یخنی جو میرے پینے سے بچ جاتی تھی بے تامل پی جاتا تھا۔ اور چونکہ وہ ایک متوکل شخص تھا طاعون سے ڈرنے والوں کے خیال پر ہنستا تھا۔

شبنم کے شروع ہونیکے بعد طاعون میں کمی ہونے کا طبی سبب۔

میں اس بات سے انکار نہیں کرتا کہ گوٹ کے گرنے کے بعد اس بیماری میں عموماً ہلاکت کا کم خوف ہوتا ہے لیکن میری غرض یہہ ہے کہ اس خوف کے کم ہونے کو گوٹ سے منسوب کرنا

(۱) دی بَرمَن Monsieur de Bermon (۳) بدوی

(۲) بٹر آف انٹی منی Butter of antimony

چاہئے کیونکہ میری راے میں بیماری کے کم ہوجانیکا سبب گرمی کی وہ شدت ہے جو اُن دنوں میں بہ نسبت پہلے کے زیادہ ہوجاتی ہے جس سے سامات کھل کر وہ سب صفراوی و بائی رطوبتیں جو جسم میں بند تھیں خارج ہوجاتی ہیں۔

ملاحوں معروف بہ رئیس کے قول کے موافق بھی بارش ہی نیل کی طغیانی کا سبب ہے

علاوہ بریں مینے بہت احتیاط سے اکثر ملاحوں سے بھی جنکو "رئیز"(1) کہتے ہیں اور جو دریاے نیل پر مصر کے میدانوں کی حد اخیر یعنی چٹانوں اور آبشاروں تک سفر کرآئے تھے دریافت کیا تو اُنہوں نے بھی مجھے یہی بتایا کہ جب یہہ دریا مصر کے میدانوں اور اُس زمین میں جو شور اور پُرجوش بیان کی جاتی ہے طغیانی پر آتا ہے تو آبشاروں اور پہاڑوں میں بھی بہت چڑھتا ہے اور ان آبشاروں کو عجیب طور سے طغیانی پر لاتا ہے حالانکہ اُن پہاڑوں کی زمین ظاہراً شور نہیں ہے۔

سینار کے حبشیوں کے بیان سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

مینے ہوشیاری کے ساتھ سینار(2) کے حبشیوں سے بھی جو نوکری کے واسطے قاہرہ کو جاتے ہیں اور جنکا ملک دریاے نیل کے کنارے پر اُن کوہستانی قطعات میں واقع ہے جو مصر کے جنوب کی طرف ہیں اور شاہ اتھیوپیا کا باج گزار ہے تحقیق کیا تو اُنہوں نے بھی متفق اللفظ یہی بیان کیا کہ جسوقت دریاے نیل مصر کے میدانوں میں چڑھتا ہے تو یہہ ہمارے ملک میں بھی چڑھتا اور زور پر آتا ہے۔ اور اسکا باعث وہ بارشیں ہیں کہ جو نہ صرف ہمارے پہاڑوں میں پڑتی

(1) اِس لفظ میں حرف اخیر یعنی ز جمع کی علامت ہے۔ س ا م ح (رئے ز Rays)
(2) س ی ن ا ر Sennaar

ہیں بلکہ ہمارے ملک سے اُوپر کی طرف اتھیوپیا میں بھی ہوتی ہیں۔

ہندوستان کے دریا گنگا وغیرہ بھی بارش ہی سے طغیانی پر آتے ہیں۔

ہندوستان کی موسمی بارشوں اور دریائے نیل کے مصر میں ایک ہی وقت میں طغیانی پر آنے سے جو جو خیالات میرے دل میں گزرے اُن سے یہہ مضمون بہت صاف ہو جاتا ہے۔ اور آپ خیال کر سکتے ہیں کہ دریائے سندھ اور گنگا اور اس ملک کے اور دریا گویا دریائے نیل اور ان کے آس پاس کی زمینیں گویا مصر کی زمینیں ہیں۔

دریائے نیل اور گنگا اور مصر اور بنگالہ میں جو مشابہت ہے اُس کا ذکر۔

یہہ خیالات میرے دل میں اُسوقت گزرے تھے جبکہ میں بنگالے میں تھا اور مندرجہ ذیل عبارت وہ عبارت ہے جو مینے اُسوقت اس بحث کے متعلق لکھی تھی "خلیج بنگالہ میں دریائے گنگا کے دہانے پر وہ متعدد جزیرے جو رفتہ رفتہ بنکر آپسمیں مل گئے۔ اور آخر کار برِّ اعظم سے شامل ہو گئے ہیں مجھکو دریائے نیل کے دہانوں کی یاد دلاتے ہیں۔ جب میں مصر میں تھا تو صنایع قدرت کو دیکھکر مجھے خیال آتا تھا کہ ارسطو کا یہہ قول "کہ ملک مصر دریائے نیل کی صنعت ہے" بنگالے پر بھی صادق آتا ہے جو دریائے گنگا کا بنایا ہوا ہے! ان دونوں دریاؤں میں صرف اتنا فرق ہے کہ دریائے گنگا نیل کی نسبت بہت بڑا ہے اور اسی وجہ سے نیل ہی زیادہ مٹی اپنے ساتھ سمندر میں بہا لیجاتا ہے جسکے سبب سے اُسکے جزیرے نیل کے جزیروں کی نسبت بڑے ہیں۔ اور یہہ فرق بھی ہے کہ دریائے نیل

کے جزیرے درختوں سے خالی ہیں بخلاف گنگا کے جزیروں کے جو بسبب اُن چار مہینوں کی متواتر اور کثیر بارشوں کے جو گرمی کے موسم میں ہوتی ہیں درختوں سے لدے ہوئے ہیں۔

مصر میں جو نہریں آبپاشی کی خاطر نیل سے کاٹی جاتی ہیں بنگالے میں موسمی بارشوں کی بدولت اُن کی حاجت نہیں ہے اگرچہ وہ بھی بآسانی تیار ہو سکتی ہیں کیونکہ دریائے گنگا اور اَور دریا گرمی کے موسم میں اُن بارشوں کے سبب سے جو اِس موسم میں ہمیشہ ہوتی ہیں اُسی طرح چڑھتے ہیں جس طرح نیل چڑھتا ہے! دونوں ملکوں میں یہہ تفاوت ہے کہ مصر میں سمندر کے کنارے کے سوا جہاں کبھی کبھی خفیف سی بارش ہو جاتی ہے خواہ کوئی موسم ہو بارش کو کوئی جانتا بھی نہیں اور صرف اتھیوپیا میں دریائے نیل کے منبع کے قریب بارش ہوتی ہے بخلاف ہندوستان کے جہاں بارش اُن ملکوں میں ہمیشہ مقررہ موسم میں ہوتی ہے جنمیں دریا بہتے ہیں۔

ملک سندھ اور مصر کی مشابہت کا ذکر۔

مگر معلوم رہے کہ یہہ حالت عموماً نہیں ہے چنانچہ دریائے سندھ کے دہانے پر ملک سندھ میں جو خلیج فارس کی طرف واقع ہے برسوں ایک بوند بھی نہیں پڑتی خواہ اس دریا میں کیسی ہی طغیانی کیوں نہ ہو اور یہہ ملک اُسوقت مصر کی طرح صرف نہروں سے سیراب کیا جاتا ہے۔

تھیونٹ صاحب نے جو یہہ خواہش ظاہر کی تھی کہ جو جو تجربے اور مشاہدے مجھکو بحر قلزم اور سوئز اور طور اور کوہ سینا اور جدّہ میں

جو مکّہ سے آدھے دن کے راستہ پر پاک مانا ہوا ایک مقام ہے اور جزیرہ کامیرن(۱) اور لوہیا(۲) میں ہوئے ہیں اُن کا مفصّل حال آپ کے پاس لکھ بھیجوں اس لیے میرا ارادہ ہے کہ جب مجھے اپنی قلمی یادداشتوں کے کھولنے کی فرصت ملے اُنکی تمنّا کو پورا کروں اور میں امید کرتا ہوں کہ جو واقفیّت مجھکو بمقام مخا ملک اتھیوپیا اور وہاں جانیکے لیئے عمدہ راستہ کی نسبت حاصل ہوئی ہے اُسکو بھی لکھوں۔



مصنّف کا خط بنام مسٹر چیپلین† مورخہ دسوین ۱ جون سن سولہ سو اڑسٹھ ۱۶۶۸ عیسوی بمقام شیراز واقع ایران

ہندوؤں کے عقائد اور توہّمات‡ اور بعض انوکھی رسموں اور مذہب وغیرہ کے بیان میں

سورج گہن

سورج گہن کے ایک موقع پر لوگوں کے توہّمات کا بیان۔

صاحب من! سورج گہن کے دو واقعے مینے ایسے دیکھے ہیں کہ جنکو میں کبھی نہیں بھولوں گا۔ پہلا واقعہ تو مینے

‡ کسی مصنف کی کوئی ایسی راے جو کسی قوم یا فرقہ کے مذہبی خیالات کے مخالف ہو اُس قوم یا فرقہ کے لوگوں کو اکثر ناگوار ہوا کرتی ہے۔ خصوصاً جبکہ الفاظ بھی کسیقدر سخت ہوں۔ پس اس کتاب کی اس فصل کے ترجمہ کرنے میں اگرچہ مورّخ کی راے پر تو ہمارا اختیار نہ تھا کہ اُسکو بدل دیا جاتا مگر اس

† Mr. Chapelin (2) Lohoia (1) Camaran

مسٹر چیپلن ۔ لوہویا ۔ کامرن

اپنے ہی مُلک میں سن سولہ سو چوّن (۱۶۵۴ء) عیسوی میں دیکھا تھا اور دوسرا سن سولہ سو چھیاسٹھ (۱۶۶۶ء) عیسوی میں بمقام دہلی! پہلا گہن مجھے اس سبب سے یاد ہے کہ اُس سے اہل فرانس کی طفلانہ زود اعتقادی اور اُن کے بے بنیاد خوف وہراس کے عجیب عجیب تماشے دیکھنے میں آئے تھے۔ چنانچہ اُن کے یہہ بے وقوفانہ وسواس اس حد کو پہنچ گئے تھے کہ بعض لوگوں نے تو ٹونے ٹوٹکے کرکے بچ جانے کے لیئے قسم قسم کی جڑی بوٹی اور دوائیں مول لیں اور بعض نے محفوظ مکانوں اور تہ خانوں میں نہایت احتیاط سے اپنے تئیں بند کرلیا تاکہ اُس منحوس کے وقت آفتاب کی شعاع اُن تک نہ پہنچے اور ہزاروں آدمی گرجاؤں میں دُعا مانگنے گئے! بعض یہہ سمجھتے تھے کہ اب کوئی ناگہانی آفت آنے والی ہے! اور بعض کی یہہ رائے تھی کہ قیامت کا دن یہی ہے اور یہہ جہان آج ہی ملیامیٹ ہوجائے گا اور اگرچہ گسینڈی[۵۱] اور رابرول[۵۲] وغیرہ اہل ہیئت اور حکمار فرنگستان نے پہلے ہی خوب تکرار سے لکھدیا تھا کہ اس گہن میں اگرچہ دُھوپ بالکل نہ رہیگی مگر یہہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے

[illegible] بلا اندیشۂ فوت مطلب جس جگہہ ترجمہ میں کوئی مُلائم لفظ اختیار کیا جاسکتا تھا۔ بپاس خاطر اپنے ہموطنوں کے وہاں ایسا کیا گیا ہے بلکہ بعض لفظ چھوڑ بھی دیئے گئے ہیں امید کہ ناظرین دقّت پسند ہماری اس فردگزاشت کو معاف فرمائیں گے۔ السیّد محمد حسین

۵۱ گسینڈی مُلک فرانس کے نامی حکما میں گنا جاتا ہے۔ یہہ سن پندرہ سو بانوے (۱۵۹۲ء) عیسوی میں پیدا ہوا تھا اور سن سولہ سو پچپن (۱۶۵۵ء) میں مرا۔ یہہ ابتداء عمر ہی سے علوم ریاضی کیطرف مائل تھا

۵۲ رابرول ایک فرانسیس عالم تھا اور ریاضیات اور بخصوص ہندسہ میں بہت بڑی دستگاہ رکھتا تھا مگر علما اور حکما کے طریق کے برخلاف بخل اور خود غرضی سے اُن مسائل کو جو اُس نے

اور جس طرح پر ہمیشہ ہوتے رہے ہیں یہہ بھی بالکل بیخطر ہے نجومیوں اور رمّالوں کے سے بیہودہ توہّمات نکرنے چاہئیں مگر اسپر بھی ہمارے ہموطنوں کو ایسے ایسے وسواس اور توہّمات تھے۔

دلی میں ایک سورج گہن کے دیکھنے کا ذکر

جو گہن بمقام دلّی سن سولہ سو چھیاسٹھ (سنہ ۱۶۶۶ء) عیسوی میں ہوا وہ ہندوؤں کے توہّمات اور عجیب غریب حرکات کی وجہ سے مجھے یاد رہیگا۔ جب گہن کا وقت آیا تو میں اپنی حویلی کی چھت پر جو جمنا کے کنارے تھی اور جہاں سے دریا کے دونوں کنارے نظر آتے تھے جن میں تخمیناً ایک "لیگ" یعنی تین میل کا فاصلہ ہے جا کھڑا ہوا ہزاروں لاکھوں ہندو کمر کمر پانی میں سورج کی طرف ٹکٹکی باندھی کھڑے دیکھ رہے تھے تاکہ گہن کے شروع ہوتے ہی غوطہ لگائیں۔ چھوٹی چھوٹی لڑکیاں اور لڑکے بالکل ننگے تھے۔ مرد صرف دھوتیاں باندھے ہوئے تھے۔ بیاہی ہوئی عورتیں اور چھ چھ سات سات برس کی لڑکیاں

چنانچہ سولہ برس کے سن میں تحصیل علم سے فارغ ہوا اور اٹھارہ برس کی عمر میں بمقام آئی علم الادیان اور فلسفہ کا پروفیسر مقرر ہوا۔ اسی زمانہ میں اسنے ارسطو کی تردید میں ایک کتاب لکھکر چھپوائی جسکے باعث یہہ تمام فرنگستان میں مشہور ہو گیا سن سولہ سو اٹھائیس عیسوی میں یہہ جب ملک آلینڈ سے اپنے ملک میں واپس آیا تو علم ہیئت کیطرف زیادہ متوجہ ہوا اور سولہ سو اکتیس میں عطارد کے آفتاب کے سامنے سے گزرنے کی خبر دی جسکو انگریزی میں ٹرین زِٹ اور عرب ہیئت داں لوگوں کی اصطلاح میں قِران یا مُرور کہتے ہیں۔
(ماخوذ از کتاب روضۃ الحکما) س۔ م۔ ح (ٹرنے ن زِٹ Transit

اپنے زور طبیعت سے نکالے تھے اور لوگوں کو کم بتاتا تھا۔ (ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا)
(س۔ م۔ ح)

رابرول Roberval

صرف ایک چادر یا ساڑھی اوڑھے ہوئے تھیں - ذی مقدور شخصوں
اور بڑے بڑے آدمیوں یعنی راجاؤں اور متمول اور صاحب امتیاز
لوگوں نے جو دربار شاہی میں معزز ہیں - اور صرافوں - مہاجنوں جوہریوں
اور بیوپاریوں وغیرہ نے یہہ بندوبست کیا تھا کہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ
دریا کے اُس کنارے سے اِس کنارے آکر پانی میں ڈیرے اور
قناتیں کھڑی کرالیں اور اسطرح پردہ میں اشنان وغیرہ کیا - ہندوؤں
کے اس مجمع نے جو ہیں گہن لگتے دیکھا ایک عجیب نعرہ مارا اور چند بار متواتر
غوطے لگائے - پھر پانی میں کھڑے ہوئے اور اپنے ہاتھ اور آنکھیں
سورج کی طرف اُٹھائے ہوئے بڑے حضور قلب سے عبادت اور پوجا
کرتے ہوئے معلوم ہوئے - اور چند بار دونوں ہاتھوں میں پانی لیکر سورج کو
چڑھایا اور بہت ادب سے سر جھکا جھکا کر کبھی دائیں کبھی بائیں پانی دیتے
تھے - اور گہن کے ختم ہونے تک یہہ بیچارے غلطی میں پڑے ہوئے لوگ
ایسی ہی حرکتیں کرتے رہے اور جب جانے لگے تو جمنا میں دُور سے
روپیے اور دو انیاں چوانیاں وغیرہ پھینکیں اور برہمنوں کو جو بھلا ایسی
تقریب پر وہاں آنے سے کیوں چوکنے لگے تھے بہت کچھ پُن دان دیا -
مینے دیکھا کہ ہر ایک شخص نے جب پانی سے نکلا نئی پوشاک جو دریا کے
کنارے ریت پر پہنے کو رکھی ہوئی تھی پہنی - بلکہ بہت سے لوگوں نے جو
زیادہ دہرم آتما تھے اپنی پرانی پوشاکیں برہمنوں کو پُن کر دیں -

اس طرح سے مینے اس عظیم الشان سورج گہن کی پوجا کا تماشا اپنے

مکان کی چھت پر سے دیکھا۔ اور جیسا کہ یہاں ہوا ویسا ہی دریائے سندھ اور گنگا اور ہندوستان کے اَور دریاؤں بلکہ عام تالابوں پر بھی ہوا۔! کہتے ہیں کہ تھانیسر* میں قریب ڈیڑھ لاکھ آدمیوں کے ہندوستان کے ہر ایک حصّہ سے اشنان کے واسطے آنکر جمع ہوئے تھے۔ کیونکہ اُس ندی کا پانی جو وہاں بہتی ہے گہن کے دن اَور دریاؤں اور ندیوں کی نسبت زیادہ متبرک اور پاک سمجھا جاتا ہے۔

سورج گہن کے اشنان وغیرہ رسوم کے باب میں ہندوؤں کے ساتھ سلاطین مغلیہ کا برتاؤ۔

سلاطین مغلیہ اگرچہ مسلمان ہیں لیکن اِن پُرانی رسموں کے آزاد طور پر بجالانے کو یا تو اِس خیال سے منع نہیں کرتے کہ ہندوؤں کے مذہبی معاملات میں دست اندازی کرنا چاہتے ہی نہیں! یا دست اندازی کی جرأت نہیں رکھتے۔ مگر ہاں اتنی بات بیشک ہے کہ تھانیسر کے میلہ سے پہلے

* ہندوستان کی تاریخ میں یہہ واقعہ بھی قابل یاد رکھنے کے ہے کہ سن پندرہ سو سرسٹھ (١٥٦٧ء) عیسوی مطابق سن نوسو چوہتر (٩٧٤) ہجری میں جو شہنشاہ اکبر لاہور سے دہلی کیطرف آتا ہوا تھانیسر میں ٹھہرا تو اتفاق سے وہاں سورج گہن کے نہان کا میلہ تھا۔ پس کسی بات پر تکرار ہو کر سنیاسیوں اور جوگیوں میں جھگڑا اُٹھا اور دونوں بادشاہ کے پاس فریادی آئے اور درخواست کی کہ ہمکو تلوار سے لڑکر آپس میں فیصلہ کر لینے کی اجازت ملے! بادشاہ نے اوّل تو بہت سمجھایا مگر جب اُنہوں نے نہ مانا تو یہہ عجیب فیصلہ کیا کہ لڑنے کی اجازت دیدی اور حکم دیا کہ سنیاسی جو جوگیوں سے تعداد میں کم یعنی قریب تین سو کے تھے اور جوگی پانسو تھے۔ ہمارے سپاہی اُن میں شامل ہو کر جوگیوں سے لڑیں! پس بادشاہی سپاہی بھی بھبوت ملکر سنیاسیوں کے ساتھ میدان میں آکودے اور بادشاہ کی آنکھوں کے سامنے خوب لڑائی ہوئی اور حضرت شہنشاہ بڑے لطف سے بیٹھے تماشا دیکھا کئے۔ آخرکار جوگیوں کا ناس کر کے سنیاسی غالب آئے اور اسکے بعد بادشاہ نے انتظام کر دیا کہ یہہ کچھ اَور زیادہ فساد نکرنے پاویں! یہہ روایت

چند برہمن اپنی قوم (ہندوؤں) کیطرف سے بطور وکیل حاضر ہو کر ایک لاکھ روپیہ پیشکش کر کے پوجا وغیرہ کی اجازت حاصل کرتے ہیں اور اسکے عوض کچھ خلعت اور ایک کم قیمت ضعیف ہاتھی انکو عطا ہوتا ہے*

گہن کے موقع پر پوجا پاٹھ اور پُن دان کرنے کی وجہ۔

اب میں اِس گہن کی پوجا کی وجہ اور منشا اور یہہ کہ یہہ رسمیں کیوں جاری ہیں بیان کرتا ہوں! ہندو کہتے ہیں کہ ہمارے چار وید یعنی (کتب آسمانی) جو خدا نے ہمکو برہما کی وساطت سے دیئے ہیں یہہ بتلاتے ہیں کہ ایک دیوتا جس نے راچھس کا اوتار لیا ہے اور جو نہایت مفسد اور شریر اور نہایت کالا کلوٹا اور از بس نجس اور میلا کچیلا ہے سورج کو پکڑ کر بشدت میلا اور کالا بنا دیتا ہے۔ سورج بھی اگرچہ

بزبان ترجمہ: بداونی کی ہے مگر ابوالفضل نے لکھا ہے کہ برنی اور گرنی جو دونوں سنیاسیوں ہی کے فرقے ہیں انہیں اسبات پر جھگڑا ہو گیا تھا کہ میلے میں تیرتھ کے کنارے پُریوں کے بیٹھنے کی جو جگہ تھی اور جہاں خوب چڑھاوا چڑھتا تھا وہ گریوں نے چھین لی تھی۔ س-م-ح

* ہندو راجہ اور بڑے بڑے امیر سورج گہن کے موقع پر اکثر ہاتھی کا دان ایک قسم کے برہمنوں کو جو معمولی برہمنوں سے ذات میں کم سمجھے جاتے ہیں اور جنکو ہمارے ملک ایس روئے تلج میں ڈکوت یا مہا برہمن یا گجراتی یا اچارج کہتے ہیں دیا کرتے ہیں پس غالب ہے کہ بادشاہ کیطرف سے یہہ ہاتھی اور پوشاک برہمنوں کو بطور دان دیا جاتا ہوگا - اور یہہ بات کچھ تعجب کی نہیں ہے کیونکہ سلاطین مغلیہ نے ہندوؤں کی تالیف قلوب کے لیئے انکی بعض رسمیں اختیار کر لی تھیں جو اکبر کے عہد سے لیکر اس سلسلہ کے اختتام تک سب بادشاہ انکو بجا لاتے تھے مثلاً تل دان یعنی سال شمسی اور قمری کے حساب سے جب بادشاہ کی عمر کا کوئی سال شروع ہوتا تو بادشاہ کو سونے اور چاندی کے ساتھ تولا جاتا تھا اور وہ سب سونا اور چاندی مستحقین کو بطور خیرات دیا جاتا تھا اور اِس موقع پر ایک بڑا جشن کیا جاتا تھا۔ س-م-ح

ایک دیوتا ہے مگر چونکہ نہایت رحم دل اور نیک نہاد ہے اس شریر کالی بلا کے پنجہ میں پھنسکر سخت تکلیف اور ایذا پاتا ہے پس ہر ایک شخص کو یہہ لازم اور واجب ہے کہ سورج بھگوان کو اس حالت سے نجات اور رہائی دینے میں کوشش کرے۔ اور اسکی صرف یہی سبیل ہے کہ اشنان اور پوجا پاٹھ اور پُن دان کیا جائے۔ کیونکہ یہہ دھرم کرم گہن کی حالت میں نہایت ہی مہاتم اور گُن رکھتے ہیں اور جو پُن دان اُس وقت کیا جائے وہ بہ نسبت معمولی پُن دان کے سو گُنا پھلتا ہے۔ پس ہندو لوگ یہہ کہتے ہیں کہ بھلا کون ایسا شخص ہوگا کہ جس کام میں سو گُن فائدہ ہو اُسکو نکرے! صاحب من۔ یہی وہ دونوں سورج گہن ہیں کہ جنکی نسبت مینے آپ سے کہا ہے کہ انکو ہرگز نہ بھولوں گا۔

جگن ناتھ کی رتھ جاترا کا بیان

سورج گہن کی رسموں وغیرہ کے ذکر سے مجھکو طبعاً اور خواہی نخواہی یہہ تحریک ہوتی ہے کہ کچھ اَور حال بھی اِن لوگوں کی بعض وحشیانہ طور کی رسموں کا آپ کو سناؤں جنکو سنکر آپ کی رائے میں جیسا مناسب معلوم ہو نتیجہ نکال لیں۔

رتھ جاترا کے موقع پر جاتری نہایت کثرت سے جمع ہوتے ہیں

خلیج بنگالہ میں جگن ناتھ نامے ایک شہر ہے اور وہاں ایک مشہور مندر ہے جسمیں جگن ناتھ کی مورت نصب کی ہوئی ہے۔ اور اگر میری یاد میں غلطی نہو وہاں ہر سال

ایک میلہ ہوتا ہے جو آٹھ نو روز تک رہتا ہے اور اس موقع پر لوگوں کا بڑا بھاری مجمع ہوتا ہے - جیسا کہ اگلے زمانہ میں ہمّن* کے مندر پر ہوتا تھا یا ہمارے وقت میں مکّہ میں ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ قریب دو لاکھ کے جاتری جمع ہو جاتے ہیں -

جگن ناتھ کے رتھ اور مورت کا بیان -

لکڑی کا ایک نہایت عجیب و غریب رتھ بنا ہوا ہے (جسکا نقشہ ہندوستان کے بعض مقامات میں مینے دیکھا بھی ہے) جسپر بیشمار مورتیں بنی ہوئی ہیں جنمیں سے کیکے تو اُن

* ہمّن جوپی ٹر کا ایک دوسرا نام ہے جو قدیم بت پرست یونانیوں اور رومیوں کا سب سے بڑا دیوتا تھا - یہہ مندر جسکا ذکر متن میں ہے لیبیا کے (افریقہ کا ایک قدیم نام ہے) اُس ضلع میں تھا جسکا ہمارے زمانہ میں شہر برقہ دار الحکومت ہے - جہاں یہہ مندر بنا ہوا تھا اُس سے کسی قدر فاصلہ پر اب صیوہ نامے ایک گاؤں آباد ہے جو برقہ اور قاہرہ کے مابین قاہرہ سے مغرب کی طرف تخمیناً تین سو بیس میل کے فاصلہ پر ہے - رومیوں کی سلطنت کے زمانہ میں یہہ بیحد و شمار جواہرات اور سونے چاندی سے بھرا ہوا تھا - لیکن اُنکی سلطنت کے زوال کے بعد اُن لوگوں نے جو وَنڈل کے نام سے مشہور تھے اسکو لوٹ کر برباد کر دیا - جس ضلع میں یہہ مندر بنا ہوا تھا اُسکے چاروں طرف کی زمین بالکل بیابان تھی جسمیں نہ گھاس تھا اور نہ پانی - مگر اس مندر کے آس پاس کی زمین نہایت سرسبز اور شاداب تھی - اور اُس بیابان میں صرف وہ ہی ایک قطعہ تھا جہاں اُوس پڑتی تھی مشہور رومی مورخ ہیروڈوٹس کہتا ہے کہ اِس مندر کے نزدیک ایک ایسا چشمہ تھا جسکا پانی صبح کو گرم اور دوپہر سے ذرا پہلے ٹھنڈا اور ٹھیک دوپہر کو نہایت سرد ہوتا تھا جسکی خنکی دن کے گھٹنے کے ساتھ گھٹتی جاتی تھی یہانتک کہ شام ہونے تک گرم ہو کر رفتہ رفتہ آدھی رات کو کھولنے لگتا تھا سن سترہ سو بانوے (سنہ ۱۷۹۲)

Hummon

(جوپی ٹر ج و پ ی ٹ ر) (لیبیا - ل ی ب ی آ) (برقہ - ب ر ق ہ) (صیوہ - ص ی و ہ)
(وَنڈل وَن ڈل) (ہیروڈوٹس ہ ی رڈ و ٹ س) Herodotus

جنوں کی تصویروں کی طرح جو ہمارے ملک میں ہوتی ہیں دو سر ہیں یعنی آدھا جسم انسان کا ہے اور آدھا حیوان کا اور کسیکے نہائت مہیب بندر اور دیو وغیرہ کا سا ایک سر ہے۔ یہہ رتھ پندرہ [۱۵] سولہ [۱۶] پہیوں کا ہے اور پچاس ساٹھ [۶۰] آدمیوں کے زور سے چلتا ہے اور اسکے عین وسط میں جگن ناتھ کی مورت کو نہایت مکلف اور زرق برق پوشاک پہناکر رکھتے اور عظم و شان کے ساتھ ایک مندر سے دوسرے مندر کو لیجاتے ہیں۔

مورت کے درشن کے وقت لوگ کثرتِ ازدحام سے کچل جاتے ہیں

پہلے روز جس وقت اس مورت کے درشن کرائے جاتے ہیں اسقدر ازدحام ہوتا ہے کہ بہت سے جاتری جو کالے کوسوں چلکر نہایت ضعف اور کمزوری کی حالت میں یہاں پہنچتے ہیں لوگوں کے دھکم دھکا سے کچل جاتے ہیں اور اُن کے اِرد گِرد کے لوگ یہہ تعریف و توصیف کرتے ہیں کہ بڑے ہی خوش نصیب تھے! جو اتنی دور سے ایسی متبرک جگہ آن کر مرے۔!!!

عیسوی میں بَرَوْنی نامے ایک سیاح نے اس مندر کا مقام دریافت کیا اور سن ۔۔۔ اٹھانوے (۱۵۹۸ء) میں ہوار لی مین نامے ایک دوسرے سیاح نے اس جگہ کو معلوم کیا۔ اور ان کے بعد سن اٹھارہ سولہ (۱۸۱۶ء) میں ایک اور سیاح نے جسکا نام بلزونی تھا اس مقام کو دیکھا وہ لکھتا ہے کہ یہہ چشمہ کھجوروں کے ایک خوشنما جنگل کے درمیان واقع ہے اور چونکہ اُسکے پاس تھرما میٹر نہ تھا اسلئے اُسنے اسکے پانی کی نسبت قیاساً یہہ لکھا ہے

(بَرَوْنی بَ رُوْنِ نی) (ہوار لی مین۔ ہُوَ آ۔ ر نی مَ ےن) (بلزونی بِ ل زُ و نی)

جگن ناتھ کے رتھ کے نیچے کچل کر مرجانا بڑا مہاتم سمجھا جاتا ہے۔

یہہ رتھ جسکے ساتھ ایک قیامت کا شور و غوغا ہوتا ہے جب احتشام کے ساتھ چلتا ہے تو میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ یہہ لوگ ایسے نادان خوش عقیدہ ہیں کہ اپنے تئیں اُسکے پہیوں کے نیچے ڈال دیتے ہیں جو اُنکو بالکل کچل دیتے ہیں اور دیکھنے والے اِس امر سے ذرا بھی تعجّب اور نفرت نہیں کرتے اور اُن کے خیال میں کوئی کرم (عمل) ایسا بہادرانہ اور اِس سے زیادہ راحت بخش نہیں ہے۔ اور جان دینے والا یہہ اعتقاد رکھتا ہے کہ جگن ناتھ جی اُسکو بجائے اپنے بچہ کے سمجھیں گے اور اگلے جنم میں بہت آرام اور عزّت اور عیش کی زندگانی بخشیں گے۔!!!

برہمن لوگوں کو اِن توہّمات اور اِن بھاری غلطیوں کے ارتکاب کی اَور بھی ترغیب دیتے رہتے ہیں جسکے وسیلہ سے اُنکو دولت اور بڑائی حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ لوگوں کا اُنکی نسبت یہہ اعتقاد ہے کہ یہہ غیب کے بھیدوں سے واقف ہیں اور اِس لئے اُنکی بہت تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور وہ پُن دان لیکر مالدار ہوجاتے ہیں۔

ایک کنواری لڑکی جگن ناتھ کی دولہن بنائی جاتی ہے

برہمنوں کا دغا اور فریب یہانتک ہے کہ تاوقتیکہ مینے قطعی دلیلوں سے بخوبی تحقیق نہ کرلیا مجھکو اِس بات پر یقین نہ آتا تھا کہ یہہ ایک خوبصورت لڑکی کو جگن ناتھ کی شادی

کہ اس کی گرمی صبح کو (اسی ۸۰) دوپہر کو (چالیس ۴۰) شام کو (ساٹھ ۶۰) اور آدھی رات کو (سو ۱۰۰) درجے ہوجاتی ہے۔ (ماخوذ از جام جم وانسائیکلوپیڈیا برٹانیکا)

کیواسطے انتخاب کرتے ہیں جو بڑی دھوم دھام سے مورت کے ساتھ
مندر کو جاتی اور تمام رات وہاں رہتی ہے اور یہہ برہمن اُسکو یہہ دم دیتے
ہیں کہ خود جگن ناتھ جی رات کو تیرے ساتھ اگر رہینگے اور تو دیوتا سے پوچھیو
کہ اگلی دفعہ سماں کیسا ہوگا اور آپ کی اس کرپا کے عوض کس قسم کی پوجا اور
چڑھاوا اور رتھ کی روانگی کا جلوس آپ کو پسند ہوگا اور رات کیوقت ایک
شہوت پرست برہمن ایک چھوٹی سی چور کھڑکی کی راہ سے مندر میں پہنچ جاتا
اور اُس بیچاری کنواری لڑکی سے جو اُسکو جگن ناتھ سمجھی ہوئی ہوتی ہے ہم بستر
ہوتا ہے اور جس بات کی برہمنوں کو ضرورت ہو اُسکو یقین کرا جاتا ہے۔ اور
جب صبح کو ویسی ہی دھوم دھام سے اِس کو دوسرے مندروں میں
لیجاتے ہیں تو برہمن اُس سے کہتے ہیں کہ جو کچھ تُنے دیوتا کی زبان سے
سُنا ہے وہ علانیۃً لوگوں کو سُنا دو۔

کسبیاں جگن ناتھ کی مورت کے سامنے ناچتی ہوئی بہت بیحیائی کی حرکتیں کرتی ہیں

اَب ہم ایک اَور بیوقوفی کا ذکر کرتے ہیں یعنی جگن ناتھ کے رتھ کے سامنے بلکہ
خاص مندر میں بھی میلہ کے دنوں میں ناچ کیوقت کسبیاں اپنی بدن نُمایانہ
اوضاع کے ساتھ نہایت بےشرمی اور بےحجابی کی حرکتیں کرتی ہیں[*]

* مصنف کی مُراد اس عبارت سے وہ بیہودہ ناچ معلوم ہوتا ہے جو ابتک بھی بنگالہ میں مُروج ہے اور نوجوان بنگالی اپنی عیش وعشرت کے بے تکلفانہ جلسوں میں رنڈیوں کو برہنگی مطلق کی حالت میں نچا کر خوش ہوتے ہیں اور اس قسم کے ناچ کو انکی زبان میں کھیمٹا کا ناچ کہتے ہیں بعض تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ سن اٹھارہ سو تین (سنہ ۱۸۰۳ء) میں جب وہ صوبہ جہاں یہہ مندر ہے سرکار انگریزی کے ہاتھ آیا تو اُسوقت تین سو نابینی ڈالی ہوتیں

برہمن ان لغویتوں کو بالکل اپنے ملک کے مذہب کے مطابق خیال کرتے ہیں۔ میں کئی ایک خوبصورت کسبیوں کو جانتا پہچانتا ہوں جو باوجود اس پیشہ کے نہایت محتاط ہیں یعنی ہر کسی کے پاس نہیں چلی جاتیں۔ چنانچہ ان

یہ کسبیاں برہمنوں اور ہندو فقیروں کے سوا کسی کے پاس نہیں جاتیں

مندر کی ملازم تھیں جو گورنمنٹ کے حکم سے موقوف کی گئیں اور مندر کی آمدنی خزانہ سرکار میں داخل ہوتی تھی اور اس کے وصول کے لیئے ایک عہدہ دار مقرر تھا مگر کچھ زمانہ بعد پادریوں نے جو مندر کے چڑھاوے کی آمدنی کا لینا اپنی عیسائی سرکار کے لیئے حرام جانتے تھے۔ حکام سرکاری کے ساتھ جھگڑا کر کے خزانہ سرکار میں اسکا آنا موقوف کرادیا اور اس طرح پر یہہ آمدنی خالص حق پوجاریوں کا ہوگیا۔ س۔ م۔ ح

❀

اس کتاب کے انگریزی مترجم مسٹر اردنگ† براک صاحب نے اس موقع پر ڈاکٹر کلاڈیاس بُکانن‡ صاحب کی کتاب یادداشت سے ایک حاشیہ لکھا ہے جس کو مناسبت مقام کے سبب سے ترجمہ کر کے اسجگہہ نقل کیا جاتا ہے **قوله** ڈاکٹر کلاڈیاس بُکانن صاحب (جنہوں نے سن اٹھارہ سو چھ (۱۸۰۶ء) میں ملک اوڑیسہ کے دورہ کرنے کے موقع پر مندر جگن ناتھ کی نسبت اپنی کتاب یادداشت میں بعض حالات تحریر کئے ہیں) یوں لکھتے ہیں کہ آج بتاریخ تیسویں مئی سن اٹھارہ سو چھ (۱۸۰۶ء) ہم بمقام **بھدریک** مقیم ہیں اور اگرچہ جگن ناتھ اب بھی پچاس میل سے زیادہ فاصلہ پر ہم سے ہے۔ لیکن ہم کئی دن سے برابر انسانوں کی ہڈیاں شاہراہ پر پڑی ہوئی دیکھتے آتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب ہم جگن ناتھ کے قریب پہنچتے جاتے ہیں۔ اس مقام پر قریب دو ہزار کے جاتری ہمکو آملے ہیں جو ہندوستان کے اضلاع شمالی کے مختلف مقامات سے آئے ہیں۔ چنانچہ بعض اُن میں سے یوں کہتے ہیں کہ ہمکو اپنا گھر چھوڑے دو مہینے ہوئے اور باوجودیکہ آجکل موسم سخت گرمی کا ہے اسپر بھی یہہ لوگ صرف تنہا نہیں بلکہ مع عیال و اطفال آئے ہیں

† Irving Brock

‡ Dr. Claudius Buchanan

عورتوں کو کئی اہل اسلام اور عیسائی اور بعض پردیسی قوم کے بت پرستوں نے بہت کچھ دولت اور روپیہ دینا چاہا لیکن انہوں نے باین عذر

یہ جاتری لوگ بہت سے راستہ ہی میں مرجاتے ہیں اور انکی لاشوں یا ہڈیوں کو کوئی دفن تک نہیں کرتا اور اسی طرح شاہراہ پر پڑی رہتی ہیں۔ چنانچہ اس منزل پر جہاں ہم مقیم ہیں ندی کے کنارے جو جاتریوں کے اترنیکے لیئے ایک سرا بنی ہوئی ہے کوئی قریب سو کھوپڑیوں کے ہمنے پڑی دیکھیں آج ہمکو ایک ایسا خوش اعتقاد جاتری ملا جو ہر قدم پر پوری ڈنڈوت کرتا اور گویا اپنی جسم سے جگن ناتھ کا راستہ ناپتا جاتا تھا اور اپنی دانست میں دیوتا کے خوش کرنیکے واسطے اس طریق کو نہایت عمدہ سمجھکر بجا لا رہا تھا۔ پھر وہ چودھویں جون سن اٹھارہ سو چھ کو خاص جگن ناتھ سے یوں لکھتے ہیں "کہ مین نے جگن ناتھ کو دیکھا کوئی کتاب تاریخ اس دار الفنا اور رذلوی سوت کا ٹھیک ٹھیک بیان نہیں کرسکتی۔ البتہ اس کے مشابہ وادیٔ ہنیم* ہو تو ہو یا جیسا کہ مولک Moloch کی مورت پر شہر کنعان میں اگلے وقتوں میں انسان کی قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں۔ ویسا ہی اگر جگن ناتھ کی مورت کو اس زمانہ کا مولک کہا جاے تو کچھ ناواجب نہیں ہے۔ کیونکہ جگن ناتھ کے آگے اپنے تئیں بلی دان اور قربانی کرنے والے لوگ بھی نہ تو مولک کی قربانیوں سے تعداد ہی میں کم ہیں اور نہ اس بُرے طور پر جان کھونے ہی مین۔ جگن ناتھ کے ساتھ اُسکے بھائی اور بہن بلرام اور سوبھدرا کے نام سے دو اَور مورتیں بھی ہیں اور تینوں کی پوجا ہوتی ہے اور تقریباً تینوں کی مانتا ایک ہی سی ہے۔ کیونکہ تینوں کے سنگھاسن بلندی میں قریباً برابر ہیں۔ آج صبح کو میں مندر کے دیکھنے کو گیا! نہایت وسیع اور عالیشان عمارت ہے! اور فی الواقع لایق شان اور منزلت ایسے ہی ہولناک بادشاہ کے ہے اور جیسا کہ سب مندروں میں اُس مندر کے دیوتا کے حالات او خیالات اور معتقدات کی مناسبت سے اُس شکل کی مورتیں وغیرہ بناکر قائم کیجاتی ہیں ویسا ہی اس مندر میں وہ سب

* ملک شام میں بیت المقدس کے قریب ایک جگہ کا نام ہے جہاں ایام سلف میں مولک نامی ایک بت استادہ تھا اور اُسپر اکثر لوگ اپنی اولاد کو قربانی کرتے تھے۔ م م Hinnom

قبول نہ کیا کہ ہمنے اپنے تئیں دیوتاؤں اور برہمنوں اور اُن سادھوؤں

ناشایستگی اور عیوب کی بشیار اور مختلف مورتیں موجود ہیں جو خاص اس کی پوجا کے طریق کا لُب لُباب ہیں چنانچہ مندر کی دیواروں اور دروازوں کے تختوں پر ایسی خلاف تہذیب شکل کی مورتیں جنکو دیکھکر شرم آتی ہے بھاری بھاری اور پائدار پتھروں سے تراشی ہوئی کھڑی ہیں۔ میں سمندر کے کنارے کی ریتی کو بھی دیکھنے گیا تھا وہاں بھی بعض مقامات جاتریوں کی ہڈیوں سے بالکل سفید نظر آتے تھے۔ شہر کے نزدیک میننے ایک اور جگہ جسکو انگریز گنگو تھا کہتے ہیں دیکھی جہاں جاتریوں کی لاشیں یونہیں پھینک دیجاتی ہیں اور کتے اور گدھ وغیرہ وہاں ہمیشہ جمع رہتے ہیں

میں جیمس ہنٹر صاحب کے مکان میں جو سرکار آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے جگن ناتھ کے مندر کے منتظم اور جاتریوں سے سرکاری محصول کے وصول کے ذمہ دار ہیں اُترا ہوا ہوں جو سمندر کے کنارے مندر سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ صاحب شہر کے قریب اسواسطے نہیں رہتے کہ وہاں متعفن لاشوں کے باعث نہایت بدبو آتی ہے اور ان لوگوں کے گوناگوں توہمات کے مشاہدہ سے قطع نظر شہر میں اور بھی بہت سی ایسی نازیبا باتیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ جن سے آدمی کے حواس پراگندہ ہوجاتے ہیں۔ مثلاً فاقوں کے مارے ہوئے ہزاروں جاتری نیم مردہ اور بھوت کی سی ڈرانی صورت کے ساتھ شہر میں دیکھے جاتے ہیں۔ جن میں سے اکثر بھوکھ اور بیماریوں کے مارے شہر کے گلی کوچوں ہی میں مرجاتے ہیں یا یہ کہ اکثر وہ لوگ جو بڑے بھگت اور خوش عقیدہ ہوتے ہیں بالوں کے جوڑے باندھے اور بدن کو کئی طرح کے رنگ لگائے اور اپنی جان کو طرح طرح کے عذاب دیتے ہوئے جس کو وہ عبادت سمجھتے ہیں نظر آتے ہیں اسکے سوا عورتیں اور مرد بغیر کسی قسم کے شرم اور حجاب کے شہر کے قریب ریتی میں قضائے حاجت کے لیئے برابر بیٹھے دکھائی دیتے ہیں۔ جن کے فضلہ کو سانڈ جنکو یہ لوگ مقدس سمجھکر چھوڑ رکھتے ہیں بے تکلف آکر چٹ کرتے ہیں

! پھر صاحب موصوف اٹھارویں جون سن اٹھارہ سو چھ عیسوی کو جگن ناتھ ہی سے یوں لکھتے ہیں کہ " میں ابھی ایک تماشا دیکھکر جسکو عمر بھر نہ بھولوں گا اپنے مکان پر

(جیمس ہنٹر۔ ج ے م س ہ ن ٹ ر) James Hunter

پر جو ننگے دھونی رمائے اور جٹا دھارن کیئے مندر کے چاروں طرف

آیا ہوں۔ آج اس دیوتا کا بڑا دن ہے۔ چنانچہ دوپہر کو وقت ہندو جگن ناتھ کی مورت کو مندر سے باہر لائے اسوقت لاکھوں جاتری اور عقیدت مند لوگ اپنی جے جے کار سے نہایت شور و غل کرتے ہوئے ساتھ تھے اور جب مورت کو سنگھاسن پر بٹھایا اسوقت تو ایسا غل پڑا کہ مینے کبھی نہیں سنا تھا پھر تھوڑی سی خاموشی کے بعد دور سے کچھ شور سا سنائی دیا۔ اور تمام خلقت کی آنکھیں اسطرف کو اٹھ گئیں اور مینے دیکھا کہ درختوں کا ایک جھنڈ سا چلا آتا ہے۔ ذرا قریب آنے پر معلوم ہوا کہ بہت سے آدمیوں کا ایک غول بڑی جلدی سے چلا آتا ہے اور ہر ایک کے ہاتھ میں کھجور یا کسی اور درخت کی سبز ٹہنی ہے اس غول کے لیئے خلقت نے راستہ چھوڑ دیا اور جب وہ جگن ناتھ کے سنگھاسن کے سامنے جسپر مورت رکھی ہوئی تھی پہنچے تو زمین پر سرتا پا گر کر ڈنڈوت اور پوجا بجا لائے۔ اس وقت جگن ناتھ کا سنگھاسن ایک بہت اونچے رتھ پر رکھا گیا جو مثل ایک برج کے ساٹھ فٹ بلند تھا اور جسکے پہیئے بوجھ کے مارے زمین میں دھسے جاتے تھے۔ اس رتھ میں جہاز کی سی بھاری اور لمبی لمبی چھ زنجیریں لگی ہوئی تھیں اور ہزاروں مرد عورت اور بچے ان کو کھینچتے تھے اور اسقدر ازدحام تھا کہ بعض لوگ صرف ایک ہی ہاتھ لگا سکتے تھے۔ بچوں سے ان زنجیر کے کھچوانے کی یہ وجہ تھی کہ ایسے دیوتا کی زنجیر کو کھینچنا ایک بڑے دھرم کی بات سمجھی جاتی ہے۔ رتھ کے اوپر سنگھاسن کے پاس برہمن اور پوجاری لوگ کھڑے تھے اور مینے سنا کہ شاید ایکسو بیس پوجاری رتھ پر موجود تھے۔ جگن ناتھ کی مورت ایک لکڑی کا بنا ہوا قالب ہے (جسے ہندو کلنے ونر کہتے ہیں) اسکا چہرہ کالا رنگا ہوا اور نہایت مہیب ہے اور مونہہ بڑا سا اور کھلا ہوا لال رنگ سے بھرا ہوا ہے۔ بازو سونے کے ہیں اور پوشاک نہایت مکلف اور نفیس پہنائی ہوئی ہے اور وہ دونوں مورتیں جو اسکے ساتھ ہیں ایک کا رنگ سفید اور دوسری کا زرد ہے! پانچ ہاتھی جنکے اوپر بڑی اونچی اونچی جھنڈیاں بھی تھیں اس تین گنبد والے رتھ کے آگے آگے چلتے تھے! ان ہاتھیوں پر لال رنگ کی جھولیں پڑی ہوئی تھیں اور دونوں جانب معمولی گھنٹے بھی لٹکتے تھے۔ میں بھی اس جلوس میں جا شامل ہوا بلکہ خاص رتھ

بیٹھے ہیں (جنکی وضع کا بیان میں جلد کرونگا) وقف کیا ہوا ہے۔

کے قریب پہنچ گیا۔ جس کو بہت سے لوگ بمشکل تمام کھینچتے تھے۔ اور اُسکے پہیے جو بہت سے تھے اُن میں سے گرج کی سی آواز نکلتی تھی۔ چند لمحہ بعد رتھ رُک گیا اور پوجا شروع ہوئی یعنی مندر کے بڑے پوجاری نے رتھ پر چڑھکر اور مورت کے سامنے آکر چند فحش گیت گائے اور بیان کیا کہ جگن ناتھ جی کو ایسے گیت بہت پسند ہیں اور جب ان گیتوں سے خوش ہوتے ہیں تب ہی ان کا رتھ چلتا ہے۔ چنانچہ ان گیتوں کے گانے کے بعد رتھ ذرا سا آگے بڑھکر پھر کھڑا ہوگیا۔ تب ایک لڑکا جسکی عمر کوئی بارہ برس کی ہوگی سامنے کیا گیا اُسنے اُس پوجاری سے بھی بڑھکر چند قابل شرم گیت اس اُمید سے گانے شروع کئے کہ شاید اُن کا دیوتا قدم آگے بڑھائے اُس لڑکے نے دیوتا کی تعریف اور اُستُت بڑی دلربا آواز سے کی اور گیت کے مضامین کو جسمانی حرکات یعنی بتانے سے بھی ادا کیا کہ جس سے دیوتا خوش ہوگیا۔ اور لوگوں نے ایک مصنوعی خوشی کا شور کرکے رتھ کو ذرا آگے بڑھا دیا مگر چند لمحہ بعد رتھ پھر ٹھہر گیا۔ پھر اس دیوتا کے ایک بڈھے پوجاری نے کھڑے ہوکر اور ہاتھ میں ایک لمبی چھڑی لیکر اور اُسکو تھوڑے عرصہ تک ناشایستہ طور پر ہلا ہلا کر اس مکروہ تماشے کو ختم کیا۔

واضح ہو کہ جگن ناتھ کی پوجا جسکو میں ہندوستان کا مولک کہتا ہوں فحش اور خون ریزی دو باتوں سے مرکب ہے۔ چنانچہ فحش کا ذکر تو ہوچکا۔ اب خون ریزی کا بیان سُنیئے۔!!! جب رتھ تھوڑی دور اور آگے بڑھا تو ایک جاتری بولا کہ میں جگن ناتھ جی پر اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہوں۔ چنانچہ اُسنے چلتے ہوئے رتھ کے پہیوں کے آگے اپنے تئیں ہاتھ پھیلا کر موہنہ کے بل زمین پر ڈال دیا۔ اِس وقت ازدحام خلایق نے اُسکے لیے جگہہ چھوڑ دی اور رتھ کے پہیوں سے وہ کچل کر مرگیا۔ اِس حرکت پر جاتریوں کے ازدحام نے مورت کی طرف دھیان کرکے بڑے زور سے جے جے کار کی صدا بلند کی۔ کیونکہ یہہ لوگ کہتے ہیں کہ جب اِس طرح سے دیوتا کو خون چڑھایا جاتا ہے تو دیوتا مسکراتا ہے۔ پھر اُن لوگوں نے اس جاتری کی لاش پر بمراد اظہار استحسان اُسکے اس فعل کے کوڑیاں پھینکنی شروع کیں۔ پھر بیسویں جون سن اٹھارہ سو چھ سنہ ۱۸۰۶ع کو اِسی مقام سے صاحب موصوف یہہ لکھتے ہیں کہ یہہ ہولناک رسمیں ابھی بدستور جاری ہیں۔ چنانچہ کل پھر ایک عورت نے اپنے تئیں قربان کیا۔ مگر وہ رتھ کے نیچے چونکہ سیدھی نہیں پڑی تھی اور معمول کے خلاف

آڑے طور پر پڑ گئی تھی اِس وجہ سے فوراً ہلاک نہ ہوئی بلکہ کئی گھنٹوں میں اُس کی جان نکلی۔ مگر آج صبح کو جب میں اُس مُردوں کی کھوپڑیوں والی جگہ سے گزرا تو میںنے دیکھا کہ اُس عورت کی لاش میں بجز ہڈیوں کے اِس وقت اَور کچھ باقی نہ رہا تھا! پھر کیمبل صاحب جُون سن اٹھارہ سو چھ (۱۸۰۶) عیسوی کو یوں لکھتے ہیں کہ " ابھی رتھ جاترا کے تماشے بدستور جاری ہیں لیکن ایسے افعال اور بیرحمیوں کو دیکھتے دیکھتے میں اسقدر تنگ آگیا ہوں کہ اَب دل یہی چاہتا ہے کہ یہاں سے جلد بھاگ چلئے! آج صبح کو اُس مقام پر جہاں مُردوں کو پھینکا جاتا ہے میںنے ایک اَور بھی زیادہ دردانگیز واقعہ دیکھا کہ ایک عورت جو مُردہ یا قریب المرگ پڑی ہوئی تھی اُسکی لاش کو کُتّے اور گِدھ چمٹے ہوئے تھے۔ اور اُس کے دو بچّے اُس کی لاش کی طرف بحسرت تک رہے تھے۔ اور جاتری لوگ جو اُس طرف ہو کر جاتے تھے اِن بچّوں کی حالت پر کوئی بھی اصلا ملتفت نہ ہوتا تھا میںنے اُن بچّوں سے دریافت کیا کہ تمہارا گھر کہاں ہے اُنہوں نے کہا کہ جہاں ہماری ماں ہے وہیں ہمارا وطن ہے! افسوس کہ اِس جگہ میں رحم نام کو بھی نہیں ہے۔ اِس وقت جاتری لوگ یہاں اسقدر جمع ہوئے ہیں کہ اُنکی تعداد کا اندازہ ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ خاص تہواروں پر جسقدر جاتری جمع ہوتے ہیں اُنکی تعداد کی نسبت یہاں کے لوگ ذکر کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں کہ اگر بالفرض میلے میں سے ایک لاکھ آدمی چلا جائے تو کثرتِ خلائق میں کچھ کمی محسوس نہیں ہو سکتی۔ میںنے ایک برہمن سے پوچھا کہ بڑے سے بڑے میلے پر تمہاری دانست میں کسقدر جاتری آتے ہوں گے تو اُس نے یہہ جواب دیا کہ میں کسطرح کہہ سکتا ہوں کہ مُٹھی بھر ریت میں کتنے ذرّے ہوتے ہیں۔

انگلستان میں انگریزوں کو اِس بات پر یقین نہیں آنے کا کہ یہہ سب خونریزیاں جو جگن ناتھ میں ہوتی ہیں آیا کلکتہ میں حکّام انگریزی کو بھی معلوم ہیں یا نہیں۔ لیکن افسوس کہ گورنمنٹ ہوس کے دروازے کے آگے اور سُپریم گورنمنٹ کی نظروں کے سامنے یہہ سب باتیں ہوتی ہیں۔ خاص بنگالے میں بھی جو ایک خوشنما اور ایسا سرسبز اور شاداب مُلک ہے۔ جسکو دُنیا کا باغ

کہا جاتا ہے اس ہندوستان کے مولک کے کئی مندر ہیں۔ چنانچہ ایشڑا[۹۳] جو کلکتہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر گنگا کے کنارے ایک خوشنما گانوں ہے (اور جہاں پہلے وارن ہیسٹنگس صاحب گورنر جنرل ہند رہا کرتے تھے اور اب بھی گورنر جنرل حال کے باغ[۹۴] سے یہہ جگہہ سامنے نظر آتی ہے) خاص اُسکے متصل ہی جگن ناتھ کا مندر موجود ہے جہاں اکثر انسان کی قربانی کا خون بُت کو چڑھایا جاتا ہے۔ چنانچہ ماہ مئی سن اٹھارہ سو سات (۱۸۰۷ء) عیسوی جبکہ ڈاکٹر بکانن صاحب رتھ جاترا کے میلے پر اس جگہہ موجود تھے ایک بہت خوبصورت اور تازہ توانا نوجوان شخص نے کہ جسکے لمبے لمبے سیاہ بال بکھرے ہوئے تھے اور گلے میں پھولوں کا ہار پہنے ہوئے تھا یہہ حرکت کی کہ اُچھلتا کودتا آیا اور رتھ کے سامنے تھوڑی دیر تک اوّل تو بہت ذوق و شوق سے ناچتا اور گاتا رہا اور پھر یکایک اُس کے پہیوں کے نیچے جا گھُسا اور اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالا۔ فقط انتہےٰ! س۔ م۔ ح

ضمیمہ مترجم

۹۳ شاید یہہ لفظ دراصل چینڑا ہے۔ جسکو بنگالی چیچھڑا کہتے ہیں! کیونکہ ایشڑا کا نام ہندوستان کے نقشوں میں کلکتہ کے نزدیک کہیں نہیں ملتا۔ اور وہ باغ شاید بارک پور المعروف اچانک سے مُراد ہے۔ س۔ م۔ ح

ضمیمہ مترجم

۹۴ اصل کتاب میں لفظ کنٹری ہوس ہے۔ شہروں کے رہنے والے ذی مقدور یوروپین لوگوں میں رسم ہے کہ ایسے مکان مع باغ بیرونجات میں اس مدعا سے بنا رکھتے ہیں کہ جب کبھی شہر میں رہتے رہتے طبیعت دق ہو جاتی ہے۔ تو تفریح خاطر اور تبدیل آب و ہوا کے لیئے وہاں جا رہتے ہیں۔ س۔ م۔ ح

ایشڑا (اِ ے ش ڑ ا)

وارن ہیسٹنگس (وارن ہ ے س ٹ ن گ س) Warren Hastings

ستی کا بیان

ستی کی رسم اور اُسکے باب میں حکام مغلیہ کی پالسی کا بیان*

ہندوستان کی عورتوں کے ستی ہونے کی نسبت جو روایتیں فرنگستان میں مشہور ہیں اگرچہ پہلے بھی اُنکی تصدیق بہت سے سیّاحوں اور مسافروں کے بیانات سے ہو چکی ہے مگر اُمید ہے کہ میرے ہموطن اِس پُر اندوہ کیفیّت کو سُنکر اَب تو شبہ کرنا بالکل چھوڑ دینگے۔

* ستی کی رسم ہندوستان میں بہت عرصہ سے تھی اور چونکہ منوسمرتی میں باوجودیکہ بیوہ عورتوں کے وفادارانہ چلن وغیرہ کا ذکر آیا ہے ستی کی نسبت کچھ اشارہ پایا نہیں جاتا اِس لیئے انگریز مورخ یہہ راے قائم کرتے ہیں کہ یہہ رسم منوجی کے زمانہ سے پیچھے جاری ہوئی تھی اور چونکہ یجُربید کی تالیف و ترتیب کا زمانہ سن چودہ سو قبل مسیح اُنہوں نے ثابت کیا ہے اسلیئے منوسمرتی کا تقریباً نوسو برس قبل سن مسیحی مرتب ہونا قرار دیتے ہیں۔ بہر حال دو ہزار برس سے زیادہ عرصہ سے ہندوؤں میں اس رسم کا ہونا یقینی معلوم ہوتا ہے۔ مسلمان بادشاہوں نے اِسکے امتناع کی نسبت کچھ توجہ نہیں کی اور ایک بے پروائی سے کبھی کبھی اِسکی مزاحمت کی! لیکن انگریزوں کو جب خدا نے اس مُلک کی حکومت عنایت کی تو پولیٹکل خیالات سے مدّت تک اِن کا حال بھی مسلمان بادشاہوں ہی کا سا رہا یعنی یہہ کہ بیوہ صرف اپنی مرضی سے ستی ہو یا اُس حالت میں ستی ہو جبکہ اُسکے رشتہ داروں کی خوشی ہو یا گرُو کا حکم ہو غرض زبردستی نہ جلائی جاے! ایک دفعہ لارڈ ویلزلی کے عہد میں اِس کے امتناع کے لیئے تحریک ہوئی تھی مگر اسوقت وہ ولایت کو جانیوالے

یجُربید (ی جُ رب ے د) لارڈ ویلزلی (لَ ا رْ ڈ وے لْ زْ لی) Wollesley

جو بیانات ستی کی بابت لکھے گئے ہیں اُن میں بلاشک مبالغہ کیا کیا گیا ہے اور آجکل پہلے کی نسبت ستی کی تعداد کم ہوگئی ہے کیونکہ مسلمان جو اس ملک کے فرماں روا ہیں اس وحشیانہ رسم کے نیست و نابود کرنے میں حتی المقدور کوشش کرتے ہیں - اور اگرچہ اسکے امتناع کے واسطے کوئی قانون مقرر کیا ہوا نہیں ہے - کیونکہ اُنکی پالسی (تدبیر مملکت) کا یہہ ایک جزو ہے کہ ہندوؤں کی خصوصیات میں جنکی تعداد مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہے دست اندازی کرنا مناسب نہیں سمجھتے بلکہ اُنکی مذہبی رسوم کے بجالانے میں اُنکو آزادی دیتے

ستی – تھے جاتے جاتے کیا کر سکتے تھے - مگر پھر بھی چلتے چلتے وہ اتنا لکھ گئے کہ اِس رسم کا موقوف ہونا مناسب ہی - دسئویں اپریل سن اٹھارہ سو دس (سنہ ۱۸۱۰) عیسوی کو محکمہ صدر نظامت بنگالہ نے اپنا ایک سرکلر اس مضمون سے جاری کیا کہ بغیر اطلاع مجسٹریٹ یا افسر پولیس کے کوئی بیوہ ستی ہونے نپائے اور یہہ عہدہ دار اِن اُمور کی تحقیق کیا کریں کہ بیوہ خود اپنی مرضی سے ستی ہوتی ہے اور کوئی اُسپر زور و ظلم تو نہیں کرتا ؟ کسی نے اُسے نشہ پلاکر تو یہہ ستت نہیں چڑھا دیا ؟ یا کسی اَور طرح سے بیہوش و حواس تو نہیں کردیا ؟ اُسکی عمر سولہ برس سے کم یا وہ حاملہ تو نہیں ؟

یہہ سرکلر اگرچہ ممانعت کے لیئے تھا مگر غور کرو تو حقیقت میں ایک طرح کی اجازت تھی !!! گورنمنٹ بمبئی نے ایک عجیب و غریب حکم یہہ جاری کیا کہ چتا کو ایک انگریز عہدہ دار بنایا کرے جس سے یہہ غرض تھی کہ بیوہ اگر آگ کے شعلوں سے ڈر کر نکل بھاگنا چاہے تو بھاگ سکے ! سن اٹھارہ سو بیس (سنہ ۱۸۲۰) عیسوی میں اِس معاملہ میں ہندوستان اور انگلستان میں بڑے زور شور سے مباحثہ شروع ہوا مگر کسی کو یہہ حوصلہ نہوا کہ اسکے امتناع کا قطعی حکم دیوے - بلکہ بعض کی تو یہہ رائے ہوئی کہ اِس کا روکنا گورنمنٹ کے اس بڑے

چتا (چ ت ا) ستت (س ت)

ہیں لیکن تاہم ستی کی رسم کو بعض ایچ پیچ کے طریقوں سے روکتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ کوئی عورت بغیر اجازت اپنے صوبہ کے حاکم کے ستی نہیں ہوسکتی اور صوبہ دار ہرگز اجازت نہیں دیتا جب تک کہ قطعی طور پر اس امر کا یقین نہیں ہوجاتا کہ وہ اپنے ارادہ سے ہرگز باز نہ آئیگی۔ صوبہ دار بیوہ کو بحث مباحثہ سے سمجھاتا ہے اور بہت سے وعدے وعید کرتا ہے اور اگر اُسکی فہمایش اور تدبیریں کارگر نہیں ہوتیں تو کبھی ایسا بھی کرتا ہے کہ اپنی محلسرا میں بھیجدیتا ہے تاکہ بیگمات بھی اُسکو اپنے طور پر سمجھائیں۔

[illegible] اُصول کے مخالف ہو کہ سرکار رعایا کے مذہب اور رسم و رواج میں بشرطیکہ وہ انسانیت اور عقل اور انصاف کے خلاف نہوں کبھی مزاحم نہ ہوگی۔ چنانچہ تمام موافق و مخالف رائیں جمع کرکے صاحبان کورٹ آف ڈائرکٹرز نے سن اٹھارہ سو تئیس (۱۸۲۳) عیسوی میں گورنمنٹ ہند کے پاس بھیجیں اور کہا کہ ہمکو کمال خوشی ہوگی اگر یہہ رسم بغیر کسی فتنہ و فساد پیدا ہونے کے موقوف ہوجائے ! اسپر لارڈ ایمہرسٹ* نے پھر تمام دانشمند عہدہ داروں سے مشورہ لیا مگر یہی بات قرار پائی کہ اس کا انسداد تو ضرور چاہئیے۔ لیکن بتدریج ہندوؤں کے اخلاق اور تہذیب اور عقل میں ترقی پیدا کرکے ! اور یہہ جواب ولایت کو بھیجا گیا کہ بالفعل یہہ رسم قطعی موقوف نہیں ہوسکتی مگر بتدریج اشاعت اور ترقی تعلیم سے خود موقوف ہوجائیگی ! سن اٹھارہ سو ستائیس (۱۸۲۷) عیسوی میں پھر گورنر جنرل کے پاس ولایت سے لکھا آیا کہ کسی طرح یہہ رسم شایستگی کے ساتھ بہت جلد موقوف بھی ہوسکتی ہے ؟ اس پر لارڈ ولیم بنٹنک† نے جو ابھی گورنر جنرل ہوکر آئے تھے پھر جنگی اور ملکی عہدہ داروں سے مشورہ لیا اور ہمت کرکے آخر کار چودھویں دسمبر سن اٹھارہ سو انتیس (۱۸۲۹) عیسوی

---

* ایمہرسٹ (اے م ہ ر س ٹ) Amherst

† ولیم بنٹنک (و ل ے م ب ے ن ٹ ن ک) Lord William Bentinck

مگر باوجود ان سب اُمور کے ستی کی تعداد اب بھی بہت ہے خصوصًا اُن راجاؤں کے علاقوں اور عملداریوں میں جہاں کوئی مسلمان صوبہ دار متعین نہیں ہے - لیکن ہر ایک عورت کے واقعات کے بیان سے جنکو مینے بچشم خود ستی ہوتے دیکھا ہے میں آپکی تضیع اوقات اور سامعہ خراشی نکرونگا - بلکہ منجملہ اُن کے صرف دو تین صدموں ہی کا بیان کرونگا - اور ان میں بھی مفصل حالات صرف ایک ہی عورت کے لکھوں گا جسکو ستی ہونے کے مستقل اور خوفناک ارادہ سے روکنے کے واسطے میں بھیجا گیا تھا -

ایک عورت کا ذکر جسکو مصنف نے سمجھا بوجھا کر ستی ہونے سے روکا -

بندی داس نامے میرا ایک دوست تھا جو دانشمند خاں کا میر منشی تھا وہ تپ دق کی بیماری سے جسکا معالجہ مینے دو برس سے کچھ زیادہ عرصہ تک کیا تھا مر گیا - اور اُسیوقت اُسکی زوجہ نے اپنے شوہر کی لاش کے ساتھ ستی ہونے کا ارادہ کرلیا - اسکے رشتہ دار میرے آقا

بقیہ حاشیہ: کو ایکٹ نمبر سترہ جاری کرہی دیا جسکی رو سے یہہ دردناک رسم ہمیشہ کیواسطے ہندوستان سے دفع ہوگئی - اور اگرچہ کلکتہ کے دولتمند بابوؤں نے بہت غل مچایا اور اخباروں کے صفحہ کے صفحہ کالے کرڈالے مگر اِس باہمت شخص نے ایک نسنی اور خاص شاہی کونسل کی خدمت میں جو اپیل دایر کیا گیا تھا اور جسپر فرقہ برہم سماج کے مشہور بانی راجہ رام موہن رائے کے بھی دستخط تھے سن اٹھارہ سو بتیس (۱۸۳۲ء) عیسوی میں ولایت سے خارج ہوگیا - اور اِس رسم کی موقوفی کی نیکنامی جو خدا نے سلطنت انگریزی کی قسمت میں لکھی تھی وہ اُسکو ہمیشہ کے لئے حاصل ہوگئی - (ماخوذ از تاریخ ہند مولفہ الفنسٹن صاحب - و پروفیسر محمد ذکاء اللہ صاحب) س م ح

کے نوکر تھے اور اُن کو یہہ حکم دیا گیا تھا کہ اس کو اِس دیوانگی کی حرکت سے باز رکھیں چنانچہ اُنہوں نے اُسے سمجھایا کہ اگرچہ تمہارا یہہ قصد پسندیدہ اور باعث عزت اور خوشنودی خاندان اور سراسر لایق تحسین اور ہمت کا کام ہے لیکن تمکو یہہ خیال کرنا چاہیئے کہ تمہارے بچے کم عمر ہیں اور اُنکو چھوڑنا نہایت بیرحمی ہے۔ اور تمکو اپنے فرزندوں کی بہبودی کا فکر اُس محبت سے جو تُم اپنے متوفی شوہر کی نسبت رکھتی ہو بہت زیادہ ہونا چاہیئے۔ اس بیوقوف اور دیوانی عورت نے جب ان کی فہمایش کو کسی طرح نہ مانا تو اُنہوں نے مجھسے درخواست کی کہ آپ چلکر سمجھائیں۔ چونکہ ہمارے آقا کی بھی یہی مرضی تھی اور اس خاندان سے میری دیر سے دوستی تھی اسلیئے میں اُسکے پاس گیا جب مکان میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سات آٹھ بدصورت بڑھیا عورتیں اور چار پانچ مُسن اور ضعیف العقل برہمن لاش کے اِردگرد جمع ہیں اور یہہ سب عورتیں باری باری بڑے شور و فغاں اور آہ و زاری سے روتی اور بڑے زور سے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیٹتی ہیں یہہ عورت لاش کے پائینتی بیٹھی تھی اور بال کُھلے ہوی تھی اور چہرہ زرد ہو رہا تھا مگر آنکھوں میں آنسو نہ تھا۔ لیکن جب حاضرین مجلس کی طرح وہ بھی بہت زور سے چلا کر رونے لگی تو آنکھیں لال انگارا ہو گئیں۔ اور باتفاق اُس خوفناک گروہ کے اپنی باری پر وہ بھی پیٹتی رہی جب یہہ رونا پیٹنا فرد ہوا تو میں اُس کم بخت گروہ کے قریب گیا اور آہستگی اور نرمی کے ساتھ اُس بیوہ سے کہا کہ میں دانشمند خاں کے حکم سے تمہیں اطلاع دینے آیا ہوں کہ نواب تمہارے دونوں بیٹوں کیواسطے

دو دو کروڑن یعنی پانچ پانچ روپیے ماہواری کا وظیفہ جاری رکھیگا بشرطیکہ
تم اپنی جان تلف نہ کرو - کیونکہ تمہارا جیتا رہنا تمہارے بچّوں کی خبرگیری اور
تربیت کے واسطے ازبس ضرور ہے اور تمکو خوب معلوم رہے کہ ہم بہت
طرح سے تمہارا چتا پر بیٹھنا اور ستی ہونا روک سکتے ہیں اور اُن لوگوں کو جو
تُمہیں اس نامعقول بات کی جُرات دلاتے ہیں سزا دیسکتے ہیں - تمہارے
سب عزیز و اقارب تمہاری اولاد کی زندگی کی خاطر تُمہارا زندہ رہنا چاہتے
ہیں - اور اس حالت میں تُم پر کم ہمتی کا الزام اور وہ بدنامی بھی عاید ہوگی
جو ایک ایسی عورت کی نسبت عاید ہوسکتی ہے جو باوجود اولاد نہ ہونے کے
اپنے مالک کے ساتھ ستی ہونے کی جرأت نہ کرے اور مینے کئی بار اس تقریر
کو دوہرایا لیکن اُسنے مطلق جواب ندیا آخرکار بڑے استقلال سے آنکھ ملاکر!
یوں بولی کہ "خیر اگر میں ستی ہونے نہ پاؤنگی تو دیوار سے سر پھوڑ کر
مرجاؤنگی" یہہ سُنکر مینے اپنے دل میں ذرا سوچا اور پھر نہایت غصّہ سے
پُکار کر کہا کہ کیا تیرے سر پر کوئی بھوت چڑھا ہے ! بہت اچھّا ستی ہوجا
لیکن اے بدبخت بیرحم پہلے اپنے بچّوں کے گلے کاٹ کر اُن کو اِسی چتا
پر جلادے کیونکہ ہمکو یہہ ہرگز گوارا نہیں ہے کہ تو تو ستی ہوکر اس دُنیا سے
چل دے اور اُن کو بھوکا مرنے کو پیچھے چھوڑ جائے اور میں ابھی دانشمند خاں
کے پاس جاتا ہوں اور تیرے لڑکوں کا وظیفہ منسوخ کراتا ہوں - میرے
اس مستقل طور پر بلند آواز سے کہنے کا یہہ اثر ہوا کہ وہ چُپ ہوگئی اور فوراً سر
جُھکا کر گھٹنوں پر رکھ لیا پھر تو وہ بُڑھیا عورتیں اور برہمن بھی دروازے

کی طرف کھسک گئے اور یہہ دیکھکر مجھے مناسب معلوم ہوا کہ اب اس کو اسکے رشتہ داروں کے سپرد کر کے جو میرے ساتھ آئے تھے وہاں سے چل دوں۔ چنانچہ میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے گھر کو چلا آیا۔ ! شام کیوقت جب کہ میں دانشمند خاں کے پاس اس حال کی اطلاع کرنیکو جاتا تھا راستہ میں اُسکا ایک رشتہ دار ملا اور بعد اداے شکر بولا کہ اُسکے شوہر کی لاش بغیر اُسکے جلائی گئی اور اُسنے اپنی جان نہیں گنوائی۔

مصنف کا ایک بی بی اور اُسکی پانچ لونڈیوں کو اکٹھے ستی ہوتے دیکھنا۔

اب اُن عورتوں کا حال سُنیئے جو فی الواقع جل مرتی ہیں۔ میںنے یہہ اندوہناک واقعے اتنی مرتبہ دیکھے ہیں کہ آیندہ ستی کے کسی اَور واقعہ کے دیکھنے کا حوصلہ نہیں رہا۔ اور نہ اُسکا اعادہ عبرت اور نفرت سے خالی ہے۔ بہر حال جو کچھ میری آنکھوں کے سامنے گزرا ہے حتی الامکان اُسکا بیان کرتا ہوں* ! لیکن مجھکو یہہ توقع نہیں ہے کہ ان ستی ہونے

---

* مشہور و معروف سیاح شیخ ابو عبداللہ محمد ابن عبداللہ افریقی معروف با بن بطوطہ جو سن سات سو چونتیس (۷۳۴ھ) ہجری میں محمد شاہ تغلق کے زمانہ میں ہندوستان میں آیا تھا اپنے سیاحت نامہ میں جو عربی زبان میں ہے اور جسکی ایک نقل خوش قسمتی سے ہمارے کُتب خانہ میں بھی موجود ہے لکھتا ہے کہ جب کبھی ستی کا کوئی واقعہ سلطان ہند کی قلمرو میں ہوتا ہے تو اوّل سلطان سے اجازت حاصل کیجاتی ہے اور اُسکے بعد عورت ستی ہوتی ہے ! اور پھر ایک اپنی آنکھوں دیکھے واقعہ کا یوں ذکر کرتا ہے کہ "میں ملک سندھ ہی میں تھا کہ ایک شہر کے قریب (جس کا نام اُسنے امجری لکھا ہے) قزاقوں نے جو نزدیک ہی کے رہنے والے تھے اور سلطان کی اطاعت نہیں مانتے تھے چند مسافروں کو لوٹ لیا اور حاکم شہر کے ہمراہیوں میں سے جو مسلمان تھا اُنکے

والی دیوانی عورتوں کی جرأت اور بیدھڑک جان کھونے کا بیان ٹھیک ٹھیک کرسکوں - جو جو کچھ اس پُر اندوہ اور خوفناک اور بد انجام رسم میں ہوتا ہے غالب ہے کہ بے دیکھے کوئی بھی اسکو سچ نہ جانیگا !

جب میں احمد آباد سے راجستان ہوکر آگرہ کو جاتا تھا اور ہمارا قافلہ دوپہر کاٹنے کو ایک قصبہ میں سایہ تلے ٹھرا ہوا تھا مینے سنا کہ ابھی ایک عورت اپنے شوہر کی لاش کے ساتھ ستی ہوا چاہتی ہے ! پس میں فوراً دوڑا ہوا وہاں گیا اور دیکھا کہ ایک بڑے تالاب میں جو بجز تھوڑی جگہہ کے زیادہ تر خشک پڑا تھا ایک بڑا گڑھا لکڑیوں سے بھرا ہوا ہے اور اسپر مُردے کی لاش رکھی ہوئی ہے اور اُسی پر ایک عورت بیٹھی ہے اور چار پانچ برہمن اسکو ہر طرف سے آگ لگا رہے ہیں

لڑنے کو نکلا تھا چند ہندو آدمی مارے گئے تو اُن میں سے تین کی عورتوں نے ستی ہونے کا ارادہ کیا - جو ہندوؤں کے نزدیک اگرچہ فرض نہیں مگر ثواب کا کام ہے اور جو عورت ستی ہو جاتی ہے وفادار اور اپنے خاندان کے لیئے باعث عزت سمجھی جاتی ہے - اور جو ستی نہیں ہوتی وہ موٹے جھوٹے کپڑے پہنتی اور بیوفائی کی وجہ سے کنبہ والوں کے نزدیک بدنصیب اور ذلیل خیال کیجاتی ہے اگرچہ ستی ہونے پر مجبور نہیں کی جاتی - چنانچہ جب اُنھوں نے اپنا ستی ہونا ٹھان لیا تو تین دن تک گانے بجانے اور خوشیاں منانے میں مصروف رہیں گویا دُنیا سے رخصت ہوتی ہیں اور اِدھر اُدھر کی عورتیں انکی ملاقات کو آتی رہیں - چوتھے روز کی صبح کو خوب بناؤ سنگار کرکر اور عطر وغیرہ لگاکر گھوڑوں پر سوار ہوئیں اور داہنے ہاتھ میں ایک ایک ناریل اور بائیں میں ایک ایک آئینہ لیا جنکو اُچھالتی اور اُن میں اپنا مونہہ دیکھتی جاتی تھیں اور ہندو آدمی اُن سے کہتے جاتے تھے کہ ہمارے باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کو ہمارا سلام کہدینا ! جسکے جواب میں وہ مسکرا کر کہتی تھیں کہ اچھا ! میں اپنے ساتھیوں سمیت اُن کے ستی ہونے کی کیفیت دیکھنے کو

اور پانچ ادھیڑ عورتیں کسیقدر اچھی پوشاکیں پہنے ایک دوسری کا ہاتھ پکڑے چتا کے گرداگرد ناچتی گاتی ہیں اور بہت سے زن و مرد یہہ تماشا دیکھ رہے ہیں۔ چتا جسپر بہت ساگھی اور تیل ڈالا گیا تھا جلد بھڑک اٹھی اور عورت کے کپڑوں کو جن پر عطر اور زعفران وغیرہ چھڑکا ہوا تھا آگ لگ گئی مگر مینے کوئی علامت دکھ درد یا گھبراہٹ کی اسمیں نہ دیکھی اور کہتے ہیں کہ اُسنے بڑے یقینی طور پر پانچ اور دو کا لفظ کہا جسکا یہہ مطلب تھا کہ یہہ پانچویں دفعہ ہے کہ میں اپنے اسی خاوند کے ساتھ ستی ہوئی ہوں۔ اور اب صرف دو دفعہ اور ستی ہونا باقی ہے۔ پھر میں تناسخ (اواگون) کے مسئلہ کے موافق "مکتی" کو پہنچ جاؤنگی یعنی پیدا ہونے اور مرنے سے چھوٹ جاؤنگی اور یہہ لفظ اُسنے اسطرح سے کہے کہ گویا اُسکے اس اخیر وقت

یا اور کوئی تین میل چلکر ہم ایک ایسی جگہہ پہنچے جہاں بہت سا پانی اور گھنے سایہ کے درخت تھے اور اُن میں چار مٹ بنے ہوئے تھے جنمیں پتھر کی ایک ایک مورت تھی اور ان مٹھوں کے بیچوں بیچ ایک بڑا اور پختہ تالاب تھا۔ جسپر درختوں نے ایسا گھن کا سایہ کیا ہوا تھا کہ دھوپ نہیں پڑسکتی تھی یہہ عورتیں جب اِن مٹوں کے قریب پہنچیں تو تالاب کے پاس جاکر اُتر پڑیں اور کپڑے اور گہنا پاتا اُتار کر خیرات کر دیا اور پانی میں غوطہ لگا کر ایک بن سلا موٹا سوتی کپڑا سر سے پانو تک اوڑھ لیا۔ تالاب کے قریب ہی ایک نشیب زمین میں بہت سی آگ جلائی جارہی تھی جسپر بھڑکانے کے لیے تلوں کا تیل ڈالا جارہا تھا اور کوئی پندرہ آدمی ایک ایندھن کے گٹھے ہاتھوں میں لیئے کھڑے تھے اور قریباً دس آدمیوں کے پاس بڑی بڑی سی لکڑیاں تھیں۔ اور ڈھول اور سنکھ بجانے والے لوگ اِن عورتوں کے منتظر کھڑے تھے۔ اور اس خیال سے کہ کہیں دیکھ کر ڈر نجائیں لوگوں نے آگ کے سامنے قنات سے پردہ کر رکھا تھا جسکو ہاتھوں سے تھامے ہوئے تھے۔ القصہ اُن میں سے ایک عورت کو مینے دیکھا کہ جب قنات کے پاس پہنچی تو اُسکو لوگوں کے ہاتھ سے جھٹک کر

میں کسی اوتار یا شیو کی روح نے اُس میں حلول کیا ہے - لیکن ابھی اس دوزخیانہ طور پر جان کھونے کی واردات کی ابتدا ہی تھی اور مینے یہہ سمجھ رکھا تھا کہ وہ پانچ گانے والی عورتیں بجز ایک امر رسمی کے کسی خاص مطلب کے لیئے نہ ہونگی - مگر جب مینے یہہ دیکھا کہ اُن میں سے بھی جب ایک عورت کے کپڑوں تک آگ پہنچ گئی تو اُسنے بھی اپنے تئیں سر کے بل اُس آتشیں گڑھے میں گرا دیا اور اسی طرح جب ایک دوسری کے کپڑے جلنے لگے اُسنے بھی اس وحشت ناک حرکت کی تقلید کی اور اسی طرح باری باری وہ تینوں عورتیں بھی جو ایک دوسری کا ہاتھ پکڑے کمال بیفکری اور آرام سے ناچ رہی تھیں میرے دیکھتے ہی دیکھتے آگ میں کود کر جل مریں - تب تو مجھپر سخت حیرت طاری ہوئی مگر اب مجھکو ایک شخص کے ساتھ کئی عورتوں کے ستی ہونے کا مطلب بھی جلد معلوم ہوگیا یعنی کہ یہہ پانچوں عورتیں لونڈیاں تھیں اور جب اُن کی بی بی کا مالک مرض الموت میں مبتلا تھا اُنہوں نے اِس

کھینچ لیا اور ہنسکر بولی کر" مارا میترسانی از آتیش (ز آتش) من مے دانم کہ او آتیش ست رہا کنی مارا" جسکے یہہ معنی ہیں کہ کیا تم مجھکو آگ سے ڈراتے ہو میں جانتی ہوں کہ یہہ جلا ڈالنے والی آگ ہے - پھر اُسنے آگ کو سلام کرنیکی خاطر اپنے دونوں ہاتھ سر پر جوڑے اور اُس میں کود پڑی اور معاً نقارے اور سنکھ اور نفیریاں بجنے لگیں - جن لوگوں کے ہاتھ میں ایندھن تھا وہ اُنہوں نے اُسپر ڈال دیا - پھر اَور لوگوں نے لکڑیاں ڈال دیں تا کہ ہل نہ سکے اور بڑا شور و غل ہوا - اور یہہ سانحہ دیکھکر میری ایسی حالت ہوئی کہ اگر میرے ساتھی مجھکو نہ سنبھالتے اور پانی سے میرا مونہہ نہ دھوتے تو قریب تھا کہ میں اپنے گھوڑے سے گر پڑتا - س - م - ح

بی بی کی جانب سے اپنے شوہر کی نسبت کمال محبت دیکھی تھی جس نے
اُس سے یہہ وعدہ کیا تھا کہ تمہارے بعد میں بھی زندہ نہ رہونگی۔ پس یہہ
لونڈیاں بھی جوشِ اُلفت سے اسقدر مغلوب ہوئیں کہ اُنھوں نے بھی اپنا
مرنا ٹھان لیا اور اُسی آگ میں جل مریں جسمیں اُنکی پیاری بی بی ستی ہوئی تھی

ستی ہونا محبت کے سبب سے نہیں بلکہ ایک خاص طور کی تعلیم و تلقین کا نتیجہ ہے۔

بہت سے لوگ جن سے مینے اُسوقت ستی ہونے
کی نسبت گفتگو کی مجھکو اس بات پر یقین لانے
کی جانب مائل کرتے رہے کہ ہندوستان کی
عورتوں کے ستی ہونے کا سبب اپنے خاوندوں کے ساتھ شدّت
محبّت ہے۔ لیکن مجھے جلد معلُوم ہوگیا کہ اِس مکروہ رسم کا باعث صرف
ایک قسم کے تعصّب اور توہّم کا اثر ہے۔ جو لڑکپن ہی سے لڑکیوں کے
دلوں میں جمایا جاتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ ایک عمیق جڑ پکڑ گیا ہے۔ کیونکہ ہر ایک
لڑکی کو اُسکی ماں یہہ تعلیم کرتی رہتی ہے کہ عورت کی پارسائی اور تعریف اِسی
میں ہے کہ اپنے پتی کے ساتھ ستی ہو جائے۔ اور پتی برتا عورتوں
کا یہہ ہی طریق ہے کہ اِس مقررہ رسم سے ہرگز مونہہ نہ موڑیں۔ علاوہ
بریں مرد بھی عورتوں کو یہی عقیدے ہمیشہ تعلیم کرتے رہتے ہیں تاکہ عورتوں
کی توجہ اپنے مالکوں کی اطاعت اور تیمارداری میں مشغول رہنے کیواسطے
باآسانی حاصل ہو۔ اور اس طرح پر عورتوں کی طرف سے مالکوں کو زہر وغیرہ
دیدینے کا ڈر بھی نہیں رہتا۔

اب میں ایک نہایت عجیب اور زیادہ تر ہولناک

بدکاری کی وجہ سے ایک عورت کا اوّل اپنے خاوند کو ہلاک کرنا اور پھر ایک عجیب طور سے ستی ہونا۔

واقعہ کا بیان کرتا ہوں - اگرچہ واقعی یہہ حادثہ میرا چشم دیدہ نہیں ہے - مگراس نظر سے انتخاب کیا گیا ہے کہ جسقدر ستی کے واقعات مینے دیکھے ہیں یہہ واقعہ بلحاظ اپنی خصوصیات کے اُن سب سے کہیں بڑھکر ہے - اگرچہ ایسے بہت سے معاملات ہیں کہ باوجودیکہ مینے خود دیکھے ہیں مگر میں اُنپر اعتماد او یقین نہیں کرتا - لیکن آپکو یاد رکھنا چاہئیے کہ اِس حکایت کو صرف اسوجہ سے نامعتبر تصوّر کرلیں کہ اُسمین ایک خاص طور کا انوکھاپن ہے - ہندوستان میں یہہ قصہ ہزاروں آدمیوں کی زبان پر ہے اور عموماً صحیح خیال کیا جاتا ہے - اور شاید کہ ابتک فرنگستان میں بھی پہنچ گیا ہو - چنانچہ وہ قصہ یہہ ہے کہ ایک عورت کچھ مدّت سے ایک نوجوان مسلمان درزی کے ساتھ جو اُسکا ہمسایہ تھا اور طنبورہ بجایا کرتا تھا ناجائز لگاؤ رکھتی تھی - اُسنے اپنے شوہر کو زہر دیدیا اور اُس سے جاکر کہا کہ اب اپنے وعدہ کے موافق مجھ سے نکاح کرلو اور جھٹ پٹ کہیں کو نکل چلو - کیونکہ اگر ذرا بھی دیر ہوگی تو مجھے بسبب دنیا کی لاج کے مجبوراً اپنے خصم کے ساتھ ستی ہونا پڑیگا - مگر جب اُس جوان نے اِس امر کو مشکل اور خطرناک سمجھکر انکار کردیا تو یہہ عورت بغیر کسی طرح کے اضطراب اور تردد کے فوراً اپنے خویش واقارب کے پاس گئی اور اُن سے کہا کہ میرا خاوند ناگہانی موت سے مرگیا ہے اور میرا مصمم ارادہ ستی ہونیکا ہے - وہ لوگ اُسکی اس پرہمت ارادہ سے جو باعث افتخار خاندان تھا بہت خوش ہوئے - اور چتا تیار کرکے لاش کو

اُسپر رکھدیا اور آگ لگادی - جب سب تیاری ہو چکی تو وہ چتا کے گرد اِس غرض سے پھرنے لگی کہ گلے مل مل کر اپنے خویش و اقربا اور ہمسایوں وغیرہ سے رخصت ہو - اتفاقاً اُن لوگوں میں وہ مسلمان طنبورہ نواز بھی کھڑا تھا جو اُور سازندوں کے ساتھ جو مُلک کی رسم کے موافق ستی کے سامنے باجے بجاتے ہیں بُلایا ہوا آیا تھا - بس جونہیں یہہ عورت اُسکے قریب پہنچی تو غصہ سے آگ بھبوکا ہوکر آخری رخصت کے بہانہ سے اُسکا گریبان اِس شدّت اور زور سے پکڑا کہ کسی طرح چھوڑا نہ سکا اور کھینچکر اپنے ساتھ چتا میں لے گری اور اسطرح پر اِس جھوٹے عاشق سے اپنا بدلہ لیلیا *

مصنف کا شہر سورت میں ایک عورت کو عجیب استقلال سے ستی ہوتے دیکھنا

سورت سے ایران کو آتے ہوئے مینے ایک اُور بیوہ کے ستی ہونے کی کیفیت دیکھی اُسوقت کئی اہل فرنگ بھی یعنی انگریز اور ڈچ اور شہر پیرس کے رہنے والے - چارڈن صاحب بھی موجود تھے ! یہہ عورت عمر کی ادھیڑ اور اچھی خاصی صورت دار تھی - مگر میری زبان میں یہہ طاقت کہاں جو اُسکی وہ حیوانوں کی سی جرأت اور دلیری اور وہ وحشیانہ چاؤ جو اُسوقت اُس کے چہرہ سے عیاں تھا اور اُس کا وہ بیدھڑک چتا کی طرف آنا اور بڑے استقلال اور دلجمعی کے

---

* مندرجہ ذیل ضرب المثل سے بھی جو عورتوں کی ہجو کے موقع پر استعمال کیجاتی ہے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ بعض عورتیں اس طرح بھی ضرور ستی ہوتی تھیں " تریا جلنتر جانے نکو سے - خصم مار کے ستی ہو " - سوام

Mr. Chardin چارڈن - مسٹر چارڈن

ساتھ لوگوں سے بات چیت کرنا اور اپنے تئیں اشنان کرانے کی اجازت دینا اور بڑے اطمینان اور نہایت بے پروائی سے ہماری طرف دیکھنا اور ہر قسم کے رنج و فکر سے آزاد اور آرام کی حالت میں ہونا اور اُسکا وہ بلند ہمّتی کا طور و طریق اور بغیر کسی قسم کی گھبراہٹ اور پریشانی کے اپنی "گپھا" کو جو گھانس پھونس اور پتلی پتلی لکڑیوں کو اُوپر نیچے چُننکر چتا پر بنالی گئی تھی دیکھ بھال کرنا اور پھر شوہر کا سر گود میں لیکر اُس میں بیٹھنا اور ایک مشعل لیکر خود اپنے ہاتھ سے اُس میں اندر کی طرف سے آگ لگانا - اور پھر نہ معلوم کتنے برہمنوں کا باہر کی طرف سے اُسکو جلانا ٹھیک ٹھیک بیان کرسکوں - !!!

حقیقت یہہ ہے کہ نہ تو اپنے بیان سے اس دردناک واقعہ کی کیفیتوں کا کامل نقشہ ہی آپ کے سامنے کھینچ سکتا ہوں اور نہ اُس حالت ہی کا کچھ بیان کرسکتا ہوں - جو اس حادثہ کو دیکھتے وقت میرے دل پر گزری ! اور یہہ ہیبت ناک واقعہ ابتک مجھے ایسا یاد ہے کہ گویا میری آنکھوں کے آگے ہے ! اور شدّت اندوہ سے اگرچہ چاہتا ہوں کہ خواب و خیال کیطرح اُسکو بھُلادوں مگر ہرگز نہیں بھولتا - !

ستی کے چند واقعات کا بیان - جن میں عورتوں کو جبراً جلایا گیا

مینے چند ایسی بدنصیب بیواؤں کی مصیبت بھی دیکھی ہے جو چتا کی شکل دیکھتے ہی بھاگنے لگی تھیں - اور اس حالت کو دیکھکر میرے دلکو بالکل یقین تھا کہ اگر یہہ بے درد برہمن ستی ہونے سے انکار کردینے کی اجازت دیں تو وہ بخوشی تمام اس سے رُک جائیں مگر یہہ کم بخت اِن خوف زدہ اور اجل گرفتہ عورتوں کو ستی ہوجانے کی

خاطر صرف ترغیبیں اور ڈھاوے ہی نہیں دیتے بلکہ اُنکو زبردستی آگ میں ڈال دیتے ہیں۔ چنانچہ میرے سامنے ایک غریب جوان عورت اسی طرح زبردستی آگ میں ڈال دی گئی تھی! اسی طرح مینے ایک اور بیچاری بدنصیب عورت کو دیکھا کہ اُسکے اِرد گِرد جب آگ بھڑکنے لگی تو اُسنے نکل بھاگنا چاہا۔ مگر اِن دیو سیرت جلّادوں کے لمبے لمبے بانسوں کے مارے نکل نہ سکی۔

جو عورتیں چِتا میں سے بھاگ نکلتی ہیں وہ پھر ہندوؤں میں شامل نہیں ہو سکتیں۔ اور خاکروبوں کے ساتھ رہکر زندگی بسر کرتی ہیں

لیکن یہہ عورتیں ان خونی برہمنوں کی آنکھ سے کبھی بچکر نکل بھی جاتی ہیں چنانچہ میری ایک حسین عورت کے پاس اکثر آمد و رفت رہتی تھی جسنے خاکروبوں کی مدد سے اپنی جان بچائی تھی۔ یہہ لوگ جب سُنتے ہیں کہ ستی ہونے والی جوان اور حسین عورت ہے اور اُسکے گھر والے چنداں نامی اور ذی مقدور نہیں ہیں اور صرف گنتی کے آدمی اڑوسی پڑوسی اُسکے ساتھ ہونگے تو وہاں بکثرت جمع ہو جاتے ہیں۔ لیکن جو عورت مرگ کا یہہ سامان دیکھکر اس طرح پر ہمّت ہار دیتی ہے۔ اور اِن لوگوں کی مدد سے اس بن آئی موت سے بچ نکلتی ہے تو یہہ اُمید وہ ہرگز نہیں کر سکتی کہ اپنی زندگی کے باقی دن فارغ البالی سے کاٹے گی یا ہندو لوگ اُسکے ساتھ عزت اور محبت سے برتاؤ کرینگے۔ بلکہ وہ پھر کبھی اُن میں نہیں مل سکتی اور کوئی ہندو کسی وقت اور کسی حالت میں بھی اُس عورت سے جس نے اپنے تئیں اِسطرح بے عزّت کر ڈالا ہو ہرگز میل جول نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ پرلے سرے کی بدنام اور مطعون ہو جاتی ہے۔ اور عموماً یہہ خیال کیا جاتا ہے کہ اُسکی اِس

حرکت نے ہندو دھرم کو کلنک لگایا- اسلئے وہ ہمیشہ انہیں اپنے ذلیل اور کمینے نئے محافظوں کی بدسلوکیاں سہتی اور زندگی کے دن پورے کرتی ہیں-

جو عورت ستی ہونا نہ چاہے مغل اسکو پناہ نہیں دیتے مگر پرتگیز پناہ دیتے ہیں

جب کوئی ستی چتا پر جا پہنچے تو کسی مغل کو یہہ جرأت نہیں ہوتی کہ اُسکی جان بچائے- یا کہ جب وہ برہمنوں کے پنجے میں سے بھاگ نکلی ہو اُسکو پناہ دینے کی جوکھوں اُٹھائے- کیونکہ ایسا کام کرتے ہوئے یہہ لوگ ڈرتے ہیں- البتہ پرتگیزوں نے بعض بندرگاہوں میں جہاں اُنکا زور زیادہ تھا بہت سی بیواؤں کو بچا لیا ہے-

مصنف کا ایک کم سن لڑکی کو زبردستی جلائی جاتے دیکھنا

میں کچھ بیان نہیں کرسکتا کہ اِن حرکات کو دیکھکر غصّہ کے مارے میری طبیعت کا کیا حال ہوتا تھا- اور میں کس جوش سے چاہتا تھا کہ کوئی قابو اِن کم بخت برہمنوں کے استیصال کا ہاتھ لگے ! چنانچہ لاہور میں مینے ایک نہایت خوبصورت کم سن بیوہ کو ستی ہوتے دیکھا- جسکی عمر بارہ ۱۲ برس سے زیادہ نہوگی- یہہ بدنصیب لڑکی جب چتا کے پاس آئی تو خوف کے مارے اُسپر مُردنی چھاگئی- اور میں بیان نہیں کرسکتا کہ وہ کس طرح کانپتی اور بلک بلک کر روتی تھی- لیکن تین برہمنوں اور ایک بڑھیا نے جس نے اُسے گود میں رکھا تھا زبردستی اُسے چتا پر بٹھا ہی دیا اور اُسکے ہاتھ پانوں باندھ دیئے تاکہ بھاگنے نہ پائے- اور اِس طرح پر اُس بیچاری معصوم کو جلا کر خاک کردیا-

اُسوقت کچھ نہ پوچھئے کہ غصہ کے مارے کیا حال تھا - اور میںنے کس طرح سے اپنے تیئں تھاما - لیکن چونکہ کچھ بس نتھا ناچار دل ہی دل میں کُڑھتا تھا کہ ہائے غضب یہہ لوگ کیسے قابل نفرت توہمات میں گرفتار ہیں اور میںنے شاعر کے یہہ اشعار جو اُسنے "(۱) ایگیمم نن † کی بیٹی (۲) ایفیجینیا کے باب میں کہے تھے - جس کو اُسکے باپ نے (۳) ڈائینا پر قربانی چڑھایا تھا - اِن کے حسب حال پائے -

خلاصہ معنی اشعار لیٹن

" ایسی چیزوں کے نیست و نابود کردینے میں بھی جو خوبصورت اور اچھی تھیں بعض اوقات مذہب نے بڑے بڑے بدکام کئے ہیں - چنانچہ بیچاری نوجوان اِفیانا سا (یعنی افیجینیا) کو کس بے دردی سے ڈائینا کی قربان گاہ پر قربانی کرنے کو بٹھایا گیا تھا - افسوس! یہہ مذہب انسان سے کیسے بدکام کرادیتا ہے "

† ڈاکٹر برنی آر کے اِس خط میں ڈائنا - ایگیمم نن اور افیجینیا کا ذکر چونکہ قصہ طلب باتیں ہیں - اسلیئے انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا اور کتاب جام جم وغیرہ سے انکا علیحدہ علیحدہ ذکر اسجگہ لکھدینا مناسب معلوم ہوا -

ڈائنا

ڈائنا قدیم زمانہ کے یونانیوں اور رومیوں کی ایک دیوی تھی جسکو وہ شکار وغیرہ کی دیوی کہتے تھے - اور اُسمیں مارڈالنے اور بچا لینے کی دونوں قدرتیں خیال کرتے تھے اور اِس مناسبت سے اُسکی صورت ایک ایسی سرو قد کنواری اور جوان عورت کی سی بناتے

(۱) اے گ ے م م ن ن — Agamemnon
(۲) اِ ف یِ ج نی ن ی آ — Iphigenia
(۳) ڈ اے ن ا — Diana

زندہ جلا دینے کے عوض کبھی زندہ زمین میں گاڑ دیتے ہیں

مینے ابھی پورا ذکر ان کی وحشت اور سنگدلی کا نہیں کیا - کیونکہ ہندوستان کے بعض حصّوں میں تو یہہ غضب ڈہاتے ہیں کہ بجائے ستی کر دینے کے عوض عورت کو اوّل رفتہ رفتہ گردن تک زمین میں گاڑ دیتے ہیں اور پھر دو تین برہمن یکایک آکر اُسکی مُنڈیا مڑوڑ ڈالتے ہیں - اور جب دم نکل جاتا ہے تو مٹّی کی ٹوکریاں ڈالکر پانوں سے دبا دیتے ہیں - *

[illegible]

تھے - جسکے سر کے بال گردن کے نیچے تک پڑے ہوئے ہوں اور داہنے ہاتھ میں ترکش میں سے تیر نکالتی اور بائیں ہاتھ سے بارہ سنگے کو جو بھاگنا چاہتا ہو سینگ سے پکڑے ہوئے اور پانوں تک ایک لمبی پوشاک پہنے ہوئے ہو - اور اس خیال سے کہ وہ چاند کی اوتار ہے اُسکے ماتھے کو ہلال کی صورت سے سجاتے تھے - ایشیاء کوچک کے لوگ بھی اسکو پوجتے تھے مگر (مثل ہندوستان کی دیبتو دیوی کے) یونانیوں کے عقیدہ کے برخلاف وہ اسکو صرف مخلوق کے پالنے والی خیال کرتے تھے - اور اسلئے اُسکی صورت ایک ایسی عورت کی سی بناتے تھے جسکی بہت سی چھاتیاں ہوں اور اُسکے پوجاری خوجے ہوتے تھے - اسکا مندر جو شہر ایفیسس واقع ایشیاء کوچک میں تھا لکھا ہے کہ دو سو بیس (۲۲۰) برس میں بن کر تیار ہوا تھا - اور اس مدّت میں ایکسو تیس بادشاہوں نے اُسکی تعمیر کے واسطے روپیہ دیا تھا - یہہ مندر چار سو پچیس (۴۲۵) فٹ لمبا اور دو سو پچیس (۲۲۵) فٹ چوڑا تھا اور سنگ مرمر کے ایکسو ستائیس (۱۲۷) ستونوں پر جو ساٹھ ساٹھ (۶۰) فٹ اونچے اور ڈیڑھ ڈیڑھ سو ٹن (ایک ٹن اٹھائیس من انگریزی کا ہوتا ہے) کے وزنی تھے بنایا گیا تھا - اور بیس (۲۰۰۰۰) ہزار آدمی اُس میں بفراغت بیٹھ سکتے تھے - تین سو چھپن (۳۵۶) برس قبل از سن عیسوی یعنی جس رات کو سکندر اعظم کی ولادت ہوئی اراس طرتوس نامے ایک شخص نے اس مجنونانہ خیال سے جلا ڈالا کہ اس حرکت سے اُسکا نام دنیا میں باقی رہیگا ! یہہ مندر اگرچہ دوبارہ

* دیکھو ایکٹ نمبر ۱۷ سنہ ۱۸۲۹ء سن اٹھارہ سو انتیس عیسوی مصدرہ گورنمنٹ ہند در باب امتناع رسم ستی

س م ح — ایفیسس (ا ے ف ی س س) Ephesus

اراس طرتوس - اِراس طرَتُوس

ہندو اپنے مُردوں سے کیا سلوک کرتے ہیں

داغ دیکر لاش کو دریا میں بہا دینے کی رسم کا ذکر۔

اکثر تو یہی دستور ہے کہ ہندو اپنے مُردوں کو جلاتے ہیں۔ مگر بعض ایسا بھی کرتے ہیں کہ دریا کے کنارے مُردے کے کسی عضو کو گھاس پھوس سے جُھلس کر ایک اُونچے اور سیدھے کنارہ سے پانی میں دھکیل دیتے ہیں۔ چنانچہ مینے اِس داغ دیکر بہا دینے کی رسم کو گنگا کے کنارے کئی مرتبہ دیکھا ہے۔ لاش کے

بھی بنایا گیا مگر ویسا نہ بنا اور پھر اسکو بھی گاتھ[1] قوم کے لوگوں نے (جو پُرانے زمانہ میں مُلک جرمنی کی ایک مشہور لڑاکا اور وحشی قوم تھی) ۲۵۶ء دوسو چھپن عیسوی میں جلا ڈالا اور اسکے بعد پھر کسی نے اسکو تعمیر نہیں کیا۔ شہر ایفیسس شہر ازمیر[2] سے جو ایشیائے کوچک میں بالفعل سلطنت ترکیہ عثمانیہ کا ایک حاکم نشین مقام ہے ستائیس میل جنوب کی طرف ہے اور ہمارے زمانہ میں اُسکا نام ایازلوک[3] مشہور ہے۔

اگےممنن اور افیجینیا

قدیم زمانہ میں بحیرہ شام کے کنارے ایشیائے کوچک میں ٹرائے[4] ایک نہایت عظیم الشان شہر تھا جسکے گرد نہایت مضبوط پچاس ہاتھ اونچی دیوار جسکا محیط چالیس میل تھا بنی ہوئی تھی۔ پوڈاکیز[5] ملقب بہ پرائم[6] جب یہاں کا راجہ ہوا تو اُسنے اپنے دشمن یونانیو کے پاس اپنے بیٹے پیرس[7] نامے کو صلح کا پیام دیکر بھیجا۔ پیرس نے یہ نالایق حرکت کی کہ سپارٹا[8] کے راجا مِنی لاس[9] کی رانی ہیلن[10] کو بھگا لایا۔ اسپر یونان کے تمام راجاؤں کو نہایت غصہ ہوا اور اِس امر کا بدلہ لینے کو اُن کی متفقہ فوج جو ایک لاکھ آدمی کے قریب تھی۔ ایک ہزار ایک سو چھیاسی ۱۱۸۶ جہازوں پر بندرگاہ آلس[11] سے جو یونان کے صوبہ یُوبیا[12]

(۱) گ ا تھ Goth (۲) ازم ی ر (۳) ای از لُ وک (۴) ٹ رائے Troy
(۵) پُ وڈا ک ی ز (۶) پ را م Priam (۷) پ ے رِس Paris (۸) س پ ار ٹ ا Sparta
(۹) م ِن ی ل اس Menelaus (۱۰) ہ ے ل ن Helen (۱۱) آ لِ س Aulis (۱۲) یُ وب یٔ ا

ادھر ادھر چیلوں اور کوّوں کی ٹکڑیاں منڈلاتی رہتی ہیں اور یہہ پرندے اور دریا کی مچھلیاں اور مگرمچھ اُس سے اپنا پیٹ بھرتی ہیں

قریب المرگ بیمار کو بتدریج دریا میں ڈبو دینے کی رسم کا بیان

بعض ایسا بھی کرتے ہیں کہ قریب المرگ بیمار کو دریا کے کنارے لے آتے ہیں اور اُسکی پائنوں پانی میں رکھکر بتدریج اُسکو گردن تک ڈبوتے ہیں - اور جب سمجھ لیتے ہیں کہ اَب مرنے ہی کو ہے تو سارا بدن ڈبو دیتے ہیں - اور اُسکو وہیں چھوڑ کر اور روتے پیٹتے چلے آتے ہیں - اِس رسم کا جسکو مینے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے یہہ مدعا ہے کہ اس طرح پر تمام گناہ جن سے مردہ کی روح اپنی جسمانی تعلق کے وقت ناپاک ہو رہی تھی دھوئے جاتے ہیں - یہہ بے معنی خیال عام لوگوں ہی پر منحصر نہیں بلکہ مینے بڑے بڑے مشہور پڑھے لکھے شخصوں کو

میں ہے سوار ہوئے اور منی لاس کا بھائی اگیممنن اِن کا سپہ سالار بنا اتفاق سے ایک بارہ سنگا جو ڈائینا کا خاص جانور سمجھا جاتا تھا ! اگیممنن کے ہاتھ سے شکار میں مارا گیا - اور اسکے بعد موافق ہوا بند ہوگئی اور جو لوگ جہازوں میں ایک قسم کی وبا سے مرنے لگے جسکو اپنی جہالت سے انہوں نے ڈائینا کی خفگی سے منسوب کیا اور اگیممنن نے بارہ سنگا مارنے کی ہتیا کا یہہ پراس چت (یعنی کفارہ) تجویز کیا کہ اپنی بیٹی افیجینیا کو ڈائینا پر قربانی چڑھانا چاہا - جس وقت قریب تھا کہ وہ قربانی ہو جائے تو ڈائینا نے خوش ہو کر افیجینیا کو معاف کر دیا - اور اُسکے عوض کوئی اَور بدنصیب عورت قربانی کی گئی ! اور یونانی اپنے جہاز ٹرائے کیطرف بڑھا لیگئے اور دس برس کے محاصرہ کے بعد ایک فریب سے شہر میں داخل ہو کر باشندوں کو قتل کر ڈالا اور شہر کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا ! خیال کیا جاتا ہے کہ یہہ واقعہ سن گیارہ سو چوراسی ۱۱۸۴ قبل از سن عیسوی وقوع میں آیا تھا - انتہے - س-م-ح

بڑے زور شور سے اِسکی تائید کرتے سُنا ہے۔

ہندو فقیروں کا حال

گُرو یا مہنت کا ہونا ضروری ہے

ہندوستان کے فقیروں اور درویشوں میں جو بیشمار اور طرح طرح کے ہیں اور ہندوؤں کے مذہبی فرقوں میں بہت سے ڈیرے اور اکھاڑے ہوتے ہیں۔ جن میں ایک ایک گرو یا مہنت ہوتا ہے جسکے سامنے اُسکے چیلوں سے یہہ عہد و پیمان لیئے جاتے ہیں کہ پارسائی اور ترک دُنیا اور عاجزی سے گرُو کی اطاعت میں رہ کر زندگی بسر کریں۔

ہندو فقیر خصوصاً جوگی خوفناک اور غیر طبعی طور سے زندگی بسر کرتے ہیں

یہہ لوگ ایسے عجیب طور پر عمر بسر کرتے ہیں کہ اگر میں اُسکو بیان کروں مجھے شک ہے کہ آیا اُسپر کوئی اعتبار بھی کریگا۔ خصوصاً میرا اشارہ اُن لوگوں کی طرف ہے جو جوگی کہلاتے ہیں! اور جسکے معنی ہیں خُدا سے ملا ہوا! بہت سے جوگی بالکل ننگے رات دن اکثر تو تالابوں کے پاس بڑے بڑے درختوں کے نیچے یا مندروں کے اِرد گرد کے مکانوں میں راکھ کا بستر کیئے بیٹھے یا پڑے رہتے ہیں! بعض کی جٹیں پنڈلیوں تک لٹکتی ہیں۔ اور اُلجھکر اُن میں اُس طرح گرہیں پڑ جاتی ہیں جس طرح پر کہ ہماری مُلک کی پشمی کُتوں کی بالوں میں۔ خصوصاً جن کو وہ آزار ہو جس کو پولش ڈسیز کہتے ہیں! پڑی ہوئی ہوتی ہیں

Polish Disease

بہت سے جوگی ایک یا دونوں ہاتھ اوپر کو اُٹھائے رکھتے ہیں۔ ناخونوں کو اسقدر بڑہاتے ہیں کہ بڑھکر مڑ جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص کے ناخن میری چھنگلیا کے نصف سے جس سے مینے اُن کو ناپا تھا زیادہ تھے اِن کے بازو ایسی سخت اور غیر طبعی ریاضت کی حالت میں کافی غذا نہ پہنچنے کے سبب اُن لوگوں کی طرح جو مُزمِن بیماریوں میں مبتلا رہکر مرجاتے ہیں سُوکھ کر نہایت دُبلے پتلے ہوجاتے ہیں۔ اور رگوں اور پٹھوں کے خُشک اور سخت ہوجانیکے باعث اس قابل نہیں رہتے کہ جُھکا کر اُنسے کچھ مُونہہ میں ڈال سکیں! اِن فقیروں کے پاس اِن کے چیلے حاضر رہتے ہیں جو اِن کو نہایت ہی مہاتما سمجھکر اِن کا بڑا ادب کرتے ہیں! جوگیوں کا ننگا اور کالا جسم لمبے لمبے بال دُبلی اور پتلی پتلی باہیں اور بل کھائے ہوئے ناخن اور وہ ڈرانی وضع جو مینے بیان کی ہے اس عالم سفلی میں اس سے زیادہ مقہور شکل خیال میں نہیں آسکتی۔

ناںگے فقیروں اور اُن کی نسبت لوگوں کی خوش اعتقادی کا ذکر

مینے عموماً بعض بعض راجاؤں کے راج میں اِن ناںگے فقیروں کی اکثر ٹولیاں کی ٹولیاں دیکھی ہیں۔ جنکے دیکھنے سے ڈر لگتا ہے۔ بعض کے تو ہاتھ (جیسے کہ اُوپر بیان ہوچکا ہے) اُوپر کو اُٹھائے ہوئے ہوتے ہیں۔ بعض کے وحشت ناک بال یا تو کُھلے لٹکتے ہیں یا سر کے گرد بندھے ہوئے اور بل دیئے ہوئے ہوتے ہیں۔ بعض کے پاس ایک بڑا بھاری سونٹا ہوتا ہے۔ اور بعض کے کاندھے پر شیر کی خشک اور نا مُلائم کھال ڈالی ہوئی ہوتی ہے۔

اور اس وضع سے مینے اُن کو سخت بیحیائی کی حالت میں بالکل ننگے بڑے بڑے شہروں میں پھرتے دیکھا ہے۔

اور جیسے کہ ہمارے فرانس کے گلی کوچوں میں کسی راہب کو پھرتے دیکھکر کوئی خیال بھی نہیں کرتا ویسے ہی یہاں مرد عورتیں اور لڑکیاں اِن کو کچھ تعجّب کی نگاہ سے نہیں دیکھتیں بلکہ عورتیں بڑے اعتقاد سے اِن کو خیرات لاکر دیتی ہیں۔ اور اُن کو یہہ یقین ہے کہ یہہ لوگ بڑے ہی مقدّس اور سب سے زیادہ پارسا اور نفس کو قابو میں رکھنے والے ہیں۔

مشہور و معروف سرمد کا ذکر

میں دیر تک سَرمَد نام ایک مشہور فقیر سے جو دہلی کے بازاروں اور گلی کوچوں میں ننگا مادرزاد پھرا کرتا تھا نفرت کرتا رہا۔ اُس نے نہ تو اورنگ زیب کی دھمکیوں ہی کو مانا اور نہ اُسکے وعدوں ہی کو! اور آخر اِسی وجہ سے کہ اُسنے کپڑے پہننے سے بڑی ضد کے ساتھ بالکل انکار ہی رکھّا اُس کا سر اُتار گیا۔ *

* سَرمَد کاشان کا رہنے والا اور قوم کا یہودی تھا مگر مسلمان ہوگیا تھا اور صاحب علم اور تجارت پیشہ تھا۔ لکھا ہے کہ جب یہہ بتقریب تجارت اپنے وطن ایران سے شہر ٹھٹھہ واقع ملک سندھ میں آیا تو ایک مہاجن کے لڑکے پر جسکا نام ابھے چند تھا عاشق ہوگیا اور تمام مال و دولت کھو بیٹھا اور دیوانگی کی سی حالت ہوگئی رفتہ رفتہ وہ لڑکا بھی مال و دولت سے ہاتھ اُٹھا اُسی کے رنگ میں رنگیا۔ اور شاہجہاں کے عہد میں دونو بالاتفاق دہلی میں آئے اُسوقت کے اکثر لوگ اُس کو بڑا خدا رسیدہ اور عارف موحد اور صاحب کشف سمجھتے تھے۔ چونکہ داراشکوہ بھی جو فقیر دوست تھا اکثر سرمد کے پاس آتا جاتا۔ اور بادشاہ سے اُسکے کشف و کرامات کے تذکرے کرتا رہتا تھا اسلیئے شاہجہاں نے عنایت خاں

ہندو فقیروں کی عبادات اور ریاضت کے بعض سخت اور غیرمعمولی طریقوں کا ذکر اور اسکی نسبت مصنف کے ابتدائی خیالات ــــــ

بہت سے فقیر لمبی لمبی تیرتھ جاترا کرتے ہیں اور اس موقعہ پر وہ صرف ننگے ہی نہیں ہوتے بلکہ بڑی بڑی لوہے کی زنجیروں سے جیسی کہ ہاتھیوں کے پانوؤں میں پڑی ہوئی ہوتی ہیں، لدے ہوئے ہوتے ہیں۔ میں نے بہت سے فقیروں کو دیکھا ہے کہ جو کسی خاص تپسیا کی خاطر سات آٹھ روز تک بغیر اسکے کہ کبھی بیٹھ جائیں یا پڑ جائیں سیدھے کھڑے رہتے ہیں۔ اور بجز اسکے کہ رات کے وقت

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

نامے ایک امیر کو اس کے تفحص حال کے واسطے مامور کیا اور اس نے سرمد کو دیکھ بھال کر بطور عرض حال یہہ شعر پڑھا ؎ برسر سرمد برہنہ کرامات تہمت ست + کشفے کہ ظاہر ست از و کشف عورت ست" جب شاہجہان کو اورنگ زیب نے قید کر لیا۔ اور داراشکوہ گرفتار ہو کر قتل کیا گیا تو مُلا شیخ عبدالقوی کو جو بڑا عالم تھا اور اعتماد خاں کا خطاب اور پنج ہزاری کا منصب رکھتا تھا حکم ہوا کہ سرمد کو کپڑے پہننے کا حکم دیوے۔ پس سرمد طلب ہوا۔ اور مُلّا نے اُس سے پوچھا کہ "عریان چرا میباشی" سرمد نے اُس کا یہہ ظریفانہ جواب دیا کہ "شیطان قوی ست" پس مُلّا نے اور علما کی اتفاق رائے سے اسکے قتل کا فتویٰ لکھا۔ اور بادشاہ نے اسکو منظور کیا۔ لکھا ہے کہ جب جلّاد تلوار لیکر سامنے آیا تو سرمد نے کہا "سر جدا کرد ازتنم شوخیکہ با ما یار بود + قصہ کوتہ کرد ورنہ درد سر بسیار بود" اور عاقل خاں رازی نے اپنی مختصر تاریخ عالمگیری میں لکھا ہے۔ کہ جب جلّاد قتل کرنے لگا تو سرمد نے نہایت بے تکلفی اور بیغمی کی حالت میں اخیر وقت یہہ شعر پڑھا "عریانی تن بود غبار رہ دوست + آن نیز بہ تیغ از سر ما وا کردند" سرمد کو شعر گوئی میں بھی اچھا دخل تھا۔ چنانچہ اُس کا دیوان رباعیات جو چھوٹا سا ہے۔ انہیں دنوں یعنی ۱۸۹۰ء اٹھارہ سو نوے میں جبکہ یہہ کتاب تیار کی جا رہی ہے شہر دہلی میں چھپ بھی گیا ہے۔ سرمد کی قبر مسجد جامع دہلی کے قریب ہی ہے اور لوگ اُس پر اکثر پھول چڑھاتے اور روشنی وغیرہ کرتے رہتے ہیں۔ اور سرمد کے قتل کی نسبت ابتک عام گمان یہہ ہے کہ محض داراشکوہ کی دوستی اس بیچارہ کے قتل کا باعث ہوئی تھی۔ فقط ـــ م ح

پہنچے گھٹنے ایک طناب کے سہارے آگے کو جھک جائیں اور کوئی سہارا نہیں لیتے اور اس عرصہ میں اُنکی پنڈلیاں سوجکر رانوں کے برابر ہوجاتی ہیں۔ بعض کو میںنے دیکھا ہے کہ گھنٹوں ہاتھوں کے بل سر نیچے اور پاؤں اوپر بڑے استقلال سے کھڑے رہتے ہیں!

میں ایسی ہی اور بہت سی حالتوں کے نام لے سکتا ہوں جن میں کہ یہہ بے نصیب لوگ اپنے جسم کو بیفائدہ دُکھ دیتے ہیں۔ ان میں سے بہت سی صورتیں تو ایسی سخت و مشکل ہیں کہ ہمارے مُلک کے نٹ بھی ان کی نقل نہیں کر سکتے۔ اور یہہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہہ تمام باتیں تقوی اور دینداری کے ایک مفروضہ خیال سے کیجاتی ہیں۔ حالانکہ ہندوستان کے کسی حصّہ میں بھی تقوی اور دینداری نے اپنا سایہ تک نہیں ڈالا!

جب میں پہلے پہل ہندوستان میں آیا تو ان لوگوں کے یہہ بیہودہ حرکات دیکھکر حیران رہگیا۔ اور کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ان کی نسبت کیا رائے قائم کروں بعض اوقات تو میں اس خیال کی طرف مائل ہوتا تھا کہ یہہ فقیر اگر حکمائے قدیم یونان کے اُس پرانے اور بدنام فرقہ کے جنکا نام "سنے نِکس*" (یعنی کلبیین) تھا بانی نہیں ہیں تو اُن کا بقیہ تو ضرور ہیں۔ بشرطیکہ ان میں

* زبان یونانی میں لفظ سنے نک کے معنی کتّے کے ہیں۔ اور حرف (س) علامت جمع کی ہے۔ چونکہ اس قدیم فرقے کے حکما کو اپنے اس طرز زندگانی پر بڑا گھمنڈ تھا کہ ہم مال و دولت اور علوم فنون اور حرفت و صناعت اور لہو و لعب سے نفرت کرتے ہیں اسلئے بلحاظ انکی ترش روئی اور بدمزاجی کے ان کا یہہ لقب پڑ گیا تھا۔ س۔ م۔ ح

سِنے نکس (س ے ن ک س Cynic) (کلبیین (ک ل ب ی ی ن)۔

حیوانیت اور جہالت کے سوا اور کوئی بات دیکھ پاتا۔ یا اگر مجھے ان میں آدمی کی ظاہری شکل صورت کے سوا کوئی بات انسانیت کی بھی دکھائی دیتی۔ کبھی مجھے یہہ خیال گزرتا تھا کہ اگرچہ یہہ گمراہ ہیں مگر ہیں سچے فقیر۔ لیکن آخرکار معلوم ہوگیا کہ حقیقت میں یہہ لوگ تقوی اور تقدس سے جہانتک خیال کیا جاوے بالکل معرّا ہیں۔ میں نے پھر یہہ خیال کیا کہ آوارہ گردی اور سستی اور مطلق العنانی کی زندگی ان پر قوی اثر رکھتی ہے۔ اور ان کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔ یا یہہ کہ خودپسندی جو انسان کے ہر کام میں ملی ہوئی ہے۔ اور جو دیوجانس* کی بھی

---

* Diogenes دیوجانس جو حکماء یونان میں مشہور حکیم گزرا ہے مذکورہ بالا فرقہ میں سے تھا اور اسی وجہ سے اہل عرب اُسکو دیوجانس کلبی کہتے ہیں۔ یہہ شہر کارنتھ کا رہنے والا تھا اور چار سو بارہ ۴۱۲ برس قبل از سن عیسوی پیدا ہوا تھا اور چھیانوے ۹۶ برس کا ہوکر سن تین سو چوبیس ۳۲۴ قبل از سن عیسوی میں فوت ہوا۔ یہہ تارک الدنیا تھا اور ٹوٹے پھوٹے کپڑے پہنے اور ایک لکڑی کا پیپا سر پر اُٹھائے ننگے پاؤں پڑا پھرا کرتا تھا اور جو کچھ مل جاتا کھالیتا اور جہاں چاہتا سو رہتا اور کبھی اُس لکڑی کے پیپے میں بیٹھ کر آرام لے لیتا تھا! لکھا ہے کہ جب سکندر اعظم نے شہر کارنتھ کو فتح کیا اور اسکی ملاقات کو گیا تو اُسوقت یہہ سو رہا تھا۔ سکندر نے ٹھوکر مار کر کہا کہ تو پڑا سوتا ہے اور تیرا شہر میں نے فتح کرلیا۔ اس نے جواب دیا کہ شہروں کا فتح کرنا بادشاہوں کا کام ہے لیکن لات مارنا گدھوں کی خصلت ہے۔ سکندر نے خفا ہوکر کہا کہ شاید تو یہہ سمجھتا ہے کہ تجھکو کبھی مجھسے غرض نہ پڑیگی اور یہہ ممکن نہیں ہے۔ اسنے کہا کہ مجھکو اپنے غلام کے غلام سے کبھی غرض نہ پڑیگی۔ سکندر نے پوچھا وہ کون ہے؟ کہا تو! کیونکہ حرص و شہوت کو میں نے اپنا غلام بنا رکھا ہے اور تو اُن کا غلام ہے! ایک روز سکندر نے اس سے پوچھا کہ نیکی کس طرح حاصل کیجا سکتی ہے؟ جواب دیا نیک کام کرنے سے! اور تو تو ایک دن میں وہ کچھ حاصل کرسکتا ہے جو اور لوگ برسوں میں نہیں کرسکتے! لکھا ہے کہ ایک روز سکندر جو اسکی ملاقات کو گیا تو یہہ اپنے اُس لکڑی کے پیپے میں بیٹھا ہوا دھوپ کھا رہا تھا۔

پُرانی گدڑی میں ایسی ہی صاف معلوم ہوتی تھی جیسے کہ افلاطون‡ کے خوشنما لباس میں - اِن تمام اعجوبہ کاریوں کی پوشیدہ باعث ہوگی -

---

سکندر نے کہا کہ کوئی خدمت فرمائیے -؟ جواب دیا کہ بس یہی خدمت ہے کہ آپ پرے ہٹ جائیں اور میری دُھوپ روکیں فقط ماخوذ از ناسخ التواریخ و جام جم س م ح

---

‡ افلاطون چار سو برس قبل سن عیسوی میں پیدا ہوا تھا - اور اکیاسی برس کا ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوا - یہہ سقراط کا شاگرد اور ارسطو کا اوستاد تھا ! بس اسی سے سمجھ لینا چاہیے کہ یہہ کیسا شخص تھا - ! ابتداءِ عمر میں اس کو کُشتی اور شعر گوئی کا شوق تھا - اور بہت ہی خوب شعر کہتا تھا - مگر سقراط کی نصیحت سے شعر کہنا چھوڑ دیا اور تحصیل فلسفہ کی طرف متوجہ ہوا اور اوّل سقراط سے اور اُسکی وفات کے بعد مصر وغیرہ میں تحصیل علوم کرتا رہا - یہہ بہت خوبصورت خوش وضع اور خوش اخلاق آدمی تھا اور اپنے اور بیگانہ سے برابر احسان اور نکوئی سے پیش آتا تھا - اِسنے مختلف علوم میں چھوٹی بڑی اکتیس کتابیں اپنی تصنیفات سے دُنیا میں چھوڑیں - مرنے کے بعد یہہ اُس باغ میں دفن کیا گیا جو اسکی ملکیت سے تھا - اور اُسکی متروکات پانی پینے کا ایک پیالہ اور ایک لوٹا اور سونے کا ایک کان کا بندا تھا جسکو بچپن میں پہنا کرتا تھا - اِس کا عقیدہ تھا کہ اِس دنیا کا کوئی بنانے والا اور بغیر کسی نمونہ کے پیدا کرنے والا ہے جو ہمیشہ سے بغیر کسی سہارے کے موجود ہے - اور اپنے عالم مخلوقات کو جانتا ہے - اور ازل میں اُسکے وجود کے ساتھ کوئی نقلی وجود نہ تھا مگر چند مثالیں جن سے اسکی مُراد چند مجرد اور بسیط چیزیں ہیں جو پھیلی ہوئی ہیں اور تمام محسوس اور مادّی صورتیں انہیں کُلیات بسیط کی جُزئیات ہیں اور اِس جہان میں جو کچھ موجود ہے وہ اُس جہان یعنی عالم مثال کا نمونہ ہے اور یہہ کہ ہر اثر کے لیے ایک مثال کا ہونا ضروری ہے جو اپنی کسی طرح پر اُس اثر سے مشابہت رکھتا ہو - ! مطلب یہہ کہ عالم مثال یا عالم مجردات عالم کلی ہے اور عالم مادّی یا عالم مرکبات عالم جزئی ہے - ۰۰ ہم کہہ اِس عالم جزئی میں ہے وہ اُس عالم کُلی کا نمونہ ہے -

(ماخوذ از ناسخ التواریخ) س م ح

هندو فقیروں کا نہایت سخت ریاضتیں کرنا اس عقیدہ پر مبنی ہے کہ دوسرے جنم میں ان کا نہایت عمدہ ثمرہ ملیگا۔

مینے سنا ہے کہ یہہ فقیر بڑی بڑی سخت تپشیا اس اُمید پر کرتے ہیں کہ ہم اگلے جنم میں راجہ ہوجائینگے۔ اور اگر راجہ بھی ہوئے تو ہماری حالت زندگی ایسی تو ضرور ہوگی کہ ہمکو اُن سے بھی زیادہ آرام و عیش حاصل ہوں۔ لیکن جیسے کہ اکثر اُن سے میرا قول تھا یہہ کیونکر یقین کیا جاسکتا ہے کہ اگلی زندگی کی خاطر اس زندگی کو مصیبت سے کاٹا جائے حالانکہ وہ زندگی بھی بالضرور ایسی ہی مختصر اور بے تحقیق ہوگی جیسی کہ یہہ زندگی ہے۔ اور جس میں زیادہ آرام اور خوشی ملنے کی اُمید نہیں کیجاسکتی۔ خواہ کوئی شخص اودے پور کے رانا ہی کے رتبہ کو کیوں نہ پہنچ جائے اور خواہ اُسکی حالت ہندوستان کے دو طاقتور راجاؤں جے سنگہ اور جسونت سنگہ ہی کے مشابہ کیوں نہ ہوجائے! مینے اُن سے کہدیا کہ میں تو ایسی جلدی تمہارے فریب میں آتا نہیں۔ کیونکہ یا تو تم سخت احمق ہو یا تمکو خراب ارادوں کی تحریک ہے جنکو تم ہوشیاری کے ساتھ دُنیا سے چھپاتے ہو۔

بعض خدا رسیدہ اور کامل جوگیوں کے طرز بود و باش اور مراقبہ اور حالت محویت کا بیان اور اُسکی نسبت مصنف کی راے

بعض فقیروں کی نسبت مشہور ہے کہ وہ بڑے روشنضمیر سنت اور کامل جوگی اور حقیقت میں خدا رسیدہ ہیں۔ اور ان کی نسبت بالکل تارک الدنیا ہونے کا گمان ہے۔ یہہ فقیر ہمارے راہبوں کی طرح آبادی سے دُور کسی باغ میں تنہا زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور شہر میں کبھی نہیں آتے۔ کوئی اِن کو بھوجن لاکر دیدے تو لیلیتے ہیں۔ اور اگر نہ لائے تو لوگوں

کو یہہ خیال ہے کہ بغیر بھوجن کے بھی یہہ مہاتما سادہ زندہ رہ سکتے ہیں اور اپنی پہلی فاقہ کشیوں اور نفس کُشیوں کی بدولت یہہ خدا کے بھروسہ پر جیتے ہیں یہہ مقدس جوگی اکثر مراقبہ میں محو رہتے ہیں۔ انکا یہہ ادعا ہے اور ایک فقیر نے جسے لوگ بہت ہی مانتے تھے خود مجھ سے کہا کہ ہماری روحیں گھنٹوں بے خودی اور استغراق کی حالت میں رہتی ہیں۔ ہمارے حواس ظاہری معطّل ہو جاتے ہیں۔ اور جوگیوں کو خدا کا دیدار حاصل ہوتا ہے جو ایک ناقابل البیان سفید اور چمکدار نور کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ اور ہمکو دنیا کے الجھیڑوں سے ایسی نفرت ہو جاتی ہے۔ اور سرور خالص کی حالت میں ہم ایسے محو ہو جاتے ہیں جو قابل بیان نہیں۔ اور میرے اِن مقدس سنت صاحب نے جو مجھے یہہ کیفیّت بتا رہے تھے کہا کہ میں جب چاہتا ہوں گھنٹوں ایسی محویّت کی حالت میں ہو جاتا ہوں۔

جو لوگ جوگیوں کے پاس آتے جاتے ہیں اُن میں سے کسیکو ان لاف وگزاف کے استغراقات کے سچ ہونے میں کلام نہیں۔ مگر میرے خیال میں یہہ امر ممکن ہے کہ انسان کا دل ہمیشہ کی تنہائی اور فاقہ کشیوں کی وجہ سے کمزور ہو کر اس قسم کے تخیّلات میں پڑ جاتا ہوگا۔ یا اِن فقیروں کے یہہ استغراقات اُن طبعی بے خودیوں کے مشابہ ہوں گے۔ جنکی نسبت کارڈن* کا قول ہے کہ وہ جب چاہتا تھا اِس حالت میں ہو جاتا تھا۔

* جے رومؔ کارڈن ملک اٹلیؔ کا رہنے والا سن پندرہ سو ایک (۱۵۰۱) عیسوی میں پیدا

لہ جے رُوم کارڈن Jerome Cardan لہ اٹلی Italy

جوگیوں کے تصوّر اور دھیان جانے کے طریقہ کا بیان۔

یہہ خیال اس وجہ سے بالتخصیص قریب القیاس ہے کہ یہہ لوگ اپنے اِن اشغال میں کسی نہ کسی ترکیب کو دخل دیتے ہیں۔ چنانچہ حواس کو بتدریج روکنے کی غرض سے وہ اپنے لیئے خاص خاص قاعدے مقرر کرتے ہیں۔ مثلاً اُن کا بیان ہے کہ بہت سے دنوں تک کھانا پینا ترک کرنیکے بعد کسی تخلیہ کی جگہہ میں تنہا بیٹھنا اور بڑے استقلال سے نظر کو آسمان کی طرف جمانا چاہیئے۔ اور جب کچھ عرصہ تک اِس کے عامل ہوجائیں تو پھر دونوں آنکھوں کو بتدریج نیچے کو کریں۔ اور اس طرح پر دھیان جمائیں کہ ایک ہی وقت میں ناک کی پُھننگ اور ناک کے دونوں اطراف برابر دکھلائی دینے لگیں۔ اور یہہ تصوّر کا طریق علی الانصال اُسوقت تک جاری رکھنا چاہیئے جب تک کہ نورِ عرفان صاف جلوہ گر ہوجائے۔ ! یہہ تصوّر اور مراقبہ اور اُسکے حاصل کرنے کا طریقہ

ہوا تھا اور اپنے زمانہ کا ایک مشہور طبیب اور ریاضی داں اور فلسفی تھا۔ اِس عجیب شخص کے سوانح عُمری بھی عجیب ہی ہیں۔ اس کا باپ شہر میلان[1] میں ایک اچھا ذی مقدور شخص تھا مگر جیروم اپنی سوانح عمری میں لکھتا ہے کہ میں روز ولادت سے مصیبتوں اور افلاس میں رہا ہوں۔ مورخین لکھتے ہیں کہ یہہ اپنے باپ کا شرعی بیٹا نہ تھا اور جب وہ حمل میں تھا تو اِسکی ماں نے ہرچند اسقاط کے لیئے کئی دفعہ کوششیں کیں مگر یہہ سخت جان بچہ ہرگز نہ نکلا اور آخرکار جب نکلا تو اِس طرح پر کہ اُسکی ماں کا پہلو چیر کر نکالا گیا۔ روز پیدائش سے یہہ بیچارہ ضعیف القوی تھا اور اِس کے علاوہ اِس کے باپ کے گھر میں اسکے ساتھ کئی طرح کی بدسلوکیاں بھی ہوتی رہتی تھیں۔ مگر تحصیل ریاضیات میں اسنے پھر بھی بہت بڑی ترقی کی۔ اور اگرچہ ابتدا میں فرانسسکن[2] گروہ کے تارک الدنیا درویشوں میں شامل ہوگیا

---

[1] م ی ل ان Milan   [2] ف ر ان س س ک ن Franciscean

ہندو جوگیوں اور مسلمان صوفیوں میں ایک بڑی بھاری راز کی بات ہے اور میں اس کو راز اسلیئے کہتا ہوں کہ وہ اِن باتوں کو آپس ہی میں پوشیدہ رکھتے ہیں! اور ایک ہندو پنڈت کی مدد کے بغیر جس کو دانشمند خان نے نوکر رکھ لیا تھا اور جو اپنے آقا سے کوئی بات چھپا نہ سکتا تھا مجھکو یہہ معلومات ہرگز حاصل نہ ہوتیں اور ایک یہہ بھی وجہ ہے کہ میرا آقا صوفیوں کے مسائل سے پہلے ہی سے واقف تھا

جوگیوں کے درویشی صورت دکھائی دینے کی وجہ۔

اِن فقیروں کی صورتیں جو بظاہر درویشانہ نظر آتی ہیں۔ اِس کا بڑا سبب میرے گمان میں یہہ ہے۔ کہ ریاضات شاقہ اور مدتوں کے برت اور فاقہ کشیاں اور سخت

تھا مگر تھوڑے دنوں بعد اسنے اُس گوشہ نشینی کے طریق کو ترک کرکے بہت شوق سے علم طب اور علم فلسفہ کو حاصل کرنا شروع کیا یہانتک کہ اٹلی کے ایک مشہور و معروف مدرسہ طبی سے ایم۔ ڈی کی ڈگری یعنی خطاب ڈاکٹری حاصل کیا۔ اس مدرسہ میں یہہ ایسا مستعد طالب علم تھا کہ اپنے مدرس کی غیر موجودگی میں اقلیدس اور منطق کی جماعتوں کو خود تعلیم دیا کرتا تھا اور آخر اسکے علم و فضل و طبابت کی شہرت اسقدر ہوئی کہ اُس وقت کے بڑے اُمرا اور بادشاہوں سے بھی اسکی ملاقاتیں ہوئیں اور کئی جگہہ اُمرا نے اپنے طبی مدارس میں اس کو مدرس وغیرہ بھی مقرر کیا۔ مگر اس کا قدیمی رفیق افلاس اسکے ساتھ تھا۔ یہانتک کہ ایکبار سنہ پندرہ سو ستر ۱۵۷۰ء میں زیرباری قرض کے باعث کچھ عرصہ تک قید بھی رہا۔ اور جب وہاں سے رہائی پائی تو پوپ گریگوری عه سیزدہم کے پاس چلا گیا جس نے ازراہ قدردانی اس کو اپنے مدرسۃ الاطبا کا ایک ممبر مقرر کرکے گزر اوقات کے لیئے کچھ پنشن بھی کر دی۔ اور اسنے بقیہ عمر کو روم ؎ ہی میں بسر کرکے بعد اختتام اپنی

؎ Rome عه Pope Gregory

حالت افلاس ان کو دیکھنے میں ایسا بنا دیتی ہیں۔

> ہندو فقیروں اور ایشیا کے بعض عیسائی فرقوں اور یورپ کے راہبوں کے طریق ریاضت کا مقابلہ

ہمارے یورپ کے درویشوں اور راہبوں کو ہرگز یہہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ ان باتوں میں ہندو جوگیوں یا دگر ممالک ایشیا کے مذہبی فرقوں سے وہ کبھی فوقیت لیجا سکتے ہیں۔ چنانچہ مثلاً اگر طریق عبادت و ریاضت اور روزہ داری وغیرہ میں ارمنی قبطی یونانی نسطوری۔ جے کوبٹ یعنی یعقوبی اور مے رُونٹ عیسائیوں کو بنظر مقابلہ دیکھا جائے تو ہمارے یورپین زاہد بالکل مبتدی معلوم ہوں گے۔ مگر ہاں اُس تجربہ کی رو سے جو مجھے ہندوستان میں ہوا ہے یہہ بات ضرور قابل تسلیم ہے کہ جسقدر تکلیف فاقہ اور روزہ رکھنے سے

نوٹ: جیرونیم کارڈن — کتاب سوانح عمری کے سنہ پندرہ سو چھہتر ۱۵۷۶ عیسوی میں قضا کی! یہہ شخص احکام نجوم کا اسقدر معتقد تھا کہ ایک بار اسنے ملک سکاٹلینڈ (Scotland) کے ایک مشہور و معروف پادری کو جو سخت مریض تھا۔ اور جسکو جرمنی کے بڑے بڑے نامی ڈاکٹر جواب دے چکے تھے اپنے معالجہ سے تندرست کیا۔ مگر اپنی اس کامیابی کی نسبت اسکو یہی خیال تھا کہ چونکہ مینے اُسکی جنم پتری کے حساب کو خوب طرح سمجھ کر علاج کیا تھا محض اسیوجہ سے یہہ فائدہ ہوا ہے! اسکے شدتِ اعتقادِ نجوم کی نسبت اسکے زمانہ کے دو مشہور عالموں نے ایک یہہ روایت بھی کی ہے کہ اُسنے اپنی جنم پتری کی رو سے اپنی عُمر کی ایک حد قرار دے رکھی تھی۔ پس جب وہ وقت قریب آیا چونکہ یہہ بھلا چنگا تھا اور کوئی بیماری وغیرہ نہ تھی جس سے مرگ کا گمان ہو سکتا اس وجہ سے اسکو یہہ خیال پیدا ہوا کہ مبادا میری جنم پتری کا حساب غلط ہو جاوے! اسلیئے اسقدر بھوکھا مرنا شروع کیا کہ آخر جنم پتری کی حد مل گئی! اسکی تصانیف کے رسالے اور کتابیں طبعیات۔ ریاضیات علم ہیئت۔ فن احکام نجوم۔ فصاحت و بلاغت۔ تاریخ اخلاق

فرنگستان کے سرد ملکوں میں ہوتی ہے ہندوستان وغیرہ میں اتنی نہیں معلوم ہوتی۔

مہوس اور شعبدہ باز اور ضمیر بتلانے والے رستے جوگیوں کا ذکر

اب میں ایسے فقیروں کا ذکر کرتا ہوں جو اُن فقیروں سے جنکا بیان اوپر ہوچکا ہے بالکل مختلف ہیں مگر ہیں یہہ بھی عجیب لوگ ! یہہ ہمیشہ تمام ملک میں برابر پھرتے رہتے ہیں اور ہر چیز کو فضول بتلاتے ہیں اور یہہ ظاہر کرتے ہیں کہ گویا اُنکی زندگی کیسی بیفکر بسر ہوتی ہے۔ اور بڑے رازداں ہونے کا ادّعا کرتے ہیں۔ عموماً لوگوں کا یہہ خیال ہے کہ یہہ مقبول شخص سونا بنانا جانتے ہیں۔ اور پارہ کو ایسے عمدہ طور سے تیّار کرسکتے ہیں کہ ہر صبح کو ایک دو چاول کی برابر کھانے سے بیمار آدمی تندرست اور توانا ہوجاتا ہے۔ اور معدہ اتنا قوی ہوجاتا ہے کہ شوق سے جتنا چاہے کھائے اور آسانی سے ہضم ہوجائے۔ اور صرف

بقیہ حاشیہ

منطق نیچرل ہسٹری یعنی علم ماہیت وحقایق طبعیات۔ موسیقی علم الادویہ فن تشریح وغیرہ میں بہ تعداد ایک سو بائیس ۱۲۲ ہیں۔ اور ان میں طرح طرح کے بیان ہیں۔ مگر اس شخص نے مسائل علمیّہ کے ساتھ اپنے مبالغہ آمیز تخیلات اور بیہودہ تصورات کو ان سب میں شامل کردیا ہے۔ اور بسبب اسکے کہ وہ سن طفولیت سے آخر عمر تک بدسلوکیاں اور مصیبتیں جھیلتا رہا تھا اُسکے مزاج میں تلخی وتندی اور انتقام پسندی کی عادت تھی اور اسکی خصلت اور مزاج اس درجہ نرالا اور انوکھا تھا کہ لوگ اُسکو عموماً پاگل اور خبطی کہتے تھے اور وہ اپنے آپ کو نوع انسان سے بالکل علٰحدہ سمجھتا تھا اور اس عجیب بات کا اسکو پکا یقین تھا کہ میرے ساتھ ہمیشہ ایک ایسی روح جسکو میں بخوبی پہچانتا ہوں حاضر رہتی ہے اور اُسکے باعث سے میں جب چاہتا ہوں عالم ارواح سے باتچیت کرلیتا ہوں (ماخوذ از انسائکلوپیڈیا برٹانیکا) س م ح

یہی نہیں ہے۔ بلکہ اِس قسم کے دو جوگی جب کہیں آپس میں مل بیٹھتے ہیں اور اُن میں تقابل کا جوش پیدا ہوتا ہے تو اپنے فن کی ایسی عجیب عجیب طاقتیں ظاہر کرتے ہیں کہ مجھے شک ہے کہ آیا "سیمن میگس"* بھی باوجود اپنی تمام شعبدہ بازیوں کے ایسے عجیب کام کرسکتا تھا یا نہیں۔ وہ کسی شخص کے دل کا بھید تبلا دینے اور گھنٹہ بھر میں درخت کی ایک شاخ کو زمین میں گاڑکر اُس میں پتے اور پھول پھل لگا دیتے ہیں اور پاؤ گھنٹہ سے کم عرصہ میں انڈے کو بغل میں لیکر جو جانور کوئی چاہے وہی پیدا کر دیتے ہیں جو کمرے میں اِدھر اُدھر اُڑنے لگتا ہے۔ اور بہت سے اور ایسے ہی تماشے کرتے ہیں جنکے بیاں کی ضرورت نہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ لوگ جو کچھ اِن شعبدہ بازوں کی نسبت بیان کرتے ہیں میں اُسکے سچ ہونے کے باب میں اپنی شہادت نہیں دیسکتا۔ میرے آقا نے اِنمیں سے ایک کو بُلایا اور وعدہ کیا کہ اگر تو کل کو میرے دل کی بات تبلا دیگا۔ تو میں تین سو روپئے تجھے دونگا۔ اور اِس خیال سے کہ میری طرف سے بے ایمانی کا گمان نہ ہو میں اُس بات کو ابھی تیرے روبرو کاغذ پر لکھدونگا۔ اُسی وقت مینے بھی یہہ کہا کہ اگر تو میرے دلکی بات تبلا دیگا پچیس روپئے میں بھی نذر کرونگا۔ مگر وہ غیب گو پھر ہمارے مکان کے پاس بھی نہ پھٹکا۔ !!! ایک مرتبہ پھر مینے ایک شعبدہ باز کو کسی بات پر بیس روپیے دینے کا وعدہ کیا مگر میں پھر بھی محروم و مایوس ہی رہا ! اگرچہ

* Simon Magus اِس شخص کا حال باوصف تلاش کے کہیں نہیں ملا۔ س مرح

میں انکی ہر بات کی کُنہ کو پہنچنا چاہتا تھا - لیکن یہہ میری بدقسمتی تھی کہ مینے کبھی کوئی ایسا عجیب تماشا نہ دیکھا جو سمجھ میں نہ آسکے - اور جب میں کسی ایسے تماشے کے ہوتے جا نکلتا تھا جسکو دیکھکر لوگ متحیر تھے تو یہہ عموماً میری بدبختی تھی کہ میں اُن سے بہت سے سوال کیا کرتا اور اُن کا امتحان کیئے جاتا تاوقتیکہ مجھے یقین نہ ہوجاتا کہ اس میں کیا فریب ہے یا کیا ہتھ پھیری ہے ! مُجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ مینے ایک شخص کا فریب پکڑ لیا تھا ! جسنے دعویٰ کیا تھا کہ کٹورا دوڑانے سے میں اُس شخص کو تبلادونگا جسنے میرے آقا کا روپیہ چورایا تھا -

چند بہت کے سادھوؤں اور اُنکی ناپارسائی اور اس غلط فہمی کا ذکر کہ اپنے فرقہ کے لیئے ہم بھی بمنزلہ پادریوں کے ہیں

لیکن بہرحال ایسے فقیر بھی ہیں جوان فقیروں سے جنکا ہم ذکر کرتے آئے ہیں بہت چپ چاپ اور شایستہ صورت معلوم ہوتے ہیں اور اُنکی زندگی کا طرز اور طریق عبادت بھی اتنا فضول نہیں ہے ! یہہ ایک دھوتی باندھے ہوئے جو انکے گھٹنوں تک ہوا کرتی ہے اور ایک سفید چادر اوڑھے ہوئے جو دائیں بغل کے نیچے سے ہوکر بائیں کاندھے پر جاگرتی ہے سر و پا برہنہ گلیوں اور بازاروں میں پھرا کرتے ہیں - اور اسکے سوا اور کوئی کپڑا انکے بدن پر نہیں ہوتا مگر ان کے جسم ہمیشہ دُھلے* ہوئے ہوتے ہیں اور وہ بہرصورت صاف معلوم ہوتے ہیں - عموماً وہ بڑے اعتدال کے طریق کے ساتھ دو دو ہوکر پھرتے ہیں اور ہاتھ میں ایک

* یہہ لوگ نہاتے تو نہیں البتہ کپڑا تر کرکے بدن کو اُس سے ہمیشہ صاف کر لیتے ہیں - م ا ح

چھوٹا سا خوبصورت مٹی کا* پیالہ ہوتا ہے۔ جسکے تین پائے اور دو دستے ہوتے ہیں۔ یہہ اور فقیروں کی طرح دکان دکان مانگتے نہیں پھرتے بلکہ بے تکلف ہندوؤں کے گھروں میں چلے جاتے ہیں جہاں انکی بڑی آؤ بھگت ہوتی ہے۔ اور ان کا آنا گھر والوں کے واسطے موجب برکت گنا جاتا ہے۔

ان پاک فقیروں اور گھر کی عورتوں میں جو کچھ حال گزرتا ہے اگرچہ اُسکو سب لوگ جانتے ہیں مگر جو کوئی ایسا الزام ان کو لگا دے تو اُسکا خدا ہی حافظ ہے۔ مگر اس بات کو اس مُلک کی رسم خیال کیا جاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے ان کے تقدّس میں کچھ فرق نہیں آتا۔ گھروں کی عورتوں کے ساتھ ان فقیروں کے جو جو معاملات گزرتے ہیں اُنکے بیان پر میں چنداں زور دینا نہیں چاہتا۔ کیونکہ ہم اور آپ سب جانتے ہیں کہ ایسی حرکتیں صرف شہنشاہ مغلیہّ ہی کی سلطنت میں نہیں ہوتیں! لیکن بڑی ہنسی کی بات حقیقت میں یہہ ہے کہ یہہ بے ادب ہمارے پادریوں مقیم ہندوستان کے ساتھ اپنا مقابلہ کرتے ہیں۔ بعض اوقات میں ان کی خود پسندی اور ضعیف العقلی سے خوب اپنا جی بہلالیا کرتا تھا اور ان سے بڑے خلق اور مدارات سے بولتا۔ اور بظاہر بڑا ادب کرتا تھا۔ چنانچہ فوراً آپسمیں ایک دوسرے کی طرف اشارہ کرکے وہ یوں

* یہہ ظرف مٹی کا تو کم اور اکثر روغن کیا ہوا ایک کاٹھ کا برتن مثل لوٹے کے ہوتا ہے جسکو اکثر نہایت چھوٹے چھوٹے تین پائے بھی ہوتے ہیں اُسکو اُنکی اصطلاح میں پاتر اور پاتری کہتے ہیں۔ س م ح

کہنے لگتے تھے" یہہ فرنگی جانتا ہے کہ ہم کون ہیں یہہ کئی سال ہندوستان میں رہ چکا ہے اور خوب جانتا ہے کہ ہم ہندوؤں کے پادری ہیں"

ہندوؤں کے قوانین مذہبی اور علوم و فنون وغیرہ

ہندوؤں کے قوانین مذہبی اور علوم و فنون وغیرہ کا ذکر۔

میں ان فقیروں کا بہت کچھ ذکر کر چکا اور اب مجھے اِن کے دھرم شاستر اور اَور علوم کی پوتھیوں کا ذکر کرنا چاہیئے۔ اگرچہ میں زبان سنسکرت سے جو اَب ہندوستان کے خاص پنڈتوں اور غالباً قدیم زمانہ کے کل برہمنوں کی عام زبان تھی ناآشنا ہوں اور باوجود اِس کے سنسکرت کی پوتھیوں کا ذکر کرتا ہوں تو یہہ کچھ تعجّب کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ میرے آقا دانشمند خان نے کچھ تو میری درخواست سے اور کچھ اپنے شوق کی خاطر ہندوستان کے ایک مشہور پنڈت کو نوکر رکھ لیا تھا جو پہلے شاہجہان کے بڑے بیٹے داراشکوہ کی سرکار سے متعلّق تھا۔ اور تین سال کے عرصہ میں صرف یہی شخص میرا ہمیشہ کا ہم صحبت نہ تھا بلکہ اُسنے اَور کئی بڑے بڑے پادری پنڈتوں سے میری ملاقات کرادی تھی۔ جنکو وہ اپنے ساتھ لے آیا کرتا تھا۔ ! جب میں اپنے آقا کو پیکیٹ[1] اور ہاروے[2] کے علم تشریح کے معلومات جدیدہ کا حال سُناتے

---

[1] ڈاکٹر پے کیٹ (Pacquet) ایک فرانسیس طبیب تعلیم یافتہ مدرسہ مونٹ پیلیر (mont pellier) واقع فرانس کا تھا۔

[2] ڈاکٹر ولیم ہاروے (Harvey) قوم انگریز سے تھا۔ یکم اپریل سنہ پندرہ سو اٹھتر (۱۵۷۸) عیسوی کو

سناتے تھک جاتا او گیسینڈی اور ڈسکارٹس* کے فلسفہ پر (جسکا بنے

Gassendi

(۱) تھامس بارتھولن

اِس نامور محقق نے سنہ سولہ سو بیالیس (۱۶۴۲ع) عیسوی میں برخلاف عقیدہ جمہور اطبار متقدمین کے یہہ نئی بات نکالی کہ جگر کو خون بنانے سے کچھ تعلق نہیں بلکہ عروق ماساریقا سے مفوت کیلوس اور شکل ایک سفید رطوبت کے ایک بڑی رگ میں سے ہوکر قلب کے دائیں خانہ میں جاکر مبتدل بہ خون ہوجاتی ہے - !!! س م ح

(۲) ولیم ہاروے

شہر فوکسٹون(۱) واقع صوبہ کینٹ(۲) میں پیدا ہوا - انیس ۱۹ برس کی عمر میں کیمبرج(۳) کالج سے بی اے کی ڈگری حاصل کرکے شہر پاڈوا(۴) واقع ملک اٹلی کے مدرسہ طبی میں جو اُس زمانہ میں بہت مشہور مدرسہ اس فن کا تھا داخل ہوا - اور بڑے بڑے نامی اُستادوں سے تعلیم پاکر چوبیس برس کی عمر میں ایم ڈی کی ڈگری حاصل کی اور وہاں سے اپنے وطن انگلینڈ میں واپس آکر لندن میں سکونت اختیار کی - سنہ سولہ سو پندرہ (۱۶۱۵ع) میں یہہ شخص انگلستان کے ایک طبی مدرسہ میں فن تشریح اور جراحی کا لیکچرار مقرر ہوا - اور یہاں اسنے اپنی تحقیقات کے جدید مسئلہ دوران خون کو ظاہر کیا - اور کئی برس تک انگلینڈ اور یورپ کے اور ملکوں کے ڈاکٹروں کے ساتھ بحث مباحثے کرکے اس مسئلہ کو ثابت کر دکھایا - ڈاکٹر ہاروے اپنی لیاقتوں کے باعث انگلستان کے بادشاہ جیمس(۵) اوّل کا طبیب مقرر ہوا - اور اس کے بعد بادشاہ چارلس(۶) اوّل کا بھی بہت اعتماد رہا - اور جبکہ اسکی شہرت و ناموری تمام فرنگستان میں پھیل چکی تھی تیسری جون سنہ سولہ سو ستاون (۱۶۵۷ع) کو اسی برس کی عمر میں مرض فالج سے قضا کی ! حقیقت یہہ ہے کہ ان دونوں محققوں کے ان نئے مسائل خصوص ہاروے کے مسئلہ دوران خون نے فن طب میں ایسے عجیب انقلاب پیدا کئے ہیں کہ گویا طبابت قدیم کے اصول ہی کو بدل ڈالا ہے ! (ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا - س م ح -

* Descartes ڈس کارٹس جسکو ڈی کارٹس بولتے ہیں مشاہیر حکماے فرانس سے ہے جو سنہ پندرہ سو چھیانوے (۱۵۹۶ع) عیسوی میں پیدا ہوا تھا اور سنہ سولہ سو پچاس (۱۶۵۰ع) عیسوی میں مرا - یہہ پہلا شخص تھا جسنے علم مناظر و مرایا کے مسائل کو دلائل ہندسی سے ثابت کیا - اور خواص مقناطیس کے باب میں تجربات کثیر حاصل کئے اور بسبب اپنی خاص رایوں کے مجدد علم

(۱) ف و ک س ٹ و ن Folkstone (۲) ک ے ن ٹ Kent
(۳) Cambridge (۴) Padua (۵) James (۶) Charles

اپنے آقا کو فارسی میں ترجمہ کر دیا تھا اور پانچ چھ سال تک بالتخصیص سیر میں مشغول تھا) گفتگو کرتے کرتے تنگ ہو جاتا تھا تو اسوقت ہم اپنے پنڈت کی طرف مخاطب ہو کر کہتے تھے کہ ہاں پنڈت جی! اب آپ کی باری ہے۔ اپنے طور پر بحث کیجئے اور اپنے افسانے سنائیے! چنانچہ وہ نہایت ہی سنجیدگی کے ساتھ۔ یہاں تک کہ اثنائے گفتگو میں کبھی تبسم تک نہ کرتا تھا اپنی باتیں سناتا تھا۔ لیکن آخرکار ہم اس کی کہانیوں اور لڑکوں کی سی دلیلوں سے ناخوش ہو گئے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

فلسفہ مشہور ہے۔ اثبات نفس ناطقہ کی بحث میں اسنے یہ لکھا ہے کہ ہم ہر شے کے وجود کی نسبت شک کر سکتے ہیں لیکن اپنے شک کے وجود کی نسبت شک نہیں کر سکتے اور شک کرنا خود بمنزلہ ادراک ہونیکے ہے اور مدرک ہونا صاحب ادراک کے وجود کی دلیل ہے۔ پس ہمارا یہ کہنا کہ ہم ہیں۔ یا ہم ذی وجود ہیں ایک ایسا جملہ ہے کہ جب ہم ان کو زبان پر لائیں یا اسکے تصور کو دل میں جگہ دیں ہر حال میں اسکی صحت پر ہمکو اطمینان حاصل رہتا ہے اور اس کہنے سے ہمکو نہ صرف اپنے وجود ہی کا علم ہوتا ہے بلکہ اپنے ذی ادراک ہونیکا بھی علم ہوتا ہے اور اس کے بعد کہتا ہے کہ چونکہ ہم اپنے میں ایک ایسی غیر مادی شے پاتے ہیں جو ہر ایک نقصان سے منزہ ہے تو ضرور ہے کہ اسکے لیے کوئی علت ہو۔ کیونکہ علت کے بغیر معلول کا وجود ناممکن ہے اور چونکہ ناقص کامل کی علت نہیں ہو سکتا۔ اسلیئے ہم جو ایک مادی اور ناقص وجود ہیں اسکی علت نہیں ہو سکتے اور اسلیئے ضرور ہے کہ ہمارے سوا اسکی علت کوئی اور ایسا ذی وجود ہو جسکی عظمت اور کمال اور قدرت سے یہ معلول ہمیں خبر دیتا ہے۔ اور جس وجود نے بذریعہ اپنے اس معلول کے ہمارے نفس پر اپنا ایک نشان منقش کر دیا ہے۔ مگر اس نشان سے خود اس علت کا وجود مراد نہیں ہے پس ہمارا ہونا ہمکو خدا کے ہونے کی بھی خبر دیتا ہے۔ س م ح

ہندوؤں کے چار بید اور ان کے نام

ہندوؤں کا یہہ ادّعا ہے کہ خدا نے جسکو وہ اچر[۵۱] (یعنی غیر متحرک) کہتے ہیں - ہمارے واسطے چار بید[۵۲] بھیجے ہیں (بید ایک لفظ ہے جسکے معنی علم کے ہیں) چنانچہ اُن کا قول ہے کہ بید میں سب علوم ہیں - اوّل بید کا نام اتھربن بید ہے دوسرے کا یجُر بید تیسرے کا رگ بید چوتھے کا سام بید -

---

[۵۱] مترجم انگریزی نے اپنی زبان کے لہجہ کے موافق غالبا غلطی سے لفظ اَیشر کو جسکے معنی خدا کے ہیں اچر سمجھا ہے - اور اسی بنیاد پر اصل کتاب میں توسین کے اندر اسکے معنی غیر متحرک کے لکھے ہیں کیونکہ مصنف کی تحریر میں جو حروف شین ایچ حرف شین قرشت کے تلفظ کے لیے مستعمل ہوئے ہیں انکا اکثر یہہ تلفظ زبان انگریزی میں حرف چے یعنی جیم فارسی کا ہے - س - م - ح

---

[۵۲] جس طرح برہما کی عمر کا شمار بے انتہا برسوں سے کرتے ہیں اُسی طرح بیدوں کی نسبت اہل ہند کا یہہ اِدّعا ہے کہ لاکھوں برس سے ہیں - مگر یورپ کے محققوں نے بڑی چھان بین کے بعد انکی تالیف کا زمانہ چودھویں صدی قبل از سنہ عیسوی قرار دیا ہے اور ان کی اس راے کا صحیح ہونا بہت پختگی کے ساتھ ایک مقام سے جسکو سر ایڈورڈ کالبروک صاحب نے بیدوں ہی میں دریافت کیا ہے صحیح ٹھہرتا ہے - چنانچہ تشریح اسکی وہ یون لکھتے ہیں - کہ ہر بید میں علم ہیئت کا ایک ایک رسالہ اس غرض سے لگا ہوا ہے کہ پترے کی ترتیب معلوم ہووے اور اُس سے فرایض منصبی کے اوقات دریافت ہوجایا کریں - پس وہ صریح اور قطعی دلیل جسپر انہوں نے اپنی مذکورہ بالا راے قایم کی ہے یہہ ہے کہ جو مقام راس سرطان اور راس جدی کا اُس رسالہ میں قرار دیا ہے وہ وہی مقام ہے جو چودھویں صدی قبل از سنہ عیسوی میں ان دونوں راسوں کا تھا - پس کچھ شک نہیں ہے کہ بیدوں کی تالیف اِسی زمانہ میں ہوئی تھی - (ماخوذ از تاریخ ہند مولفہ الفنسٹن صاحب) س م ح

ہندوؤں کے چار برنوں اور اُنکے باہم شادی کے ممنوع ہونے کا ذکر

بید کا قول ہے کہ تمام لوگ جیسے کہ وہ حال میں ہیں چار قوموں پر تقسیم ہوں گے۔

اوّل برہمن یعنی حاملان شریعت **دوسرے** چھتری یعنی جنگجو **تیسرے** بیش یعنی سوداگر اور دوکاندار جنکو عرف عام میں بنیا بولتے ہیں۔ **چوتھے** شودر یعنی دستکار اور مزدور۔ اور ان مختلف قوموں کو آپسمیں شادی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یعنی برہمن کی چھتری کے ہاں شادی نہیں ہو سکتی۔ علیٰ ہذا اور قوموں کی نسبت بھی یہی حکم ہے۔

تناسخ ارواح اور جیو ہتیا یعنی قتل حیوانات کی ممانعت اور گائے بیل کے ادب کا بیان۔ اور اسکی نسبت مصنف کی رائے۔

ہندو لوگ تناسخ ارواح یعنی آواگون کے مسئلہ کے قائل ہیں اور جانداروں کے مارنے اور کھانے کو حرام سمجھتے ہیں۔ مگر چھتری اس سے مستثنےٰ ہیں۔ بشرطیکہ وہ گائے اور بیل کا گوشت نہ کھائیں کیونکہ ہندو ان دو جانوروں کا بڑا ادب کرتے ہیں۔ خصوصاً گائے کا اس خیال سے کہ اُسکی دُم پکڑ کر اُس دریا (یعنی بیترنی) سے پار ہوتا ہے جو دُنیا اور آخرت کے مابین حائل ہے۔ ممکن ہے کہ جن لوگوں نے پرانے وقتوں میں ایسے قانون بنائے تھے اُنہوں نے مصر کے چرواہوں کو اسی طرح بائیں ہاتھ سے بھینس یا گائے کی دُم پکڑے ہوئے اور اُن کے ہانکنے کے لئے دائیں ہاتھ میں لاٹھیاں لئے ہوئے دریائے نیل سے پار ہوتے دیکھا ہوگا۔ یا گائے کا ایسا بڑا لحاظ غالباً اس وجہ سے ہوگا کہ وہ ایک نہایت ہی فائدہ بخش جانور ہے۔ اور دودھ اور گھی جو انکی بڑی غذا

جب اس سے حاصل ہوتا ہے اور یہہ کہ بیل زراعت کا بڑا بھاری ذریعہ ہے۔ اور اس وجہ سے گویا کہ گائے بیل اُنکی زندگی کے محافظ ہیں یہہ بات بھی قابل بیان ہے کہ چراگاہوں کی قلت کی وجہ سے ہندوستان میں بہت سے مویشی کا پالنا بھی مشکل ہے۔ کیونکہ سال میں آٹھ مہینے گرمی ایسی سخت پڑتی ہے اور زمین ایسی خشک رہتی ہے کہ مویشی بھوک کے مارے سوروں کی طرح تمام قسم کے خس و خاشاک اور نجاستیں چرجاتے ہیں۔ پس اگر ہندوستان میں فرانس اور انگلستان کی طرح گوشت کھایا جائے تو تمام جانور فوراً نابود ہوجائیں اور ملک بالکل بے زراعت رہجای۔

گاؤکشی کی ممانعت کے باب میں جہانگیر کے ایک حکم کا ذکر

چنانچہ قلت مویشی ہی کی وجہ سے جہانگیر نے برہمنوں کی درخواست پر چند سال کے لیئے گاؤکشی کی ممانعت کردی تھی۔ اور تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ اُنھوں نے ایک ایسی ہی عرضی اورنگ زیب کو بھی دی تھی اور اُسکی منظوری کی خاطر بہت سا نذرانہ دینا چاہتے تھے۔ اور ظاہر کیا تھا کہ پچھلے پچاس ساٹھ سال میں جو مُلک کے بہت سے حصے ویران اور بے تردد رہے اسکی وجہ یہی تھی کہ بیل کم اور گران قیمت تھے۔ شاید ہندوستان کے قدیم اچارجوں کو جنھوں نے ایسے قوانین بنائے تھے یہہ اُمید ہو گی کہ گوشت کھانے کی ممانعت کردینے سے لوگوں کی عادات میں ایک مفید اثر پیدا ہوگا۔ اور جب اُنکو قطعاً یہہ حکم دیا جائیگا کہ وہ جانوروں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آئیں تو وہ آپسمیں بھی بیرحمی کے مرتکب نہوں گے تناسخ

کا مسلہ بھی جانوروں کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے کا باعث ہوا کیونکہ انکو یہہ یقین ہے کہ کسی جانور کو مار ڈالنا یا کھالینا بغیر کسی اپنے باپ دادا کے مار ڈالنے کے ممکن نہیں ہے۔ اور اس سے بڑھ کر اور کوئی گناہ کیا ہوسکتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ برہمنوں کو یہہ خیال بھی ہوا ہو کہ ہمارے ملک میں بجز تھوڑی مدت جاڑے کے موسم کے گائے بیل کا گوشت لذیذ اور صحت بخش بھی نہیں ہوتا

تر کال سندھیا اور روزمرہ کے اشنان کے فرض ہونے کا ذکر اور مصنف کے خیال کے موافق اشنان کے فرض ہونے کی وجہ

بید کی بموجب ہر ہندو کو فرض ہے کہ رات دن میں تین مرتبہ صبح دوپہر اور شام کو مشرق کی طرف مونہہ کرکے پوجا اور تین ہی مرتبہ اشنان کرے اور کم سے کم کھانے سے پہلے تو ضرور ہی نہانا چاہیئے۔ اور ٹھیرے ہوئے پانی کی نسبت بہتے پانی میں نہانا اور پوجا کرنا زیادہ ثواب کی بات ہے !!! یہاں غالباً یہہ اسی بات کا لحاظ کیا گیا ہوگا جسکا ہندوستان جیسی گرم ولایت میں کیا جانا صرف مناسب ہی نہیں بلکہ ازبس فائدہ مند اور ضروری تھا مگر جو لوگ سرد ولایت میں رہتے ہیں یہہ قانون انکے مناسب حال نہیں ہے۔ اور مینے اپنے سفر کی حالت میں اکثر لوگوں کو اس قانون کی پابندی کے باعث دریاؤں اور تالابوں میں کودتے اور غوطے لگاتے اور اگر یہہ میسر نہوں تو سر پر پانی کے بڑے بڑے ڈول ڈالتے اور اس وجہ سے جان کے اندیشہ میں پڑتے دیکھا ہے۔ بعض اوقات مینے ان کے مذہب پر یہہ اعتراض کیا کہ اسمیں یہہ ایک ایسا قانون ہے جسکا سردی کے موسم میں سرد ولایتوں میں عمل میں لانا ناممکن ہے۔ بلکہ اسی سبب سی میرے جی

نیں صاف یہہ بات آئی ہوئی تھی کہ یہہ کچھ خدا کا حکم نہیں ہے اور صرف ایک انسانی ایجاد ہے۔ انہوں نے یہہ ہنسی کا جواب دیا کہ ہم یہہ نہیں کہتے کہ ہمارا قانون ہر جگہہ برتا جا سکتا ہے بلکہ خدا نے یہہ محض ہمارے ہی واسطے بنایا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم غیر شخص کو اپنے مذہب میں نہیں ملا سکتے۔ اور ہم یہہ بھی نہیں کہتے کہ تمہارا مذہب جھوٹا ہے۔ یہہ تمہاری حالتوں اور حاجتوں کے مناسب ہوگا۔ کیونکہ خدا نے جنت میں جانے کے مختلف طریقے مقرر کردیئے ہیں۔ مینے انکو اس بات کا یقین دلانا ناممکن سمجھا کہ تمام روے زمین کے واسطے عیسائی مذہب ہی بنا ہے۔ اور تمہارا مذہب محض ایک قصہ اور بیہودہ بناوٹ ہے۔

برہما بشن مہیش کی پیدائش اور صفات کا بیان۔

بید کا قول ہے کہ جب خدا نے چاہا کہ دنیا کو پیدا کرے تو اپنے اس ارادہ کے پورا کرنے سے پہلے اسنے یہہ تین دیوتا پیدا کئے برہما۔ بشن۔ مہادیو۔ برہما کے معنی تمام موجودات میں رچے ہوئے کے ہیں۔ بشن کے معنی تمام چیزوں میں موجود رہنے والے کے ہیں۔ مہادیو کے معنی بڑا دیوتا۔ !!! برہما کے ذریعہ سے اسنے دنیا کو پیدا کیا۔ بشن کے وسیلہ سے وہ اسکو قائم رکھتا ہے۔ اور مہادیو کے ہاتھوں وہ اسکو نیست و نابود کریگا۔ اور خدا کے حکم سے برہما نے چار بیدوں کو رچا۔ چنانچہ اسی وجہ سے بعض مندروں میں برہما کی مورت چومکھی ہوتی ہے۔

بید میں تثلیث کے مسئلہ کے موجود ہونیکا گمان

یورپین پادریوں سے میری گفتگو آئی ہے

جنکو گمان تھا کہ ہندو بھی اُس اسرار کا جو تثلیث کے مسئلہ میں ہے کچھ نہ کچھ خیال رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بید میں صاف لکھا ہوا ہے کہ یہہ تینؔ وجود اگرچہ بظاہر تین ہیں مگر وہ دراصل ایک ہی خدا ہے۔

برہما بشن مہیش کی جو حقیقت پنڈتوں نے بیان کی اُسکی فہم سے مصنف کی قاصر رہنے کا ذکر۔

یہہ ایک مسئلہ ہے کہ جسکی نسبت مینے پنڈتوں کو نہایت طولانی بحث کرتے سُنا ہے۔ لیکن اُنکا بیان ایسا اُلجھا ہوا ہوتا ہے کہ اُنکی راے صاف طور پر میری سمجھ میں کبھی نہیں آئی۔ بعض اُن میں سے یہہ کہتے ہیں کہ تین وجود جنکا ذکر ہے حقیقت میں تین مستقل وجود ہیں۔ جنکو وہ دیوتا کہتے ہیں مگر وہ یہہ صاف صاف نہیں بیان کر سکتے کہ لفظ دیوتا سے اُنکی اس جگہہ کیا مُراد ہے اور جیسے کہ ہمارے قدیم بُت پرست جینائی[1] اور نیومینا[2] دو نام لیا کرتے تھے اور میری راے میں واضح طور پر وہ کبھی نہیں بیان کر سکتے تھے کہ اُنکی مراد ان الفاظ سے کیا ہے۔ ایسے ہی ہندوستانیوں کے یہہ دیوتا بمنزلہ اُسی جینائی اور نیومینا کے ہونگے۔ بعض نہایت ذی علم پنڈتوں نے گفتگو آنے پر یہہ بیان کیا کہ خدا ایک ہی ہے اور یہہ تینؔ وجود ایک ہی خدا سے مُراد ہے جو تینؔ مختلف صفتوں سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا۔ پالنے والا۔ اور نابود کرنے والا۔ لیکن انہوں نے یہہ نہیں کہا کہ خدا بلحاظ ان تینؔ علحدہ علحدہ صفتوں کے کسی قسم کے جدا جدا وجودوں کا اپنے وجود واحد میں جامع ہے۔

(1) Genii (2) Numina

بر ہما بشن مہیش اور اُن کے اوتاروں کی بابت فادر روآ نام ایک مشنری مقیم آگرہ کا بیان

فادر روآ نے جو آگرہ میں ایک جرمن جیسوٹ مشنری تھے اور سنسکرت خوب جانتے تھے مجھ سے کہا کہ ہندوؤں کی پوتھیوں میں صرف یہی نہیں لکھا کہ تین دیوتا ملکر ایک خدا ہے بلکہ یہہ بھی ہے کہ دوسرے دیوتا یعنی بشن نے نو مرتبہ اوتار لیا ہے یعنی مجسم ہوکر دُنیا میں ظہور کیا ہے - انہوں نے یہہ بھی کہا کہ جب میں شہر روم کو واپس جاتا ہوا شیراز میں ٹھہرا وہاں کارمیلائٹ فرقہ کے ایک پادری نے عمدہ طور سے اِس بات کو تحقیق کردیا کہ ہندوؤں کے مندرجہ ذیل مسائل ہیں !

ہندو کہتے ہیں کہ اُنکی تثلیث کے دوسرے دیوتا یعنی بشن نے نو مرتبہ دنیا میں اسوجہ سے اوتار لیا ہے کہ جو جو پاپ دنیا میں پھیلے ہوے تھے اُن سے لوگوں کو چھوڑایا - جسمیں سے آٹھویں دفعہ کا اوتار لینا بہت مشہور ہے - کیونکہ ہندو کہتے ہیں کہ جب دنیا دَیتوں کی طاقت سے مغلوب ہوگئی تو بشن نے آدھی رات کیوقت کنواری لڑکی کے پیٹ سے پیدا ہوکر اوتار لیا اور دُنیا کو نجات دی - اور اس تمام رات کو آسمان سے پھولوں کی بارش ہوتی رہی اور فرشتے گاتے رہے - یہہ بات کسیقدر عیسائی مذاق کے موافق ہے مگر آگے بڑھکر یہہ کہانی کچھ اور ہو جاتی ہے - کیونکہ ساتھ ہی یہہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اِس اوتار نے ایک دَیت کو مارنا شروع کیا جو آسمان کی طرف اُڑگیا اور وہ ایسا قوی ہیکل تھا کہ اُسنے آفتاب

(1) Father Roa (2) Carmelite

کو ڈھانک لیا۔ اور جب نیچے گرا تو تمام زمین کانپنے لگی اور وہ اپنے ہی بوجھ سے اِسقدر زمین میں دھس گیا کہ فوراً جہنم میں جا گرا۔ اس قوی الجثہ دیت کے ساتھ لڑتے لڑتے بشن جی خود بھی پہلو میں زخم کھا کر گر گئے لیکن اِن کے گرنے سے تمام دشمن بھاگ گئے اور وہ پھر اُٹھے اور دُنیا کو اِس بلا سے چھوڑا کر آسمان پر چلے گئے۔ اور چونکہ اِن کے پہلو میں زخم آگیا تھا اسلئے وہ عموماً زخمی پہلو والے* کے نام سے مشہور ہیں! ہندو یہہ بھی کہتے ہیں مگر بید سے اِسکی تصدیق نہیں ہوتی کہ لوگوں کو سلطانوں کے ظلم سے بچانے کے واسطے دسواں اوتار اَور ہوگا۔ اور ہم عیسائی لوگوں کے اندازہ کے بموجب یہہ اُسوقت ہوگا جبکہ دجّال ظہور کریگا۔ ہندو کہتے ہیں کہ مہادیو بھی دُنیا میں آئے ہیں۔ اور اُنکی نسبت یہہ روایت ہے کہ کسی راجہ کی لڑکی جب سنِ بلوغ کو پہنچی تو اُسکے باپ نے پوچھا کہ تو کس سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ اور جب اُسنے یہہ جواب دیا کہ میں بجز کسی دیوتا کے اور سے شادی کرنا نہیں چاہتی۔ تو مہادیو آگ کا روپ دھار کر راجہ کے

---

* اگرچہ ہمنے اپنے بعض دوست پنڈتوں کی معرفت بہت سی کوشش کی کہ بشن پران کی جس کتھا سے ڈاکٹر برنی آر نے یہہ مضمون لیا ہے اُس سے صحت اور تشریح اسکی کیجائے خصوصاً بشن سہنسر نام میں سے بشن کا وہ لقب صحیح کر کے لکھا جا جس کے معنی بلحاظ اُس کتھا کے زخمی پہلو والے کے ہوں۔ مگر اطمینان کے لایق کوئی بات حاصل نہوئی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح غیر مُلک کے لوگ بعض اوقات غلطیاں کیا کرتے ہیں اُسی طرح یہاں بھی کچھ خلط مبحث ہوگیا ہی اور سری کرشن جی جو بشن کے اوتار تھے کچھ تو اُنکی ولادت وغیرہ کی کتھا اور کچھ بشن کی کتھا کو باہم ایسے طور پر ملا دیا گیا ہی کہ جس سے کسی اصل کتھا کے ساتھ یہہ بیان مطابق نہیں ہوتا۔ (س م ح)

سامنے آئے اور راجہ نے بیٹی کو اس پر مسرت واقعہ کا حال کہلا بھیجا اور وہ بلا تامل شادی کرنے پر راضی ہوگئی۔ اور مہادیو اس آگ ہی کی شکل میں راجہ کے دربار میں بلائے گئے اور جب انہوں نے دیکھا کہ راجہ کے وزیروں کی رائے شادی کی نسبت نہیں ہے تو انہوں نے اول انکی داڑھیاں جلا ڈالیں اور پھر ان سب کو مع راجا کے خاندان کے جلا کر بھسم کر دیا اور اسکے بعد راج کنیاں سے شادی کر لی! اتشن جی کی نسبت ہندوؤں کا یہہ بیان ہے کہ ان کا پہلا اوتار شیر کا دوسرا سؤر کا تیسرا کچھوے کا۔ چوتھا سانپ کا۔ پانچواں صرف ایک ہاتھ بھر کی بونی برہمنی کا چھٹا شیر کی شکل کے آدمی کا۔ ساتواں مچھ کا۔ آٹھواں جو اوپر بیان ہوچکا ہے نواں بغیر دم کے بندر کا اور دسواں اوتار ایک بڑی بہادر کا ہوگا[۵۱]! مجھے اس میں کچھ شک نہیں کہ فادر روآ کو ہندوؤں کے مسائل کی واقفیت بیدوں سے حاصل ہوئی تھی اور انہوں نے جو کچھ مجھ سے بیان کیا بیشک ہندوؤں کے مذہب کی یہی بنیاد ہے۔

---

۵۱ مصنف نے پادری روآ کے قول کے موافق اوتاروں کی بابت جو یہہ مضمون لکھا ہے اسمیں کئی غلطیاں ہیں جسکو ہم پنڈتوں سے بڑی تحقیق کے بعد بیان کرتے ہیں۔ اول یہہ کہ شیر کا اوتار کوئی نہیں ہوا۔ دویم یہہ کہ بونے برہمن کا اوتار ہوا ہے بونی برہمنی کا نہیں ہوا جیساکہ پادری روآ نے بیان کیا ہے۔ سویم یہہ کہ بغیر دم کے بندر کا کوئی اوتار نہیں ہوا اور جیساکہ آئین اکبری میں بہت سی شرح و بسط کے ساتھ درج ہے! ہندو شاستروں کے موافق اوتار دو قسم کے ہیں۔ اول پورن اوتار دویم انش اوتار۔ پورن اوتار وہ ہیں جو علیٰ وجہ الکمال ذات الٰہی کے مظہر ہوئے ہیں۔ اور انش اوتار وہ ہیں کہ جن میں ذات باری نے من وجہٍ ظہور کیا ہے۔ اگرچہ شمار اوتاروں کا چوبیس تک بھی مانتے ہیں مگر منجملہ انکے

مصنف کے ایک رسالے اور فادر کرز کرز کی ایک کتاب کا ذکر

کچھ عرصہ ہوا کہ میں نے مذہب ہنود کی نسبت ایک رسالہ لکھا تھا اور ہندوؤں کے مندروں کے بتوں کی بہت سی مورتوں کی تصویریں مع سنسکرت کے حرفوں کے اپنی اُس کتاب میں لگائی تھیں مگر میں دیکھتا ہوں کہ میری کتاب کا جو لُب لباب تھا وہ فادر کرز کرز کی کتاب سے جو چاینا السٹریٹا [*] میں موجود ہے۔ اور فادر کرز کرز Kerker کو فادر رُوآ سے جب وہ روم میں تھے معلومات کا ایک معتدبہ حصہ حاصل ہوا تھا۔ اسلیئے میں آپکو فادر موصوف کی کتاب کے مطالعہ کی صلاح دیتا ہوں مگر ہاں اس جگہہ مجھے یہہ ضرور کہنا چاہیئے کہ لفظ انکارنیشن [+] (یعنی ظہور ربانی بحیثیت اوتار) جسکو اُس محترم فادر نے استعمال کیا ہے مجھکو نیا معلوم ہوا۔ کیونکہ پہلے مینے اس لفظ کو ٹھیک اِن معنوں میں بولے جاتے کبھی نہیں سنا تھا۔

لفظ اوتار اور دیوتا سے ہندوؤں کی کیا مراد ہے

بعض پنڈتوں نے مجھ سے اپنا مسئلہ اس طرح بیان کیا کہ جن مختلف صورتوں کا اوپر ذکر ہوا ہے اگلے زمانہ میں اِن میں خدا ظہور فرما رہا ہے۔ اور مندرجہ بالا عجائبات اُسنے انہیں صورتوں میں پورے کیئے ہیں۔

ہندوؤں کے نزدیک بعض بہادر اور سورما بھی دیوتا ہو گئے ہیں

بعض پنڈتوں کا یہہ قول تھا کہ بڑے بڑے نامور سورما اور بہادروں کی روحیں جنکو ہم فرنگستان والے ہیرو کہتے ہیں اُن مختلف جسموں میں جن کا اوپر

فائدہ دس اوتار منصلہ ذیل لاتفاق مانے جاتے ہیں اول مچھ دویم کورم سویم باراہ چہارم نرسنگھ پنجم بامن ہیرو دفساد ان ششم

* China Illustrata + Incarnation

ذکر جو اب آتی رہی ہیں - اور وہی دیوتا ہو گئے ہیں یا اگر قدیم بُت پرستوں کی اُن اصطلاحوں میں جن سے ہم واقف ہیں کہا جاوے تو وہ طاقت ور دیوتا نیومینیا جینیائی ڈیمین (بمعنی دیو) خواہ یہہ کہو کہ سپرٹ (بمعنی روح) اور فیری (بمعنی پری) بنگئے - کیونکہ ہندوستانی لفظ دیوتا کے معنی بجز الفاظ مذکورہ بالا میں بیان نہیں کرسکتا -

ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح انسانی پرم آتما یعنی ذات الٰہی کا ایک جز ہے ——

لیکن جب یہہ خیال کیا جائے کہ ہندوؤں کا یہہ اعتقاد ہے کہ ہماری روحیں ذات الٰہی کی جزو ہیں تو یہہ دوسرے معنی بھی قریباً پہلے ہی معنی بن جاتے ہیں -

بعض ہندوؤں کے نزدیک اوتار اور راکھس کے لفظ سے خدا کی مختلف صفتیں مراد ہیں -

بعض پنڈتوں نے یہہ عمدہ تشریح کی کہ جن اوتاروں یا راچھسوں کا ہماری پوتھیوں میں ذکر ہے اِن کے معنی پوشیدہ ہیں اور اِن سے یہہ غرض ہے کہ خدا کی مختلف صفات ظاہر ہوں نہ یہہ کہ اِن کے لفظی معنی لئے جاویں -

بعض پنڈتوں کے نزدیک اوتاروں کے قصے محض مذہبی افسانے ہیں -

بعض نہایت فاضل پنڈتوں نے آزادانہ صاف طور پر یہہ کہا کہ اِن اوتاروں کے قصّہ سے زیادہ لغو اور کوئی قصہ نہیں ہے اور اُن اچارجوں نے جنہوں نے قوانین مذہبی کی کتابیں بنائی تھیں

(بقیہ) پرسرام ساتواں رام یعنی رامچندر جی مہاراج آٹھویں سری کرشن مہاراج نہم بودھ دسواں کلکی جسکا ابتک ظہور نہیں ہوا - س م ح

ان کو صرف اس غرض سے ایجاد کر لیا تھا کہ لوگ کسی نہ کسی قسم کے مذہب کے پابند رہیں۔

آتما اور پرم آتما کے ایک ہونے پر مصنف کا اعتراض ——

ہندوؤں کا عموماً یہہ عقیدہ ہے کہ ہماری روحیں ذات باری کے جزو ہیں اور باوجود اسکے اس منطقی برہان کو نہیں سمجھتے ہیں کہ درحالیکہ وہ خود خدا ہیں پھر اپنے اوپر کس لیئے کسی پوجا پاٹ اور مذہبی پرستش کو قائم کرتے اور نرگنٹ اور نرک اور سرگ کو مانتے ہیں۔ اور تعجب ہے کہ باوجود ایسے قوی عتراض کے بھی پنڈت لوگ یہہ کہتے ہیں۔ کہ اس سے اوتاروں کے وجود اور ہدایت میں ہرگز کسی طرح کی قباحت لازم نہیں آتی۔ بلکہ انکی حقیقت کو بطور ایک مذہبی اسرار کے ماننا ضروریات سے ہے۔

ہنری لار صاحب اور ابراہام راجر صاحب کی عمدہ کتابوں کا ذکر جو ہندوؤں کے علوم و فنون کے باب میں ہیں

ہنری لار صاحب[1] اور ابراہام راجر صاحب[2] کا اُتنا ہی ممنون ہوں جتنا کہ فادر کرکر اور فادر روآ کا کیونکہ اگرچہ مینے ہندوؤں کی نسبت بہت سے حقایق جمع کیئے تھے مگر بعد ازاں۔ ان صاحبوں کی لکھی ہوئی کتابوں میں دیکھا کہ انہوں نے حقایق و حالات مذکورہ کو ایک نہایت نظم و ترتیب سے لکھا ہے۔ جن کو بغیر بڑی مشقت اور جانکاہی کے میں اُس خوبی سے نہیں لکھ سکتا۔ اسلیئے میں ہندوؤں کے علوم و فنون کی نسبت بلا لحاظ نظم و ترتیب ایک سیدھے اور

(1) Henry lar (2) Ibraham Rager

عام طور پر مختصراً لکھتا ہوں۔

شہر بنارس ہندوؤں کا دار العلم ہے

شہر بنارس* جو دریائے گنگا کے کنارے ایک خوبصورت موقع پر اور ایک بڑے خوشنما اور نہایت ہی زرخیز ملک میں واقع ہے۔ ہندوؤں کا دار العلم خیال کرنا چاہیئے۔ اور یہہ ہندوستان میں اُسی مرتبہ کی جگہہ ہے جیساکہ یونانیوں کے لیئے شہر ایتھنز[1] تھا۔

* مترجم انگریزی نے کرنل جارج فاسٹر[2] صاحب نامے ایک انگریز سیاح کی تحریروں سے شہر بنارس کی نسبت ایک حاشیہ لکھا ہے جسکو دلچسپ سمجھکر ہم بھی اپنے اس ترجمہ میں بطور خلاصہ نقل کرتے ہیں قولہ۔ شہر بنارس اپنی دولتمندی اور عالیشان عمارتوں اور کثرت آبادی کی وجہ سے اُن شہروں میں جو بالفعل ہندوؤں کے قبضہ میں باقی ہیں اوّل درجہ کا شہر گنا جاتا ہے۔ اس شہر میں ہندوؤں کے بیشمار دیوتاؤں کے بیشمار مندر ہیں اور یہہ شہر ہندوؤں کے باقی ماندہ علوم و فنون کا گویا مخزن ہے۔ جب کوئی شخص گنگا کے راستہ سے اس شہر کو آتا ہے تو اُسکو آٹھ میل کے فاصلہ سے ایک مسجد کے دو بلند مینار نظر پڑتے ہیں۔ جسکو اورنگ زیب نے مہادیو کے ایک قدیمی مندر کی بنیادوں پر تعمیر کرایا تھا ہندوؤں کی ایسی متبرک جگہہ پر ایسی باشان و شوکت اسلامی عمارت کے بنانے سے جو اپنی بلندی کی وجہ سے بزبان حال اپنے غلبہ اور فتحمندی کو جتا رہی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب کے دل میں یہہ بیہودہ خواہش پیدا ہوئی ہوگی کہ ہندوؤں کے مذہب کی تحقیر کروں۔ اگر فی الواقع اُسکی یہی خواہش تھی تو وہ حقیقت میں کامل طور پر کامیاب ہوا!!! ان میناروں پر سے تمام شہر بخوبی نظر آتا ہے۔ جو گنگا کے مشرقی کنارے پر طولاً ڈھائی میل اور عموماً ایک میل تک عرض میں آباد ہے۔ اکثر مکانات اس شہر میں پتھر کے بہت اونچے اونچے بنے ہوئے ہیں۔ مثلاً کوئی چھ منزل اور کوئی سات منزل تک ہے۔ یہہ پتھر جو اس نواح میں بکثرت دستیاب ہوتا ہے۔ اُس قسم کا ہے جو فرنگستان میں پورٹ لینڈ[3] کی کان سے نکلتا ہے۔ لیکن شہر کے گلی کوچے جسمیں یہہ اونچی اور مستحکم عمارتیں بنی ہوئی ہیں ایسے تنگ ہیں کہ دو گاڑیاں بھی برابر نہیں چل سکتیں۔ علاوہ اُس ضرر جس کے جو

(1) Athens (2) George faster (3) Part land

بنارس میں پنڈتوں کے طرز بود و باش اور تعلیم و تعلّم کا بیان

یہاں برہمن اور پنڈت ہر ملک سے آتے رہتے ہیں اور صرف یہی لوگ ہیں جو اپنی اوقات تحصیل علوم اور مطالعہ میں صرف کرتے ہیں۔ اس شہر میں ہماری یونیورسٹیوں کی طرح کوئی کالج یا باقاعدہ جماعتیں نہیں ہیں بلکہ قدیم زمانہ کے مکتبوں کی سی حالت ہے۔ اُستاد یعنی پنڈت شہر کے مختلف حصّوں میں اپنے اپنے گھروں اور خصوصاً شہر کے باہر باغوں میں جہاں رہنے کی بڑے بڑے ساہوکاروں نے اِن کو اجازت دے رکھی ہے رہتے ہیں۔ بعض کے پاس چار شاگرد ہوتے ہیں بعض کے پاس چھہ سات۔ اور جو بڑا ہی فاضل پنڈت ہو اُسکے پاس بارہ یا پندرہ مگر اس سے بڑھکر تعداد نہیں ہوتی۔ یہہ ایک معمولی بات ہے کہ یہہ شاگرد دس بارہ سال تک اپنے اپنے اُستادوں کے زیر تعلیم رہتے ہیں مگر اس عرصہ میں اُنکی تعلیم بہت آہستہ آہستہ ہوتی ہے کیونکہ عموماً

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

اِن مکانات کے بے ڈھنگے پن سے ہوا میں پیدا ہوتا ہے گرمی کے موسم میں اُس پانی سے جو شہر میں بہت سی جگہہ بھرا رہتا ہے ناقابل برداشت بو آتی ہے۔ اور یہی پانی مع اپنے کناروں کی زمین کے اہل شہر کی حوایج ضروریہ کے لئے مختص ہے۔ اسکے علاوہ میل کچیل جو اہل شہر اپنے گھروں سے نکال کر گلی کوچوں اور راستوں پر ڈالدیتے ہیں اُسی جگہہ پڑی رہتی ہے۔ کیونکہ ہندوؤں میں ستھراپن بہت ہی کم ہے۔ اور یہہ ایک اَور ذریعہ ہے جو اَور بدبوؤں میں شامل ہوکر باعث کثرت عفونت ہوجاتا ہے۔ یہہ شہر اپنی عمدہ عمارات کے سبب سے اُن تمام بڑے بڑے شہروں پر فوق رکھتا ہے۔ جنکے دیکھنے کا مجھے ہندوستان میں اتفاق ہوا ہے۔ بشرطیکہ اُسکی گلیاں ایسی بیقاعدہ اور تنگ اور طرز تعمیر ایسا گنجان نہوتا جنسے عمارات شہر کی زیب و زینت کے لطف کو کھو دیا ہے۔ (م م ح)

ہندوستانیوں کی طبیعت زیادہ تر انکی غذا اور ملک کی گرمی کی وجہ سے کاہل ہوتی ہے اور چونکہ ان میں نہ تو مسابقت کا جوش وغیرہ ہی ہوتا ہے اور نہ یہہ اُمید ہوتی ہے کہ اگر معمولی اندازہ سے کچھ زیادہ کمال حاصل کرینگے تو کوئی بار آور پیشہ اور اعزاز یعنی خطاب فضیلت حاصل ہوسکتا ہے - اسلئے یہہ لوگ معمولی اور سست طور پر اپنی تحصیل کو جاری رکھتے ہیں اور ایام طالب علمی میں انہیں کھانے کو صرف کھچڑی ملتی ہے جو بعض دولتمند ساہوکاروں کی طرف سے اِن کے لیئے تیار ہوا کرتی ہے

زبان سنسکرت اور اُسکی قدامت کا بیان

سب سے اوّل سنسکرت سکھلائی جاتی ہے جو ایک ایسی زبان ہے جسکو صرف پنڈت ہی جانتے ہیں - اور اُس بولی سے جو آجکل ہندوستان میں بولی جاتی ہے بالکل مختلف ہے - فادر کرز کرنے جو ایک الف بے تے چھپوا کر مشتہر کی ہے وہ سنسکرت ہی کے حروف ہیں اور اُن کو یہہ حروف فادر روآ سے حاصل ہوئے تھے - لفظ سنسکرت کے معنی خالص یا منجھی ہوئی زبان کے ہیں - اور چونکہ ہندوؤں کا یہہ اعتقاد ہے - کہ خدا نے چار بید برہما کے ذریعہ سے سنسکرت ہی میں بھیجے تھے اسلیئے وہ اِسکو دیو بھاشا یعنی زبان مقدّس یا زبان الٰہی کہتے ہیں - اُن کا قول ہے مگر میں نہیں جانتا کہ کس دلیل سے ہے کہ یہہ زبان ایسی ہی قدیم ہے جیسے کہ خود برہما اور برہما کی عمر کا شمار لاکھوں برس سے کرتے ہیں - لیکن چونکہ انکی مذہبی کتابیں جو حقیقت میں نہایت پُرانی ہیں - اِسی زبان میں ہیں اسلیئے اسکے غایت درجہ قدیم ہونے کو نہ ماننا ناممکن ہے - سنسکرت

میں فلسفہ اور طب کی کتابیں نظم میں ہیں اور اِن کے سوا بہت سی اور طرح طرح کی کتابیں بھی ہیں کہ جن سے بنارس میں ایک بہت بڑا کمرہ بالکل بھرا ہوا ہے۔

پورانوں کی تعلیم اور بیدوں کی ضخامت اور کمیابی وغیرہ کا ذکر۔

جب طالب علم اِس قدیم اور مشکل زبان کی واقفیت حاصل کر لیتے ہیں۔ اور میں اسے مشکل اسوجہ سے کہتا ہوں کہ اسکی صرف ونحو اچھی نہیں ہے۔ تو عموماً پُرانوں کو پڑھتے ہیں۔ جو بیدوں کی تشریح یا اختصار ہوتا ہے۔ یہہ کتابیں جو مجھے بنارس میں دیکھلائی گئی تھیں اگر وہ بید ہی تھے تو بڑی ضخامت کی ہوتی ہیں اور یہہ ایسی نایاب ہیں کہ میرے آقا کو باوجود بڑی تلاش اور شوقِ خریداری کے ایک کتاب بھی نہیں ملی۔ ہندو اِنکو بڑی ہوشیاری سے چھپائے رکھتے ہیں کہ مبادا مُسلمانوں کے ہاتھ لگ جائیں۔ اور جیسا کہ اکثر* ہوا ہے جلادی جائیں

---

* "اکثر ہوا ہے" کہنا صحیح نہیں ہے۔ مؤلف کتاب آئینہ تاریخ نما جو زمانہ حال کے قابل لوگوں میں سے جین مت کا ایک بہت باخبر ہندو مصنّف ہے اور جسکا طرز تحریر ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کی نسبت نہایت متعصبانہ ہے۔ اور جس نے اُن کے عیب چُن چُن کر اپنی کتاب میں درج کئے ہیں باوجود بڑی تلاش اور جستجو کے اُسکو بھی اس قسم کی صرف ایک ہی بات ملی ہے۔ چنانچہ کتاب فتوحات فیروزشاہی کے حوالہ سے وہ لکھتا ہے کہ "کچھ ہندوؤں نے ملکر موضع کوہانہ میں بُت خانہ بنایا تھا۔ پس میں نے (یعنی فیروزشاہ تغلق نے) حکم دیا کہ انکی پوتھیاں اور تمام بُت اور پوجا کے برتن سب اُسی جگہہ پھونک دئے جائیں" مگر ہندوؤں پر کیا منحصر ہے فیروزشاہ نے تو شیعہ مذہب کے مسلمانوں کی کتابیں بھی جلوادی تھیں۔ چنانچہ [illegible]

فلسفہ کی تعلیم کا ذکر

پُرانوں کے بعد بعض طالب علم تحصیل علم فلسفہ پر اپنا جی لگاتے ہیں - مگر حقیقت یہہ ہے کہ وہ اسمیں ترقی بہت کم کرتے ہیں اور یہہ تو میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ ہندوستانیوں کی طبیعتیں سست اور کاہل ہوا کرتی ہیں - اور جیسا کہ یورپ کی یونیورسٹیوں میں کسی معزز پیشہ میں ترقی کرنے کی خاطر لوگوں کو شوق ہوا کرتا ہے وہ اِن کو مطلقاً نہیں ہوتا -

بہت شاستروں اور اُن کے پیرووں کا بیان

ہندوستان میں جو بڑے بڑے اچارج (حکیم) ہوے ہیں اُن میں چھ شخص بہت نامور ہیں جو ہندوؤں کے علیحدہ علیحدہ چھ* فرقوں کے بانی ہیں - اور اس اختلافِ عقائد کے

بقیہ نوٹ ۱ لکھتا ہے کہ "فرقہ شیعہ کے بعض لوگوں نے اہل سنّت کو اپنے مذہب میں لاناچاہا تھا اور کتابیں اور رسالے بھی اس باب میں لکھے تھے - تب مینے (یعنی فیروزشاہ نے) ان سب رافضیوں کو گرفتار کیا اور جو جو اُن کے سردار تھے اُن کو سیاست میں ڈالا - اور اُنکی تمام کتابوں کو آگ سے جلوادیا - اور مسبوق الذکر مؤلف اِس سے چند صفحے پہلے طبقات ناصری کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ "قطب الدین ایبک کے زمانہ میں بختیار خلجی نے شہر بہار کو جب فتح کیا تو ہندوؤں کا وہاں ایک کتب خانہ نہایت عظیم الشان دستیاب ہوا - لیکن قتل عام ہوجانیکے باعث سے کوئی آدمی اُن پوتھیوں کا مضمون بتانے والا نہ مل سکا" جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بختیار نے اُن پوتھیوں کو جلوایا نہیں بلکہ برعکس اسکے وہ اِن کے مضمون سے واقف ہونا چاہتا تھا - س م ح

* مصنف نے جن چھ فرقوں کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہ ہیں - اوّل نیا اشک یعنی پوربا میمانسا شاستر کے پیرو جسکی بنیاد جیمنی+ رشی سے ہے - اسکی دو شاخیں ہیں ایک قدیم جو جیمنی کے اصول کی پیرو ہے دوسری جدید جسکا بانی بیاس+ جی کو بتاتے ہیں اور ویدانتی کہلاتے ہیں - تیسرا نیائک یعنی منطقی فرقہ جسکا بانی گوتم+ ہوا - اس

+ [illegible] گ وٗ تَ م

باعث اُنکے پیرووں کے باہم ازبس رشک اور بحث مباحثہ رہا کرتے ہیں۔ کیونکہ ہر فرقہ کے پنڈت یہی ادعا کرتے ہیں کہ ہمارے ہی مسائل سب سے زیادہ صحیح اور بید کے موافق ہیں۔

بودھ مت اور اُسکے پیرووں کا ذکر

اور ساتواں فرقہ بودھ کے پیرووں کا ایک ہو گیا ہے جسکی بارہ شاخیں ہیں۔ لیکن اس فرقہ کے لوگ شمار میں بہت کثرت سے نہیں ہیں جیسے اَور فرقوں کے ہیں اور انکو [illegible] اور دہریہ کہا جاتا ہے۔ اور قابل نفرت اور حقیر شمار کئے جاتے ہیں اور یہہ لوگ ایک ایسے طریق سے زندگی بسر کرتے ہیں جو انہیں سے مخصوص ہے

First principles

پیدائش و وجود کے بارے میں ہندوؤں کے مختلف مذاہب کا ذکر

ہندوؤں کی تمام پوتھیوں میں سب درست پرنسپلز یعنی اصول و مبادی اشیاء کا ذکر ہے لیکن طرز بیان میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔

بعضے اجزاے لا یتجزی کو کائنات کی اصل مانتے ہیں

چنانچہ بعضے تو یہہ کہتے ہیں کہ ہر چیز چھوٹے چھوٹے ناقابل التقسیم اجسام سے مرکب ہے۔ اور یہہ ناقابلیت انقسام اسوجہ سے نہیں ہے کہ وہ سخت یا غیر متخلخل اور ٹھوس وغیرہ ہیں۔ بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وہ بدرجہ غایت چھوٹے ہیں اور

فرقہ کے بعض [illegible] کے مسائل منطق سے [illegible] شاستر [illegible] پانچواں سانکھ جس کا بانی کپل منی ہوا۔ چھٹا [illegible] شاستر [illegible] دونوں فرقے [illegible] مختلف ہیں۔ ان سب فرقوں کے مسائل کی تفصیل اگر [illegible] مباحث کی [illegible] کے [illegible]

اِس خیال پر وہ اپنے اور بہت سے تصوّرات کی بنیاد قائم کرتے ہیں جو کسی قدر ڈِمی ناک رِیٹس* (ذی مقراطیس) اور اپی کیورس کے
Epecurees Demaeritus
خیالات سے مشابہ ہیں - لیکن وہ اپنے خیالات کو ایسے غیر منضبط اور ناتحقیق طور پر ظاہر کرتے ہیں کہ اِن کا مطلب سمجھنا مشکل ہے - اور خواہ کیسے ہی بڑے فاضل مشہور ہیں - لیکن اگر انکی بیحد نافہمی پر غور کیا جاے تو اسمیں محل شبہ ہے کہ آیا یہہ بیہودگی اُن کتابوں کے اصل مصنفوں سے منسوب ہونی چاہیئے یا کہ اُنکے اِن مترجموں اور شارحوں سے زیادہ تر منسوب ہوسکتی ہے

---

* یہہ مشہور یونانی حکیم جو سنہ عیسوی سے چار سو اکہتر برس پہلے پیدا ہوا تھا بہت سے لوگوں نے اسکی تقلید کی ہے اور علوم حکمیہ اس سے سیکھے ہیں - چنانچہ اپی کیورس بھی جسکا ذکر متن میں ہے - اِسی کا شاگرد تھا - اس کا اعتقاد تھا کہ تمام اجسام کی بُنیاد ایسے چھوٹے چھوٹے اجزا ہیں جو باعتبار اپنی طبیعتوں کے ہم شکل اور باعتبار صورتوں کے مختلف اور ایسے سخت ہیں کہ اُنکی تقسیم صرف وہم ہی سے ممکن ہے - اور یہہ کہ یہہ اجزا باعتبار شمار کے غیر متناہی اور ایسی خلا کے اندر جسکی کوئی حد نہیں پھیلے ہوئے اور دائم الحرکت ہیں - پس کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہہ اجزا آپس میں ٹکراتے اور کبھی خاص صورت پر اکٹھے ہو جاتے ہیں اور انکے اس اتفاق اور اجتماع ہی سے جہان کا وجود ہے - ! اور یہہ کہ ہمارے اس جہان کے مانند بے شمار جہان ہیں جو ایسی ہی نظم و ترتیب کے ساتھ خلاء غیر متناہی کے اندر موجود ہیں - لیکن اسکی راے میں امورات جزئی یعنی حیوانات اور نباتات کے وجود کا سبب اجزاء مذکور کا اتفاقاً باہم ٹکرانا اور مجتمع ہو جانا نہیں ہے - اِسکے شاگرد اپی کیورس کی بھی یہی راے ہے اور اُسکا قول ہے کہ ترکیب کی حالت میں یہہ اجزا حقیقتاً آپس میں نہیں جاتے بلکہ صرف باہم چمٹ جاتے ہیں اور اجسام محسوسہ کے اندر بالفعل موجود اور ایک دوسرے سے متمیز رہتے ہیں پس اجسام محسوسہ کا اتصال حقیقی اتصال نہیں ہے بلکہ صرف اِن اجزا کی باہم چمٹے رہنے کا نام ہے [ماخوذ از تاریخ التواریخ]

بعض مادہ اور صورت کو اصل قرار دیتے ہیں

بعض کا قول ہے کہ ہر چیز "مے ٹر"[1] اور "فارم"[2] یعنی مادہ صورت سے مرکب ہے۔ لیکن کوئی پنڈت مادہ اور صورت کو صاف صاف بیان نہیں کرسکتا۔ اور مادہ کی بابت تو کچھ بیان بھی کرتے ہیں مگر صورت کی نسبت بہت ہی کم تشریح کرسکتے ہیں۔ بہرحال اُن کا بیان صرف اسیقدر قابلِ فہم ہے کہ اُس سے مجھے ظاہر ہوگیا کہ یہہ لوگ ان دونوں میں سے کسی ایک کو اُتنا بھی نہیں سمجھتے جتنا کہ یہی لفظ ہماری مدارس میں جبکہ قوّت مادّیہ میں سے صورت نوعیہ کے ظہور کا مسئلہ بیان کیا جاتا ہے۔ طالب علموں کو ایک معمولی طور پر سمجھا دیئے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ ہمیشہ مصنوعی چیزوں کی مثالیں دیتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ ملائم مٹی بطور مادّہ کے ہے اور کمہار اُسکو پھرا پھرا کر جو طرح طرح کی شکلیں بنالیتا ہے یہہ صورت ہے۔

بعضے عناصر اربعہ اور اکاش کو موجودات کی اصل جانتے ہیں۔

بعض کی یہہ راے ہے کہ ہر چیز عناصر اربعہ اور "نتھنگ" یعنی اگاش سے مرکب ہے۔ لیکن وہ عناصر کے استحالہ یا آپسمیں مل جانے کے نسبت کچھ نہیں کہتے۔

لفظ اکاش کا لفظ پرائی ویشن کے قریب المعنی ہونا۔

اور نتھنگ[3] یعنی اکاش کی جو ہمارے لفظ پرائی ویشن[4] یعنی عدم مطلق کے قریب المعنی ہے کئی قسمیں بتلاتے ہیں۔ جنکو میں خیال کرتا ہوں کہ نہ تو وہ خود سمجھتے ہیں نہ دوسرے کو سمجھا سکتے ہیں۔

---

(1) Matter (2) Form (3) Nothing

(4) Privation

بعض کے نزدیک نور و ظلمت اصل اوّل ہے۔

بعض نور اور ظلمت ہی کو اصل اوّل مانتے ہیں۔ اور اس رائے کی تائید میں وہ ایسے بیہودہ دلائل پیش کرتے ہیں جو صحیح فلسفہ کے خلاف محض ہیں اور ایسی ایسی طول طویل قیل و قال کرتے ہیں کہ جسکو صرف عامی اور ناخواندہ لوگوں ہی کے کان سن سکتے ہیں

بعض کے نزدیک ایک یا چند پرائی ویشن ہی اصل اصول ہیں

بعض ایک یا چند پرائی ویشنوں ہی کو اصل اصول تسلیم کرتے ہیں۔ جنکو وہ نتھنگ سے جدا سمجھتے ہیں اور جنکی تعداد کی نسبت ایک ایسا غیر حکیمانہ طول طویل اندازہ کرتے ہیں کہ مجھے یقین نہیں ہے کہ ایسی جزوی باتوں کی خاطر ان کے مصنفوں نے قلم اٹھا کر کچھ لکھا ہو۔ اور اسلئے نہیں کہا جا سکتا۔ کہ انکی کتابوں میں بہ بیہودہ باتیں موجود ہوں۔

بعضے سمبندھ ہی کو اصل سمجھتے ہیں

بعض قائل ہیں کہ ہر چیز اتفاق کا نتیجہ ہے یعنی جسکو پنڈت لوگ سمبندھ کہتے ہیں۔ اور اسکی نسبت بھی وہ ایسی لمبی چوڑی عجیب تقریریں کرتے ہیں جو جاہل لوگوں ہی کے لائق ہوتی ہیں۔

ہندوؤں کے نزدیک اصول مبادی اشیا ازلی و ابدی ہیں۔

ان تمام اصول کی نسبت پنڈتوں کا اتفاق ہے کہ یہ ازلی و ابدی ہیں۔ انکا نفس سے کائنات کے پیدا ہونے کی نسبت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف اتنا ہی سمجھے ہوئے ہیں جتنا کہ بہت سے قدیم حکما کے دل میں خیال تھا۔ مگر البتہ وہ کہتے ہیں کہ ایک اچارج نے اس مسئلہ کی نسبت کچھ لکھا ہے (یعنی اس بحث کو کسی قدر شرح اور بسط سے تحریر کیا ہے۔

> ہندوؤں کی طب کی کتابوں کا ذکر

علم طب میں ہندوؤں کے پاس بہت سی چھوٹی چھوٹی کتابیں ہیں۔ لیکن بجاے اسکے کہ کوئی باترتیب کتاب ہو ان کو صرف نسخوں کے مجموعے کہنا چاہیئے۔ اور ان میں سب سے پرانی اور بڑھ کی کتابیں نظم میں لکھی ہوئی ہیں۔

> ہندوؤں کے طریق معالجہ کے اہل یورپ سے مختلف ہونے کا ذکر اور اسکی مثالیں اور اسکی نسبت مصنف کی راے

میں اُس طرز کو بیان کرتا ہوں جسمیں کہ اُن کا طریق علاج ہمارے طریقہ سے بالکل مختلف ہے۔ اور وہ اختلاف مندرجہ ذیل مُسلّمہ اُصول پر مبنی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تپ کے بیمار کو غذا کی کچھ بڑی ضرورت نہیں۔ اور فاقہ سب سے بڑا علاج ہے۔ اور اس مرض میں شوربے یا یخنی سے زیادہ مضر اور کوئی چیز نہیں۔ کیونکہ یہہ دو چیزیں تپ والے شخص کے معدہ میں فوراً خراب ہو جاتی ہیں۔ اور اُن کے نزدیک بجز خاص خاص اور نہایت ضروری موقعوں کے مثلاً یا تو جب سرسام کا اندیشہ ہو یا جب کبھی گُردہ یا جگر یا سینہ میں ورم پیدا ہو جاوے فصد نہ لینی چاہیے۔ اس بات کا فیصلہ میں اپنے فاضل طبیبوں پر چھوڑتا ہوں کہ آیا یہہ معالجہ کے طریقے درست ہیں یا نہیں مگر ہاں صرف اتنا میں بھی کہتا ہوں کہ ہندوستان میں یہہ طریقے کارگر ہو جاتے ہیں۔

> ہندوستان کے مسلمان طبیب بھی بعض حالات ہندوؤں کی طرح کرتے ہیں

اور مغل اور اور مسلمان طبیب جو ابو علی سینا اور ایوروس (یعنی ابن رشد)* کے پیرو ہیں

* ابن رشد کا نام محمد تھا اور اسکے اجداد میں سے رشد نامے ایک شخص کی نسبت سے محمد ابن رشد

وہ بھی ہندوؤں کی طرح ان طریقوں - خصوصاً یخنی یا شوربے سے پرہیز کرانے
کے طریقہ پر عمل کرتے ہیں -

مسلمان طبیب فصد زیادہ لیتے ہیں

مگر ہندوؤں کی نسبت مغلوں میں فصد لینے کا
عمل زیادہ ہے - کیونکہ جہاں انکو مندرجہ بالا اورام کا اندیشہ ہوتا ہے - عموماً
ایک دو مرتبہ خون نکلوا ڈالتے ہیں اور یہہ عمل وہ گوآ اور پیرس کے زمانہ
حال کے اطبا کی طرح جزوی طور پر نہیں کرتے بلکہ قدمائے اطبا کی طرح
اٹھارہ یا بیس اونس یعنی دس گیارہ چھٹانک تک خون نکلوا ڈالتے ہیں یہانتک
کہ بعض اوقات غش کی نوبت ہوجاتی ہے -

بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ

کہلاتا تھا - یہہ اُن لوگوں کی نسل میں سے تھا جنہوں نے سنہ ترانویں ۹۲ ہجری مطابق سنہ سات سو گیارہ ۷۱۱ عیسوی میں ملک اسپین کو فتح کرکے ممالک اسلامیہ میں شامل کیا تھا - یہہ ملک اسپین کے مشہور شہر کاردوآ (قرطبہ) میں جہاں اسکے باپ دادا قاضی رہے تھے سنہ پانسو بیس ۵۲۰ ہجری مطابق گیارہ سو چھبیس ۱۱۲۶ عیسوی میں پیدا ہوا تھا - ! یہہ نہایت مشہور حکماء عرب میں سے تھا - اور طب اور فلسفہ اور فقہ اور ہندسہ میں کمال کا درجہ رکھتا تھا - اسکے زمانہ میں علم فلسفہ اہل عرب میں کمال کو پہنچ گیا تھا - اور اسکے بعد قوم عرب کی تاریخ میں کوئی بڑا فلسفی نہیں پایا جاتا اسکی اکثر تصنیفیں زبان عربی اور عبری میں ہیں - چونکہ اسنے کتب ارسطو کی شرحیں لکھی تھیں اسلئے شارح حکمت ارسطو کے معزز لقب سے جسکا وہ حقیقتاً مستحق تھا مشہور آفاق تھا - بعض آزادانہ رایوں کے ظاہر کرنے کیوجہ سے لوگوں نے اسکو الحاد سے منسوب کرکے اسکو اسکے مولد کارڈوآ سے جلاوطن کرادیا تھا - مگر اسکے کمال نے سلاطین وقت کی مہربانی کو پھر اپنی طرف کھینچ لیا - اور دربار مراکش (مراکو) میں پھر آحاضر ہوا - جہاں کہ وہ سنہ ۱۱۹۸ - گیارہ سو اٹھانویں ۹۸ یا ننانویں ۹۹ عیسوی میں مرگیا -

(ماخوذ از انسائکلوپیڈیا برٹانیکا و تاریخ منتظم ناصری مطبوعہ طہران)

س م ح

پس وہ گیلین* (جالینوس) کی ہدایت کے موافق اور جیسے کہ میں نے اکثر دیکھا ہے بیماری کو ابتدا ہی میں مغلوب کر لیتے ہیں

فن تشریح سے ہندوؤں کی ناواقفیت

یہہ بات کچھ قابل تعجب نہیں کہ ہندو علم تشریح کو بالکل نہیں سمجھتے - کیونکہ وہ کبھی کسی انسان یا حیوان کے جسم کو نہیں چیرتے اور جب کبھی میں کسی زندہ بھیڑ یا بکری کو اس غرض سے چیرتا تھا کہ اپنے آقا کو دوران خون کا طرز اور وہ رگیں دکھلاؤں جنکو ہیگٹ نے دریافت کیا تھا اور جنمیں ہو کر کیلیوس کا خلاصہ قلب کے دائیں خانہ میں پہنچتا ہے تو ہندو ہمارے گھر سے حیران اور خوف زدہ ہو کر بھاگ جاتے تھے - مگر باوجود اسکے کہ ہندو اس فن سے محض نا آشنا ہیں - کہتے ہیں کہ انسان کے

* کلاڈیئس گالینس[1] جسکو انگریزوں نے گیلین[2] اور عربوں نے جالینوس بنایا ہے - ملک اٹلی کے شہر پرگمس[3] کا رہنے والا تھا یہہ نامور شخص سنہ ۱۳۱ عیسوی میں پیدا ہوا تھا اور نوّے برس کا ہو کر مرا - جالینوس اپنے باپ کی نسبت لکھتا ہے کہ وہ ریاضیات اور فن تعمیرات اور علم ہیئت میں بہت سربرآوردہ اور دقائق فلسفہ ارسطاطالیس سے بخوبی ماہر تھا - جالینوس نے سترہ برس کی عمر سے پہلے حکما کے چند مختلف طبقات کے مسائل فلسفہ کی تعلیم پائی تھی اور وہ لکھتا ہے کہ جب میں اس عمر تک پہنچا تو میرے باپ نے خواب دیکھا تھا کہ اس لڑکے کو علم طب کی تعلیم ہونی چاہیئے - مگر اسنے صرف انیس برس کی عمر میں اوّل ایک اُستاد سے جسکا نام وہ بتانا نہیں چاہتا فن طب کی تحصیل شروع کی اور پھر اُس زمانہ کے بعض اور مشہور و معروف حکما سے جو فن تشریح اور علم الادویہ میں نامور تھے اِن فنون کی تعلیم پائی ابھی بیس برس کی عمر بھی نہ ہوئی تھی کہ اسکا وہ پہلا اور شفیق اُستاد مر گیا - بعد ازیں اسنے بہت سے شہروں میں کہ جہاں جہاں علماے فلسفہ و طب مشہور تھے سفر کیے اور آخر کار شہر

[1] ک ل اڈ ی ا س گ ا ل ی ن س - [2] گ ے ل ی ن - [3] پ ر گ م س

(3) Pergamus (2) Galen (1) Galenus, Claudius

جسم میں پانچ ہزار رگیں ہیں اور اس سے کم ہیں نہ زیادہ گویا کہ بڑی صحت اور غور سے اُنہوں نے انکا شمار کیا ہوا ہے۔

ہندؤوں کے علم ہیئت کا ذکر

علم ہیئت کا یہہ حال ہے کہ ہندو اپنے پتروں کی رو سے خسوف اور کسوف کا حال پہلے ہی بتا دیتے ہیں۔ اگرچہ انکے بیان میں فرنگستانی اہل ہیئت کی سی باریکی کے ساتھ صحت نہیں ہوتی۔ مگر پھر بھی وہ اکثر صحیح ہوتا ہے۔

چاندگہن کے سبب کی نسبت ہندؤوں کا عقیدہ

لیکن خسوف کی نسبت بھی انکا وہی بیہودہ اعتقاد ہے جو کسوف کی نسبت ہے یعنی یہہ کہ ایک کالا اور ناپاک اور شریر راکھس جس کا نام راہو ہے چاند کو پکڑ لیتا اور اُسکو اپنے اثر سے تاریک کر دیتا ہے

ہندو چاند کو بالذات نورانی جانتے ہیں

اور زیادہ تر اسی دلیل سے ہندو یہہ بھی کہتے ہیں کہ چاند چار لاکھ کوس کے فاصلہ پر ہے یعنی سورج سے ڈیڑھ لاکھ میل

اسکندریہ میں جاکر بعض اُستادوں سے فن تشریح کی تکمیل کی اور اٹھائیس برس کی عمر تک وہاں رہ کر ایسا ہو گیا کہ جو علوم اُس زمانہ میں اُستادوں سے حاصل ہو سکتے تھے۔ وہ سب سیکھ لیئے اور اپنے شہر پرگمس میں واپس آکر انتیس برس کی عمر میں بڑی شہرت پائی۔ کیونکہ یہاں اسنے ایسے ایسے زخمیوں کو اچھا کیا جنکے زخم مہلک سمجھے جاتے تھے اور چونکہ چونتیس برس کی عمر میں اُسکے شہر میں کچھ بغاوت ہو گئی تھی اسلیئے وہ شہر روم کو چلا گیا اور ایک دفعہ شہر پرگمس میں ہو آکر آخر کار روم میں ہی جا ٹھہرا۔ کیونکہ وہاں کے کئی بادشاہوں کا طبیب خاص رہا تھا مگر وفات اُسکی شہر پرگمس میں ہی ہوئی۔ فن تشریح کے مختلف شعبوں میں اس حکیم نے بہت سے رسالے اور کتابیں لکھی ہیں اور اس فن میں بہت سی ایسی اصطلاحیں قائم کر گیا ہے کہ ابتک بھی وہی چلی آتی ہیں۔ اور یہہ بڑے شوق اور سرگرمی سے ہمیشہ مُردہ اور زندہ حیوانوں کو چیر چیر کر دیکھتا رہتا تھا۔ اور اگرچہ زمانہ حال کا فن تشریح اُسکی معلومات سے بہت بڑھا ہوا ہے

اونچا ہے - اور وہ ایک بالذات نورانی جسم ہے اور اُس سے انسانونکی دماغ میں امرت پہنچتا ہے جو دماغ سے اُترکر آ گلے اور اعضا میں سرایت کرتا ہے - چنانچہ پھر تمام اعضا اپنے اپنے عمل میں مصروفیت کے لایق ہوجاتے ہیں -

ہندوؤں کے نزدیک چاند اور سورج بھی دیوتا ہیں -

اِن کو یہہ بھی یقین ہے کہ چاند سورج اور ستارے یہہ سب دیوتا ہیں -

خیالی پہاڑ سمیر کا ذکر

اور جب سورج سمیر کے پیچھے چلا جاتا ہے - اُسوقت رات ہوجاتی ہے - سمیر ایک خیالی پہاڑ ہے - جسکو فرض کرلیا گیا ہے کہ وسط زمین میں مصری کے اُلٹے کوزے کی طرح واقع ہے - اور معلوم نہیں کے ہزار کوس بلند ہے - پس جب تک کہ سورج اس پہاڑ کے پیچھے سے ہٹکر نہیں آتا اُسوقت تک دن نہیں نکلتا -

علم جغرافیہ سے ہندوؤں کی ناواقفی کا ذکر -

علم جغرافیہ سے بھی ہندو ایسے ہی ناواقف ہیں وہ کہتے ہیں کہ دُنیا چپٹی اور مثلث شکل کی ہے اور اسمیں سات ولایتیں ہیں جو باعتبار اپنے باشندوں اور اپنی خوبصورتی اور ہر ایک طرح کی تکمیل کے ایک دوسرے مختلف ہیں اور ہر ولایت اپنے خاص سمندر سے گھری ہوئی ہے - اور کہتے ہیں کہ ایک سمندر دودھ کا

لیکن وہ اپنے وقت میں کیتا ئے روزگار اور اپنے تمام متقدمین سے اسمیں ایسا بڑھا ہوا تھا کہ اُس قدیم زمانہ میں اُسکی وفات کو فن تشریح کی وفات کہنا کچھ بیجا نہ تھا -

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا) س م ح

ہے دوسرا شہد کا تیسرا گھی کا چوتھا شراب کا اور آگے اسیطرح تری اور خشکی یکے بعد دیگرے چلی آتی ہے یہانتک کہ ساتویں ولایت دامن کوہ کشمیر میں ہے جو وسط میں واقع ہے - اوّل ولایت جو کشمیر کے نہایت قریب ہے اوّل درجہ کے دیوتاؤں سے آباد ہے دوسری میں اُنسے کم درجہ کے دیوتا ہیں - اور اسی طرح باقی ولایتیں ہیں جنکے باشندے ہر ایک پہلی ولایت سے رتبہ میں کم ہیں - اور سب سے آخر ساتویں ولایت ہے جسمیں ہم انسان آباد ہیں جو ہر ولایت کے دیوتاؤں سے بہت ہی کم درجہ کے ہیں - ہندو یہہ بھی کہتے ہیں کہ دُنیا بہت سے ہاتھیوں* کے سروں پر اُٹھائی ہوئی ہے جنکی اتفاقیہ حرکت سے بھونچال آجاتا ہے -

ہندوؤں کے علوم کی نسبت مصنف کی رائے

اگر قدیم برہمنوں کے علوم میں جنکی اسقدر شہرت ہے یہی تمام بیہودہ باتیں بھری ہوئی ہیں جنکو میںنے بالتفصیل لکھا ہے تو لوگوں نے بڑا دھوکا کھایا کہ اِن کے علم و عقل کی نسبت دیر سے ایک ایسی تعریف اور مدح سرائی کرتے چلے آئے ہیں - اور بالضرور مجھے اپنے تئیں اِس امر پر

* ہاتھیوں کے سروں پر دُنیا کے اُٹھائے ہوئے ہونے کی روایت کبھی سُننے میں نہیں آئی اور نہ تحقیق سے اسکی کچھ صحت معلوم ہوئی - البتہ سیس ناگ یعنی ہزار سر والے مقدس سانپ کے سر پر اس دُنیا کا ٹھہرے ہوئے ہونا ضرور مانا جاتا ہے - اور ایک عام روایت یہہ بھی ضرور زبان زد ہے کہ ایک بیل کے سینگوں پر یہہ پرتھوی قائم ہے - اور جب وہ اس بوجھ کو ایک سینگ سے دوسرے سینگ پر بدلتا ہے تو بھونچال آجاتا ہے -

س م ح

داخل کرنے میں دقت پیش آتی کہ فی الواقع حقیقت حال یہی تھی یا نہ ٹھیک میں ان باتوں پر غور کرتا کہ اوّل تو ہندوؤں کا مذہب ایک ایسے زمانہ سے چلا آتا ہے جسکا حال کچھ معلوم نہیں۔ اور پھر انکی مذہبی اور علمی کتابیں سب سنسکرت زبان میں ہیں جو مدت ہے دراز سے ایک مذہبی زبان ہو گئی ہے جسکو کوئی نہیں بولتا اور اب صرف پڑھے لکھے لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں اور اسکی اصل نامعلوم ہے۔ غرض کہ ان تمام باتوں سے بہت ہی قدامت اور کہنگی ثابت ہوتی ہے *

مصنف کا بنارس کے ایک بڑے پنڈت کے ساتھ چند اور پنڈتوں سے ملنا اور بت پرستی کی نسبت ان کے جوابات۔

جب میں دریائے گنگا سے نیچے کے ملک کی طرف جاتا تھا تو میں بنارس میں ہوکر گزرا اور ایک سب سے بڑے پنڈت سے جو اس مشہور دار العلم میں رہتا ہے ملا وہ ایک فقیر ہے جو اپنے علم و فضل کی وجہ سے ایسا مشہور ہے کہ شاہجہاں نے کچھ تو اسکی فضیلت کے لحاظ سے اور کچھ راجاؤں کی خاطر سے اسکے واسطے دو ہزار روپیہ سال کی پنشن مقرر کردی تھی۔ وہ ایک موٹا تازہ اور خوبصورت آدمی ہے اور اسکی پوشاک یہہ ہے کہ ایک سفید ریشمی ساڑھی باندھے رہتا ہے۔ جو پنڈلیوں تک لٹکتی رہتی ہے۔ اور ایک کسیقدر بڑی سی سرخ ریشمی چادر کاندھوں پر ڈالی ہوئی ہوتی ہے! میںنے دہلی میں اس شخص کو بادشاہ اور امرا

* مصنف کے نزدیک یہہ ایسے اسباب ہیں کہ جن سے اصلی حقایق پر ایک تاریکی کا پردہ پڑ جاتا ہے اور اسکے باعث سے لوگوں کو دھوکا ہو جاتا ہے۔ س م ح

کے روبرو بھی اکثر یہی مختصر لباس پہنے دیکھا ہے۔ اور دہلی کے بازاروں میں وہ مجھے یا تو پیدل یا پالکی میں سوار جاتا ملا ہے۔ ایک سال تک وہ ہمیشہ میرے آقا کے پاس اِس اُمید پر آتا رہا کہ وہ اورنگ زیب سے سفارش کر کے اسکی پنشن بحال کرادے جو اورنگ زیب نے جسکو اپنی دینداری دیکھانیکا بڑا شوق تھا تعصب مذہبی کی وجہ سے تخت پر بیٹھتے ہی بند کردی تھی! مینے اس مشہور فقیر سے بڑی ملاقات پیدا کرلی تھی۔ اور میری اُس سے اکثر دیر تک باتیں ہوا کرتی تھیں۔ اور جب میں اُن سے بنارس میں ملا تو وہ نہایت خلق اور مدارات سے پیش آیا اور مجھے وہاں کا کتب خانہ دیکھلانے لیگیا۔ جہاں اُسنے اَور بھی بڑے بڑے چھ پنڈتوں کو بلالیا تھا۔ جب مینے اپنے تئیں ایسی عمدہ صحبت میں پایا تو میرا ارادہ ہوا کہ اس بات کی تحقیق کروں کہ انکی رائے بُت پرستی کی نسبت کیا ہے۔ مینے اُن سے کہا کہ میں ہندوستان کو اَب چھوڑنے والا ہوں جو ایک ایسی پرستش سے بدنام ہے جو معمولی سمجھ والے انسان کے نزدیک بھی خلاف عقل ہے اور آپ جیسے اچاریوں کو شایاں نہیں ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے مندروں میں بیشک مختلف مورتیں مثلاً برہما۔ مہادیو۔ گنیش۔ اور گوری کی ہیں۔ جو ہمارے سب سے بڑے دیوتا ہیں۔ اور ان کی مورتوں اور علاوہ بریں اَور بہت سے دیوتاؤں کی مورتوں کا جو ان سے درجہ میں کم ہیں ہم بڑا ادب کرتے ہیں۔ چنانچہ اِن کے آگے ڈنڈوت کرتے ہیں اور بڑی عقیدت سے پھول چاول گھی زعفران خوشبوئیں اور اَور ایسی ہی چیزیں انپر چڑھاتے ہیں مگر باوجود

اسکے ہمارا یہہ اعتقاد نہیں کہ یہہ مورتیں خود برہما یا بشن ہیں۔ بلکہ یہہ قریب قریب اُنکی اصلی مورتوں یا شبیہوں کے ہیں اور ہم انکا ادب صرف اس دیوتا کی وجہ سے کرتے ہیں جنکی یہہ مورتیں ہیں۔ اور جو پوجا ہم کرتے ہیں وہ دیوتا کے واسطے ہے نہ کہ مورت کے لیئے۔ ہمارے مندروں میں تو مورتیں اسلیئے رکھی جاتی ہیں کہ دلکو قائم رکھنے کیواسطے جب تک نظر کوسی خاص چیز پر نہ جمایا جاے تب تک پوجا عمدہ طور سے نہیں ہوسکتی۔ لیکن حقیقت میں اعتقاد ہمارا یہی ہے کہ خدا صرف وہی ایک ذات مطلق ہے۔ اور صرف وہی سب کا مالک اور سب سے بڑھکر ہے۔ پنڈتوں نے جو جواب مجھے دیا مینے اسکو کم زیادہ کرکے نہیں لکھا۔ لیکن مجھے شک ہے کہ اُنہوں نے اس مدعا کو عمداً ایسے قالب میں ڈھالکر بیان کیا تھا کہ جو رومن کیتھلک× فرقہ والوں کے خیالات کے مشابہ ہوجاے۔ کیونکہ اور برہمنوں کے خیالات اس سے بالکل مختلف تھے

عمر دنیا کی نسبت ان پنڈتوں کا بیان

پھر مینے دنیا کی عمر کی نسبت گفتگو کی اور میرے ہم صحبت پنڈتوں نے ہمارے معتقدات سے بھی بڑھکر اسکی قدامت ظاہر کی۔ یہہ تو

× تعجب ہے کہ مصنف نے ہندوؤں کی پرستش کے طریقہ کو تو اعتراض کی نظر سے دیکھا لیکن اپنی طرز عبادت کی بیہودگی پر جو گرجاؤں میں حضرت مسیح اور حضرت مریم کی شبیہیں اور پطرس حواری کے جوتے کی نقل رکھتے اور اُنکو مقدس جانکر اُنکی پرستش اور ہندوؤں کی طرح دھوپ دیپ کرتے اور گھنٹے بجاتے ہیں غور نہ کی اور انجیل مقدس کی اُس آیت پر عمل کیا جو لکھا ہے "تو اگر اپنے بھائی کی آنکھ سے تنکا نکالنا چاہے تو اوّل اپنی آنکھ کا شہتیر نکال" افسوس انسان خواہ کیسا ہی عقلمند اور ذی علم کیوں نہو اُسکو اپنے مذہب کے رسوم اور عقائد کی بُرائی کبھی نہیں معلوم ہوتی۔ اور اُسکی طبیعت ہمیشہ غیروں ہی کی عیب جوئی پر رجوع اور مائل رہتی ہے اور اُن کے ہنر اور خوبیاں بھی اُسکو برائی اور عیب ہی معلوم ہوتی ہیں م۔ ا۔ ح

نہیں کہا کہ دُنیا کی کچھ ابتدا ہی نہیں - مگر جو عمر اُنہوں نے بتلائی۔ اُس سے ایسا ظاہر ہوتا تھا کہ گویا وہ اسکو قدیم سمجھتے ہیں - اُن کا یہہ بیان تھا کہ دُنیا کی عمر چار جگوں سے شمار کیجاتی ہے اور اُن کا جُگ ہمارے قرنوں کی طرح سَو برس کا نہیں ہوتا - بلکہ وہ جُگوں کا شمار کروڑ برس سے کرتے ہیں - جو جو عمر انہوں نے ہر جُگ کی علیحدہ علیحدہ طور پر بتلائی وہ مجھے ٹھیک ٹھیک یاد نہیں رہی لیکن ایسا یاد پڑتا ہے کہ پہلا جُگ جسکو ست جُگ کہتے ہیں پچیس لاکھ برس تک رہا - پھر بارہ لاکھ سے زیادہ سال تک ترتیا جگ رہا - پھر (اگر میری کچھ غلطی نہو تو) آٹھ لاکھ چونسٹھ ہزار برس تک دواپر جُگ رہا - اور یہہ میں بھول گیا کہ چوتھا یعنی کل جُگ جواب ہے کتنے لاکھ برس تک رہیگا - پنڈتوں نے کہا کہ پہلے تینوں جُگ اور بہت سا حصّہ چوتھے جُگ یعنی کل جُگ کا گزر چکا ہے - اور جس طرح کہ ان جگوں کے خاتمہ پر دنیا قائم رہی ہے - چوتھے جُگ کے ختم ہونے پر ایسا نہ ہوگا بلکہ دُنیا "مہا پرلے" ہوکر نابود ہوجاویگی - اور تمام چیزیں اپنے اپنے مبدا کی طرف عود کر جائیں گی - ! جب میں نے پنڈتوں کو اس بات کے لئے مجبور کیا کہ وہ دُنیا کی عمر مجھے ٹھیک ٹھیک بتلائیں تو اُنہوں نے کئی مرتبہ حساب لگایا مگر جب میں نے دیکھا کہ وہ بیچارے اس میں بالکل اُلجھے ہوئے ہیں اور صرف لاکھوں کی تعداد کی نسبت اُنکا اختلاف ہے تو میں نے اپنے تئیں اسی عام واقفیت پر مطمئن کرلیا کہ یہہ دُنیا نہایت ہی قدیم اور اسکی عمر کا حساب بڑا ہی تعجب انگیز ہے ! جب کوئی شخص کسی پنڈت سے وہ وجوہات پوچھتا ہے جن سے کہ دُنیا کے بیحد پُرانا ہونے پر وہ اپنا اعتقاد رکھتے ہیں - تو وہ ایک قسم کے بیفائدہ

افسانے سُنانے لگتا ہے - اور آخر یہہ کہدیتا ہے کہ بید میں ایسا ہی لکھا ہے*

دیوتاؤوں کی حقیقت کی نسبت اِن پنڈتوں کا بیان

پھر مینے اُن کے دیوتاؤں کی حقیقت کی نسبت اُن سے دریافت کیا مگر اُنکا بیان نہایت منتشر پایا - اُنہوں نے کہا کہ ہمارے دیوتا تین قسم کے ہیں نیک - بد - اور نہ نیک نہ بد - بعض کا اعتقاد ہے کہ دیوتا آگ سے بنے ہیں - اور بعض کہتے ہیں کہ نور سے - اور بہتوں کی یہہ رائے ہے کہ وہ بیاپک ہیں (اور لفظ بیاپک کے معنی میں بجز اسکے کچھ نہیں سمجھا کہ خدا بیاپک ہے ہماری روح بیاپک ہے - اور جو چیز بیاپک‡ ہی وہ لازوال ہے) اور زمان ومکان سے مبرا و منزہ ہیں - اُس فاضل فقیر اور اُسکے ساتھی پنڈتوں نے کہا کہ بعض پنڈت دیوتاؤں کو اجزاء ذات الٰہی کہتے ہیں - اور بعض کی یہہ رائے ہے کہ دیوتاؤں کے مختلف اقسام ہیں جو زمین پر پھیلے ہوے ہیں -

لنگ شریر کا مسئلہ جو شاستروں میں ہی اُسکی نسبت اِن پنڈتوں کا بیان

مجھے یاد پڑتا ہے کہ مینے اُنسے لنگ شریر کے مسئلہ کی نسبت بھی سوال کیا تھا جسکو اُن کی بعض مصنف مانتے ہیں - مگر جو واقفیت مجھے اپنے پنڈت سے حاصل ہو چکی تھی اُس سے کچھ زیادہ حال معلوم نہیں ہوا - یعنی یہہ کہ چھوٹے چھوٹے نباتات اور درختوں اور حیوانات کے بیج نئے پیدا نہیں ہوتے بلکہ ابتدای آفرینش

---

* عیسائیوں بلکہ مسلمانوں کے پاس بھی بجز اسکے کہ توریت مقدس کا حوالہ دیں دنیا کی عمر کے شمار کی نسبت کوئی دلیل نہیں ہے - م م ح

‡ فارسی خوان ناظرین کو لفظ "بیاپک" باہمہ و بے ہمہ" کے مرادف المعنی سمجھنا چاہئے - م م ح

سے اُنکا وجود چلا آتا ہے۔ اور وہ ادھر اُدھر بکھرے ہوئے اور دوسرے مادوں میں ملے جُلے پڑے رہتے ہیں اور نہ صرف احتمالاً بلکہ حقیقتاً وہ بیج بالکل ویسے ہی کامل ہیں جیسے کہ خود وہ نبات یا درخت یا حیوان جسکے وہ بیج ہیں۔ لیکن وہ اپنی اس حالت میں ایسے چھوٹے اور باریک ہیں کہ اُنکے جُدا جُدا اجزا اُسیوقت صاف طور پر نظر آ سکتے ہیں جبکہ وہ اپنی مناسب جگہہ پر لائے جائیں اور وہاں پرورش کے مادہ کے پہنچنے سے بخوبی نمایاں ہوں اور ترقی پائیں۔ پس ہر ایک سیب یا ناشپاتی کے درخت کا بیج لنگ شریر یعنی سیب یا ناشپاتی کا ایک چھوٹا درخت ہے جو اپنے تمام ضروری اجزا میں کامل ہے۔ علیٰ ہٰذالقیاس ایک گھوڑے یا ہاتھی یا آدمی کا بیج لنگ شریر یعنی ایک چھوٹا گھوڑا یا ہاتھی یا آدمی ہے جسکے واسطے صرف جان اور پرورش کے مادہ کی ضرورت ہے تاکہ وہ صاف طور پر اپنی صورت مرئیہ عرفیہ کو حاصل کر سکے

وحدت وجود کے مسئلہ کی بحث کا ذکر

اب میں آپکو ایک اور مسئلہ کی نسبت ایک بحث کا حال سناتا ہوں۔ تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ اس مسئلہ کی بابت ہندوستان میں بڑا شور و غُل تھا یہانتک کہ بعض پنڈتوں نے اسکو شاہجہاں کے بیٹوں دارا شکوہ اور سلطان شجاع کے بھی ذہن نشین کر دیا تھا۔ آپ اس بات کو یقیناً جانتے ہیں کہ اکثر قدیم حکما لائف گوِنگ پرنسپل یعنی وحدت وجود کے مشہور و معروف (Life giving Principle) مسئلہ کے قائل ہیں اور انکا قول ہے کہ ہم تم جتنی جاندار مخلوقات ہیں سب ایک ہی وجود واحد کے اجزا ہیں۔ چنانچہ اگر ہم غور سے ارسطو اور افلاطون کی تصانیف کو دیکھیں تو غالباً ہمپر یہہ بات ظاہر ہو جائیگی کہ وہ بھی اسی رائے

کی طرف مائل تھے - اور یہی عقیدہ ہندوستان کے قریباً تمام پنڈتوں کا ہی اور یہہ وہی مسئلہ ہے جسکی نسبت صوفیوں اور اکثر علماء ایران کے باہم لڑائی جھگڑے رہا کرتے ہیں - اور جسکو گلشن راز* میں جو ایک فارسی نظم کی کتاب ہے بڑے زور شور سے بیان کیا گیا ہے - فلڈ[۵] کی بھی یہی راے تھی جسکو ہمارے نامور گیسینڈی نے نہایت قابلیت کے ساتھ رد کیا ہے - یہہ

* اِس کتاب کے مصنف شیخ نجم الدین محمود ہیں جو تبریز کے قریب چھبتر نام ایک گانو کے رہنے والے اور مشاہیر مشایخ صوفیہ سے تھے - یہہ کتاب اُنہوں نے ۷۱۷ھ سات سو سترہ ہجری کے ماہ شوال میں بعض مشایخ خراسان کی فرمایش سے تصنیف کی تھی جیساکہ خود اُنکے اِس شعر سے جو سبب تالیف کتاب میں لکھا ہے ظاہر ہوتا ہے "گزشتہ ہفت ودہ از ہفت صد سال ز ہجرت ناگہاں در ماہ شوال" یہہ کتاب بڑے رتبہ کی سمجھی جاتی ہے - اور اِسلیئے اکثر بزرگوں نے اسکی شرحیں لکھی ہیں - لیکن شرح موسوم بمفاتیح الاعجاز جو ۸۷۷ھ آٹھ سو سترہ ہجری کے خاتمہ میں لکھی گئی تھی اور جسکے مصنف شیخ شمس الدین محمد بن یحییٰ لاہیجانی ہیں - جو فقرا کی سلسلہ نوربخشیہ کے بانی سید محمد نوربخش کے اعظم خلفا میں سے تھے - سب سے عمدہ سمجھی گئی ہے چنانچہ علامہ قاضی نوراللہ شوستری نے اپنی مشہور کتاب مجالس المومنین میں لکھا ہے - کہ جب مصنف نے اس شرح کو لکھکر دیکھنے کے لیئے ملا عبدالرحمن جامی کے پاس ہرات میں بھیجا تو اُنہوں نے اپنے جوابی خط کے شروع میں اپنی یہہ رباعی لکھکر بھیجی رباعی "اے فقر تو نوربخش ارباب نیاز + خرم ز بہار خاطرت گلشن راز + یک رہ نظرے بر سر قلبم انداز + شاید کہ برم رہ بحقیقت ز مجاز" + س م ح

[۵] Robert Fludd رابرٹ فلڈ قوم کا انگریز تھا اور ۱۵۷۴ء پندرہ سو چوہتر عیسوی میں پیدا ہوا تھا - یہہ اپنے زمانہ میں ایک مشہور طبیب اور ایک ایسے فرقہ حکما کا پیرو تھا جو یہہ خیال رکھتے تھے کہ ہماری روحیں سیدھی اُس مبدا فیاض سے تعلق رکھتی ہیں اور وہاں سے گوناگوں استفاضہ معلومات اور اسرار غیبی کا کرتی رہتی ہیں - اسی شخص کے تخیلات کا بیان جنکا وہ معتقد تھا مختصر طور پر کرنا بہت

ایک ایسا مسئلہ ہے کہ ہمارے ہاں کے مہتوں لوگ اکثر اُسکے سبب سے خراب و برباد ہوئے ہیں۔ ہندو پنڈت اس مسئلہ کو تمام حکما سے زیادہ طول دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ خدا یا اُس اعلیٰ وجود نے جسکو وہ اپنی زبان میں اَنْتر کہتے ہیں صرف یہی نہیں کہ اپنی ذات سے روح پیدا کی ہے بلکہ عموماً دنیا کی ہر ایک مادی اور جسمانی چیز کو بھی اِسیطرح اپنی ذات سی پیدا کیا ہے۔ اور اس مسئلہ خلق عالم کو وہ اس طرحپر خیال نہیں کرتے کہ علتِ تامّہ کا وجود معاً مستلزم وجود معلولات کا ہوتا ہے۔ بلکہ اس طرح پر تصوّر کرتے ہیں جیسے مکڑی جب چاہتی ہے اپنے ہی اندر سے جالا تن دیتی ہے اور جب چاہتی ہے اُسکو سمیٹ لیتی ہے۔ پس ان خیال بند فلسفیوں یعنی پنڈتوں کا قول ہے کہ پیدائش صرف اِسکا نام ہے کہ خدا نے اپنی ہی ذات کو پھیلا دیا ہے۔ یا یہہ کہ ایک مکڑی کا تار ہے جو اُسنے اپنے اندر

بقیہ فٹ نوٹ

مشکل ہے۔ چنانچہ منجملہ اُن کے اُسکا ایک یہہ عقیدہ تھا کہ وہ اس عالم میں دو طرح کی قوتوں کو مؤثر سمجھتا تھا۔ ایک قوت انقباضی۔ دوسری انبساطی اور اِنپر کتنے ہی جنات کو موکل جانتا تھا۔ اور اُن کے خاص طور کے اجتماعات کو باعث وجود امراض قرار دیتا تھا۔ اور اس بات کا بھی معتقد تھا کہ مِکْرَا کوزم[1] کو جسکا ترجمہ عالم صغیر یا انسان کیا جا سکتا ہے۔ مکرا کوزم یعنی عالم کبیر یا نیچر[2] سے ایک خاص مشابہت اور مناسبت ہے۔ اِسکے معتقدات خواہ کیسے ہی فضول اور لایعنی تھے۔ مگر چونکہ اسنے اُنکو بہت عمدگی سے معقولات کے پیرایہ میں بیان کیا تھا۔ اسلئے اُس زمانہ کے حکما کو بالضرور اُنکی نسبت متوجہ ہونا پڑا یہانتک کہ اوّل کیپلر[3] نام ایک حکیم نے اور بعد ازاں گیسنڈی نے اُسکی تردید میں سن سولہ سو انتیس ۱۶۲۹ میں کتابیں لکھیں فقط (ماخوذ از انسائکلوپیڈیا برٹینیکا) س م ح

---

(1) Microcosm (2) Nature (3) Kepler

سے نکالدیا ہے - اور فنا یہہ ہے کہ خدا پھر اپنی ذات یا اُس تار کو اپنے ہی
میں کھینچ لے - چنانچہ قیامت کے دن جسکو وہ پرلے یا مہا پرلی کہتے
ہیں - اور جسکی نسبت انکا یہہ عقیدہ ہے کہ اُسوقت تمام چیزیں نابود ہو جاوینگی
خدا اپنے تمام اُن تاروں کو جو اُسنے اپنے اندر سے نکال کر پھیلا دیئے تھے
بالکلیہ اپنے اندر کھینچ لیگا - اسلیئے انکی راے ہے کہ جو کچھ ہم دیکھتے یا سُنتے یا
سُونگھتے یا چکھتے یا چھُوتے ہیں اِن میں کوئی چیز واقعی نہیں بلکہ تمام دنیا صرف
ایک خواب و خیال ہے - پس جو طرح طرح کی چیزیں بذریعہ حواس ظاہری محسوس
ہوتی ہیں وہ سب کی سب ایک ہی چیز ہیں - یعنی وہ سب حقیقتاً خدا ہیں
جیسے کہ اکائی کے عدد کو بار بار دوہرانے سے دس بیس - سو اور ہزار
کے اعداد بن جاتے ہیں اور دراصل وہ ایک ہی عدد ہے - لیکن اگر
تم اُن سے اس بات کی کوئی دلیل پوچھو یا ذات الہی کے پھیل جانے اور
پھر سمٹ جانکی کچھ تشریح کراؤ اور طرح طرح کی صورتیں معلوم ہونے کی وجہ
دریافت کرو - یا یہہ پوچھو کہ خدا جو غیر جسمانی اور بقول تمہارے بیاپک اور
غیر متغیر ہی تو پھر کسطرح اسقدر اجسام متعددہ اور ارواح مختلفہ میں تقسیم ہو گیا ہی
تو وہ اسکی عجیب مثالیں بیان کرینگے - مثلاً یہہ کہ خدا بمنزلہ ایک بڑے سمندر
کے ہے جسمیں بہت سے بُلبُلے تیرتے رہتے ہیں - خواہ یہہ بُلبُلے کہیں
چلے جائیں مگر وہ ہمیشہ اُسی سمندر اور اُسی پانی میں رہتے ہیں اور اگر وہ
بیٹھ جائیں تو جس پانی سے وہ بنے تھے وہ اُسی سمندر میں مل جائیگا - *

* مترجم کہتا ہے کہ اِس مضمون کو ایک شاعر نے اپنے اس شعر میں خوب ادا کیا ہے -

یا وہ یوں کہیں گے کہ خدا ایک ایسی روشنی کی مانند ہے جو بیشمار شیشوں پر پڑ رہی ہے۔ پس اگرچہ ہر جگہہ اُس ایک ہی روشنی کا جلوہ اور ظہور ہے مگر جن چیزوں پر وہ پڑتی ہے اُنکی مختلف رنگتیں اس وجہ سے ہو جاتی ہیں کہ وہ مختلف صورتوں میں سے ہو کر اُن چیزوں پر پڑتی ہے غرضکہ وہ تمہیں ایسی ایسی ناقابل تشفی تشبیہیں دیکر جنکو خدا سے کچھ ہی نسبت نہیں اور جو صرف جاہلوں کے فریفتہ کرنیکے لائق ہوتی ہیں ٹال دینگے۔ اور تمہارا جواب شافی کی اُمید کرنا بیفائدہ ہے۔ اگر کوئی اُنکو یہہ جواب دے کہ مثلاً جو حباب ایک پانی پر ہیں اگرچہ ویسے ہی دوسرے پانی پر بھی ہو سکتے ہیں لیکن حقیقت میں کوئی پانی ایک نہیں ہیں۔ اور اسی طرح تمام دُنیا پر آفتاب کی روشنی گو ایک سی ہے لیکن سب جگہہ وہی نہیں ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس تمہارے ان تمام تصورات پر اَور بھی بڑے بڑے اعتراض ہو سکتے ہیں تو وہ پھر اسی طرح تشبیہوں اور استعاروں کو لے بیٹھیں گے جیسے کہ صوفی اپنی کتاب گلشن راز کے عمدہ اشعار کی طرف رجوع کیا کرتے ہیں۔

مصنف کے خط کا خاتمہ

اَب میں بلحاظ اُس تمام بیوقوفی اور اُس طفلانہ خوف و ہراس کے جسکا میںنے اوپر ذکر کیا ہے۔ اور بلحاظ اُس متوہمانہ اتقا و ہمدردی کے خیالات کے جو سورج کو اُس بدطینت اور کالی بلا سے نجات دلانے کی غرض سے سورج کی نسبت ظاہر کیئے جاتے ہیں۔ اور بلحاظ اُس دکھاوے کی پاٹھ پوجا اور اشنان اور پُن دان اور خیراتوں کے جو برہمنوں کو دیجاتی یا دریا و

دریا سے حباب کہیے ہے سدا تو اوہ نہیں میں اونہیں ہمکو سمجھ اپنی سی جدا تو اونہیں میں اونہیں

میں پھینکی جاتی ہیں۔ اور بلحاظ عورتوں کی اُس مجنونانہ جرأت کے کہ اپنے ایسے خاوندوں کی لاشوں کے ساتھ بھی جل کر مرجاتی ہیں کہ جنسے اُنکی حیات میں وہ اکثر نفرت کرتی رہتی تھیں۔ اور بلحاظ فقیروں کے اُن طرح طرح کے مجنونانہ اعمال و اشغال کے۔ اور سب سے اخیر میں بلحاظ بیدوں اور ہندوؤنکی پوتھیوں کی اُس تمام خرافات کے آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگرچہ زمانہ حال کے نکتہ چین اشخاص سفر کے مصائب اور تکالیف اُٹھائے بغیر گھر بیٹھے ہی اپنی تحریروں کے ایسی ایسے سرنامے وغیرہ گھڑنا اور بیان کرنا مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ مگر میرا یہہ خط جو میرے اِن دور دراز سفروں اور اسقدر تحقیقات اور فکر کا ایک بے سود تامل ہے اگر مندرجہ ذیل الفاظ کو میں اسکا عنوان قرار دوں تو کیا میں ایسا کرنے کی نسبت کوئی وجہ نہیں رکھتا؟ اور وہ الفاظ یہہ ہیں کہ "کیسے ہی فضول اور بیمعنی خیال کیوں نہ ہوں پھر بھی انسان کے دل میں جگہہ پا ہی جاتے ہیں"

آپ کی بڑی عنایت ہوگی اگر آپ چیپل صاحب کے نام کا ملفوفہ خط* اُن کے حوالہ کردینگے۔ یہہ چیپل صاحب ہی تھے Chapelle جنہوں نے پہلے پہل آپکے نامور اور دلی دوست گیسنڈی صاحب سے میری ملاقات کرائی تھی جو میرے حق میں بہت ہی مفید ہوئی ہے۔ اُنکی اس عنایت کا میں اتنا ممنون ہوں کہ جہاں میری تقدیر مجھکو لیجائیگی مجھے محبت کے ساتھ وہ ہر جگہہ یاد رہینگے۔! میں آپ کا بھی بڑا ممنون ہوں۔ اور نہ صرف اسوجہ سے کہ آپ میرے حال پر نظر عنایت مبذول فرماتے رہے میں عمر بھر آپکا ادب کرتا رہونگا۔ بلکہ اِس سبب

* اس سبب سے کہ اس خط میں ہندوستان کے متعلق کوئی امر درج نہ تھا اسکا ترجمہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ س م ح

سے بھی کہ آپ اپنے متواتر خطوط میں اکثر مجھے فائدہ مند صلاحیں دیتے رہے ہیں جنسے میرے سفر میں مجھے بہت مدد ملی - اور میں اس باعث سے بھی آپکا بڑا احسان مند ہوں کہ آپنے بے غرضانہ اور محض اپنی عنایت سے دُنیا کے اِس بعید حصّہ میں جہاں میرا شوق مجھکو لے آیا ہے میرے لئیے عمدہ عمدہ کتابیں بھیجدی ہیں - حالانکہ جن لوگوں سے مینے کتب مذکورہ کے لیئے درخواست کی تھی - اور جنکو اُن کی قیمت کا روپیہ بمقام مارسیلس Marseilles میں میرے ذرا ماہتی سے مل سکتا تھا - اور جن پر بلحاظ اہلیت اور انسانیت کے یہہ بات فرض تھی کہ کتب مطلوبہ میرے پاس بھیجدیتے وہ مجھے بالکل ہی بھول گئے اور میرے خطوط کو دیکھکر ہنسا کیئے گویا کہ انہوں نے مجھے ایسا گیا گزرا سمجھ لیا جسکا پھر کبھی مونہہ ہی نہیں دیکھنا -

A letter to Monsieur De La Mothe le Vayer,

مُصنّف کا خط بنام مانسیئور ڈی لا ماتھی لی وے آر

جسمیں شہر دہلی اور آگرہ اور شہنشاہ مغل کے دربار اور
ہندوستانی لوگوں کے ذہن و ذکا اور رسم و رواج
کا بیان ہے مورخہ یکم جولائی ۱۶۶۳ء بمقام دہلی

صاحب من - میں خوب جانتا ہوں کہ جسوقت میں فرانس کو واپس آؤنگا توسب سے پہلے آپ مجھ سے یہہ پوچھیں گے کہ بمقابلہ پیرس اُس مُلک کے دارالسلطنت شہروں آگرہ اور دہلی کی وسعت اور آبادی اور خوبصورتی کا

کیا حال ہے! پس آپ کے شوق کی وجہ سے میں اوّل انہیں امور کا بیان کرتا ہوں۔ اور اُنکے ضمن میں بعض اَور حالات بھی گزارش کرونگا۔ جن کی نسبت میں خیال کرتا ہوں کہ آپ غالباً اُنکو بھی دلچسپ تصوّر کرینگے۔

یورپ اور ہندوستان کی عمارتوں کے مختلف الوضع ہونے کا سبب

اِن دونوں شہروں کی خوبصورتی کی نسبت کچھ کہنے سے پہلے مجھے یہہ بیان کرنا لازم ہے کہ اہل فرنگ مقیم ہند کو حقارت کے ساتھ یہہ کہتے دیکھکر کہ اِن دونوں اور نیز ہندوستان کے اور شہروں کی عمارتیں فرنگستان کی سی خوش وضع نہیں ہیں مجھے حیرت ہوئی۔ لیکن وہ اسپر غور نہیں کرتے کہ عمارات کی قطع اور وضع ہر ملک کی آب و ہوا کے لحاظ سے ہوتی ہے! مثلاً جس وضع کی عمارت پیرس اور لندن یا ایمسٹرڈم میں فائدے اور آرام کے اعتبار سے وہاں کے لایق ہے دہلی اور آگرہ میں بالکل ناکارآمد ہے! چنانچہ بفرض امکان اس امر کے کہ یہہ شہر ہندوستان میں آجائیں اور یہاں کے شہر وہاں جارہیں تو انکی عمارات کو توڑ پھوڑکر بالکل ایک نئی قطع پر بنانا ضروری ہوگا۔ بے شبہ فرنگستان کے شہر بہت خوبصورت اور اُس مُلک کی سرد آب و ہوا کے موافق ہیں۔ لیکن دہلی بھی اپنی وضع پر اس گرم ملک کی آب و ہوا کے لحاظ سے خوش وضعی سے خالی نہیں۔

ہندوستان کی گرمی اسقدر شدید ہے کہ کوئی اَور تو کیا خود بادشاہ بھی زانوؤں کی حفاظت کے لیئے پاجامہ نہیں پہنتا۔ اور صرف ہلکے سلیپر کیطرح کی ایک چیز پہنتا ہے جسے پاپوش کہتے ہیں۔ اور سر کی محافظت کے لیئے نہایت نفیس اور نازک قسم کے کپڑے کی ایک چھوٹی سی پگڑی ہوتی ہے۔ اور اَور لباس بھی اسیطرح

ہلکا پھلکا ہوتا ہے۔ گرمی کے موسم میں مکان کی دیوار یا سرہانے کے تکیہ پر مشکل سے ہاتھ یا سر رکھا جاتا ہے! اور چھ مہینے سے زیادہ ہر ایک متنفس مکان کے باہر بغیر کسی قسم کے سایہ کے سوتا ہے! عوام کا یہہ حال ہے کہ گلیوں اور کوچوں ہی میں پڑ رہتے ہیں اور بڑے بڑے تاجر اور آسودہ حال لوگ کبھی گھر کے صحن یا باغ میں اور کبھی مکان کے چبوترے پر جسکو پہلے سے پانی چھڑک کر ٹھنڈا کر رکھتے ہیں آرام کرتے ہیں۔ اب اس حالت میں اگر بالفرض پیرس کے مشہور محلے سینٹ جیکس یا سینٹ ڈینس مع اپنی بند وضع اور بیشمار منزلوں کے مکانات کے دہلی میں آجائیں تو میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا ان میں یہاں کوئی رہ سکیگا۔ بارات کو جبکہ ہوا کے حبس سے گرمی کے مارے دم گھٹنے لگتا ہے کوئی سو سکیگا؟! فرض کیجے کہ ایک شخص گھوڑے پر پھر پھرا کر گھر میں آیا ہے۔ اور گرمی اور گرد کے مارے ادموا ہو رہا ہے۔ اور حسب معمول پسینہ میں تر بتر ہے تو کیا ہی لطف ہو اگر اسکو تنگ و تاریک زینہ سے چڑھکر چوتھی یا پانچویں منزل پر جانا اور پھر وہاں ایسے کمرہ میں ٹھہرنا پڑے کہ جہاں مارے گرمی کے دم ہی گھٹ جائے! ہندوستان میں اس قسم کی تکلیف کے سامان نہیں ہیں۔ یہاں تو سواری سے آکر فوراً تھوڑا سا تازہ ٹھنڈا پانی یا نیبو کا شربت پی لینا اور کپڑے اتار کر اور موہنہ ہاتھ دھو کر سایہ میں پلنگ پر لیٹ جانا اور ایک دو خدمتگاروں کو یہہ کہنا ہوتا ہے کہ بڑے بڑے پنکھے لیکر جھلنا شروع کریں۔

شہر دہلی کا ذکر

اب میں آپکو دہلی کی ٹھیک ٹھیک کیفیت سناتا ہوں۔ پھر آپ

خود غور کرسکیں گے کہ یہہ شہر خوبصورت ہے یا نہیں۔ ! قریب چالیس برس کے گزرے کہ شہنشاہِ حال کے والد شاہجہاں نے اپنی دائمی یادگار کے لیے پُرانی دلی کے پاس ایک نیا شہر آباد کیا اور اُس کا نام اپنے نام پر شاہجہان آباد* یا اختصار کے لیئے " جہان آباد " رکھا۔ اور اسکے دارالسلطنت بنانیکے لیئے یہہ وجہ ظاہر کی کہ گرمی کی شدت کے سبب سے آگرہ بادشاہ کے قیام کے لایق نہیں ہے لیکن اس سبب سے کہ اسکی تعمیر کے لیئے اکثر مصالحہ پُرانی دلی کے آس پاس کے کھنڈروں سے بہم پہنچایا گیا تھا پردیسی آدمی پُرانے اور نئے شہر میں تمیز نہیں کرتے اور دونوں کو دہلی ہی کہتے ہیں ! لیکن ہندوستان میں اکثر یہہ نیا شہر اپنے بانی ہی کے نام سے بولا جاتا ہے۔ ! بہرحال آسانی کے لیئے ہمنے بھی اہل یورپ ہی کا طریقہ اختیار کیا ہے۔

شہر دہلی ایک ہموار زمین پر جمنا کے کنارے پر جو لوائر کے برابر ایک دریا ہے ہلالی صورت میں آباد ہے۔ اور اُس طرف کے سوا جدھر دریا کے سبب سے (جسپر کشتیوں کا پُل بندھا ہوا ہے) محفوظ ہے۔ حفاظت کے لیئے سب طرف پختہ شہر پناہ بنی ہوئی ہے ! اور اگر اُن برجوں سے جو سو سو قدم کے فاصلہ پر شہر پناہ کے کنارے بنے ہوئے ہیں اور اُس کچے پشتے

---

* شاہجہاں نامہ میں لکھا ہے کہ اسکی آبادی شاہجہاں کے جلوس کے بارہویں سال مطابق سنہ ۱۰۴۸ ہجری اور سنہ ۱۶۳۸ء میں شروع ہوئی تھی اور خافی خاں نے اپنی کتاب منتخب اللباب میں لکھا ہے کہ تاریخوں میں سے جو شعرائے اسکی بابت کہی تھیں بادشاہ کو یہہ مادہ پسند آیا (شد شاہجہاں آباد از شاہجہان آباد) جسکو صاحب آثار الصنادید اپنی سند پر میر یحیی کاشی کا نکالا ہوا بتاتے ہیں۔ س م ح

سے جو قریب چار یا پانچ فرانسیسی فٹ کے اونچا ہے قطع نظر کیجائے تو یہہ بہت ناکمل ہے۔ کیونکہ نہ تو اُسکے گرد خندق ہے اور نہ کوئی اَور بچاؤ کا سامان ہے۔

یہہ حصار اگرچہ شہر اور قلعہ دونوں پر محیط ہے لیکن اُسکی وسعت اسقدر نہیں کہ جتنی لوگ خیال کرتے ہیں! کیونکہ میں تین گھنٹہ کے عرصہ میں اسکے گرداگرد پھر گیا ہوں۔ حالانکہ میں خیال کرتا ہوں کہ میرے گھوڑے کی چال فی گھنٹہ ایک لیگ فرانسیسی یعنی تین میل سے زیادہ نتھی ۵۱ میں اس تخمینہ میں شہر کے گرد نواح کی آبادیوں کو جو بہت سی ہیں۔ اور بہت دور تک لاہوری دروازہ کی جانب بستی چلی گئی ہیں اسمیں شامل نہیں کرتا۔ اور نہ پرانی دلی ۵۲ کے اُس بیشمار

---

۵۱ صاحب آثار الصنادید نے کتاب مرآت آفتاب نما کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ۲۲ جلوسی مطابق سنہ ۱۰۶۰ھ موافق سنہ ۱۶۵۰ء شاہجہان کے حکم کے بموجب مٹی اور پتھر سے چار مہینے کے عرصہ میں ڈیڑھ لاکھ روپیہ خرچ ہوکر یہہ فصیل تیار ہوئی۔ مگر دوسرے برس برسات میں اکثر جگہہ سے گر پڑی اسواسطے ازسرنو چونہ اور پتھر سے بننے کا حکم ہوا۔ اور سات برس کے عرصہ میں چار لاکھ روپیہ خرچ ہوکر تیار ہو گئی۔ طول اسکا چھ ہزار چھ سو چونسٹھ گز کا ہے۔ اور چار گز کی چوڑی) اور نو گز کی اونچی ہے۔ اور اسمیں ستائیس برج دس دس گز کے قطر سے ہیں سنہ ۱۸۰۳ء میں جب سرکار عالیہ انگریزی کا تسلط ہوا تو یہہ اکثر جگہہ سے ٹوٹ رہی تھی جسکو بہت خوبی سے درست کرا گیا۔ اور اجمیری دروازہ کے باہر جو غازی الدین خاں فیروز جنگ پدر نظام الملک آصف جاہ کا مقبرہ تھا جو مدرسہ کرکے مشہور ہے اسکو بھی اندر لے لیا گیا۔ اور قریب سنہ ۱۸۱۱ عیسوی کے اُسکے گرد بھی شہر پناہ بنائی گئی۔ س م ح

---

۵۲ صاحب آثار الصنادید کی تحقیق کے موافق پہلے اس شہر کا نام اندرپت تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس باب میں بڑا اختلاف ہے کہ یہہ نام بدل کر کب سے دہلی ہوگیا۔ مرآت آفتاب نما میں لکھا ہے کہ "یہہ بات مشہور ہے کہ راجہ دلیپ نے جو چندربنسیوں میں کا ایک راجہ ہے

بقیہ کو اور نہ اُن تین چار چھوٹی چھوٹی بستیوں کو جو شہر کے نواح میں ہیں - کیونکہ انکو شامل کر لینے سے شہر کی وسعت اسقدر بڑھ جاتی ہے کہ اگر بیچو بیچ ایک سیدھا خط کھینچا جائے تو ساڑے چار میل سے زیادہ ہو اور اگرچہ باغات وغیرہ کے بیچ میں آجانے کی وجہ سے میں ٹھیک نہیں کہہ سکتا کہ شہر کا کُل دور کسقدر ہے لیکن کچھ شک نہیں کہ بہت ہی زیادہ ہے -

---

بقیہ فٹ نوٹ: اپنے نام پر دِلّی آباد کی" لیکن یہہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی اسواسطے کہ ہندوؤں کی اگلی پوتھیوں میں باوجودیکہ راجہ دلیپ کا ذکر ہے مگر کہیں دلّی کا نام نہیں ہے - بلکہ جہاں لکھا ہے اندرپت ہی کرکے لکھا ہے - اور تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ سنہ ۳۰۷ ہجری مطابق سنہ ۹۱۹ء میں تونوردن کے خاندان میں سے ایک راجہ نے شہر اندرپت کے برابر دہلی شہر بسایا اور اسی مصنف نے کتاب نزہتہ القلوب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ چونکہ وہاں کی زمین نرم تھی اور ہندی میں دِہلی نرم زمین کو کہتے ہیں جہاں میخ نہ تھم سکے اس سبب سے وہ بستی دہلی کرکے مشہور ہو گئی مگر اس سنہ میں تونوردں کے خاندان میں حکومت تھی اور نہ اس سبب سے دہلی نام پڑجانا قرین قیاس ہے - اس واسطے یہہ بات بھی قابل اعتماد نہیں - اور مشہور بات جو صحیح بھی معلوم ہوتی ہے یہہ ہے کہ بقول صاحب مرآت آفتاب نما راجہ دہلو قنوج کے راجہ نے اس سبب سے کہ دِلّی کے راجہ اکثر قنوج کے تابع رہے ہیں - اندرپت میں اپنے نام پر شہر بسایا اور جب سے اس کا نام دہلی مشہور ہوا - بلکہ اصلی نام دہلی کا دِہلو ہے - جیساکہ موافق روایت صاحب جواہر الحروف امیر خسرو نے جلال الدین فیروز شاہ کو خطاب کرکے دہلو کا لفظ اپنے اس شعر میں باندھا ہے ؎ یا یک سہم بخشش یا زاغ ریغرہا بار گی + یا بغرہاں دہ کہ گردون شیئم د دہلو روم + راجہ دہلو راجہ پورس یعنی راجہ فور والی کماٹوں کا ہمعصر تھا اور اُسی کی لڑائی میں مارا گیا - اور قنوج تک راجہ فور کا عمل ہو گیا - اور اسکے بعد سکندر اعظم نے راجہ فور پر ستلج کے کنارے فتح پائی - اور گنگا کے کنارے یعنی قنوج تک عمل کر لیا - یہہ واقعہ سنہ ۳۲۶ قبل ولادت مسیح علیہ السلام میں ہوا کہ تخمیناً یہی زمانہ دہلی شہر بسنے کا معلوم ہوتا ہے - س م ح

* قلعہ جسمیں شاہی محلسرا اور اَور بادشاہی مکانات ہیں اور جنکا ذکر میں آیندہ کرونگا قریبا نصف دائرہ کی شکل کا ہے - اور سامنے دریاے جمنا بہتا ہے - اور قلعہ کی دیوار اور پانی کے مابین ایک ریتلا وسیع میدان ہے جسمیں ہاتھیوں کی لڑائی دیکھائی جاتی ہے - اور امیروں اور سرداروں اور ہندو راجاؤں کی فوجیں بادشاہ کے ملاحظہ کے واسطے کھڑی کیجاتی ہیں جنکو بادشاہ محل کے جھروکوں میں سے دیکھا کرتا ہے -

---

* شاہجہاں نے اپنے جلوس کے بارہویں سال مطابق سنہ ۱۰۴۸ ہجری سنہ ۱۶۳۸ء میں شاہجہان آباد کی آبادی کا حکم دیا - اور بارہویں ذی الحجہ کو قلعہ بننا شروع ہوا - اُستاد حامد اور اُستاد احمد معمار جو اپنے فن میں یکتا تھے اسکی تعمیر کے لیئے مقرر ہوئے ! پہلے عزت خاں کو اِس کا اہتمام ملا - اور پانچ مہینے دو دن میں قلعہ کی بنیادیں کھدیں اور کچھ مصالحہ جمع ہوا - اور کہیں کہیں سے بُنیاد اونچی بھی ہوآئی ! پھر الہ وردی خاں کو یہہ کام سپرد ہوا اور دو برس ایک مہینے گیارہ دن میں قلعہ کے سب طرف کی دیوار بارہ بارہ گز اونچی ہوگئی ! پھر مکرمت خاں کا ذمہ ہوا - اور بیسویں سال جلوس یعنی قریب نو برس کے عرصہ میں سب کام تیار ہوگیا اور چوبیسویں ربیع الاول سنہ ۱۰۵۸ ہجری مطابق سنہ ۱۶۴۸ء یعنی تخت نشینی کے اکیسویں سال میں بادشاہ نے اسمیں پہلا جلوس کیا ! یہہ ہشت پہل بنا ہے - اور اسکا طول ایکہزار گز اور عرض چھ سو گز کا ہے جسکی کُل زمین چھ لاکھ گز ہوئی - اور اِس حساب سے یہہ اکبر آباد کے قلعہ سے دوگنا ہے - اسکی فصیل پچیس گز اونچی ہے - اور گیارہ گز گہری بنیاد ہے - ! دیوار کا آثار بنیاد سے پندرہ گز اور اوپر سے دس گز کا ہے - اسکی خندق چوبیس گز چوڑی اور دس گز گہری بنی ہوئی ہے - جسکا محیط تین ہزار چھ سو گز کا ہے - اِس قلعہ کی تعمیر میں پچاس لاکھ روپیہ خرچ ہوا تھا - اور کتاب مرآت آفتاب نما میں لکھا ہے کہ کروڑ روپیہ صرف میں آیا تھا - یعنی پچاس لاکھ قلعہ کے بننے میں اور پچاس لاکھ اُسکے اندر کے مکانوں کی تعمیر میں خرچ ہوا تھا -

(از آثار الصنادید) (س م ح)

قلعہ کی دیوار اپنی پُرانی وضع کے گول برجوں کے لحاظ سے شہر پناہ کے مشابہ ہے۔ لیکن چونکہ یہہ کچھ اینٹ کی اور کچھ لال پتھر کی بنی ہوئی ہے جو سنگ مرمر کے مشابہ ہے۔ اس سبب سے شہر پناہ کی بہ نسبت زیادہ خوبصورت ہے۔ اور شہر پناہ سے اونچان اور مضبوطی اور چکلان میں بھی زیادہ ہے اور شہر کے رخ چھوٹی چھوٹی توپیں چڑھی ہوئی ہیں اور دریا کی جانب کے سوا قلعہ کے سب طرف پختہ اور عمیق خندق بنی ہوئی ہے۔ جسکی روکار کے پتھر صاف اور گھڑے ہوئے ہیں۔ اور جو پانی سے بھری رہتی ہے جسمیں کثرت سے مچھلیاں ہیں۔ ! یہہ عمارت اگرچہ بظاہر مضبوط نظر آتی ہے۔ لیکن اصل میں یہ کچھ مستحکم نہیں ہے۔ اور میری دانست میں ایک متوسط طاقت کا توپخانہ اسکو فوراً زمین کے برابر کر دیسکتا ہے۔ ! اس خندق کے قریب ہی ایک بڑا باغ ہے جو پھولوں اور پودوں سے ہمیشہ ہرا بھرا رہتا۔ اور قلعہ کی عظیم الشان اور سُرخ رنگ کی فصیل کے سامنے ہونے کی وجہ سے بہت خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ اور اس باغ کے متصل ایک بادشاہی چوک ہے جسکے ایک طرف تو قلعہ کا دروازہ ہے۔ اور دوسری جانب شہر کے دو بڑے بازار آنکر ختم ہوئے ہیں ! جو ملازم راجہ حسب معمول ہفتہ وار چوکی دینے آتے ہیں اُن کے خیمے اس چوکور میدان میں لگائے جاتے ہیں۔ کیونکہ یہہ لوگ جو ایک قسم کے چھوٹے چھوٹے بادشاہ ہیں قلعہ میں رہنے سے سخت عذر کرتے ہیں اور اسلیئے قلعہ کے اندر کا پہرہ امرا اور منصب داروں کا ہوتا ہے ! اور اس جگہہ صبح کے وقت بادشاہی گھوڑے جو اسکے قریب ہی ایک بڑے اصطبل

میں رہتے ہیں پھراٹے جاتے ہیں ! اور یہیں سواروں کی فوج کا میر بخشی نو ملازم سواروں کے گھوڑوں کو دیکھتا بھالتا ہے۔ اور اگر وہ گھوڑے اچھی نسل کے اور اچھے مضبوط اور پیمانہ کے پورے ہوں تو اُن کی ران پر بادشاہی اور اُس امیر کا داغ دلوادیتا ہے جسکی فوج میں وہ بھرتی ہوں۔ اور اس سے یہہ فائدہ ہے کہ اُنہیں گھوڑوں کو دوسرے نو ملازم سوار مستعار لیکر موجودات کیوقت پیش نہیں کر سکتے۔ اِسی جگہہ انواع و اقسام کی بیشمار چیزوں کی خرید فروخت کے لیئے گزری لگتی ہے۔ جو پیرس کے پونٹ نی آف* کی طرح ہر قسم کے کھلاڑیوں اور بھان متیوں اور ہندو اور مسلمان نجومیوں اور رمالوں کا مرجع ہے اور یہہ فاضل نجومی دھوپ میں ایک میلا سا قالین کا ٹکڑہ بچھائے بیٹھے رہتے ہیں جنکے پاس علم ریاضی کے کچھ پرانے آلات ہوتے ہیں۔ اور سامنے ایک بڑی سی کتاب کھلی رہتی ہے۔ جسمیں بارہ برجوں کی شکلیں بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ اور اس طور سے یہہ راہ چلتے لوگوں کو پھسلاتے اور فریب دیتے ہیں ! اور عوام الناس غیب داں سمجھکر اُن سے رجوع کرتے ہیں۔ ! اور یہہ ایک پیسہ لیکر بیچارے حمقا کو بتاتے ہیں کہ انکی قسمت میں آیندہ کیا ہونا ہے۔ اور اُن کے ہاتھ اور چہرہ کو خوب دیکھ بھال کر اور کتاب کے ورق اُلٹ پلٹ کر یقین دلاتے ہیں کہ گویا واقعی کچھ حساب لگا رہے ہیں ! اور یہہ لوگ جس کام کی بابت اُن سے سوال کرتے ہیں اُسکے لیئے وقت اور "ساعت" یعنی مہورت بتاتے ہیں اور نادان عورتیں سر سے پانوں تک ایک سفید چادر اوڑھکر اُن کے پاس جمع

* ایک بڑے پل کا نام ہے جو شہر پیرس میں ندی پر بنا ہوا ہے۔ س م ح

ہوتی ہیں - اور اپنی تمام عمر کے اُمورات کی نسبت اُن سے پوچھ گچھ کرتی اور
اپنے تمام دلی بھید اُن سے کہہ دیتی ہیں - جس طرح فرانس میں ایک وسواسن
عورت اپنے پادری کے پاس جاکر توبہ کے قصد سے اپنے تمام گُناہ ظاہر
کردیتی ہے - ! اور یہہ بیوقوف اور جاہل یقین رکھتے ہیں کہ ستاروں کی تاثیر کا
بدل دینا اِن لوگوں کے اختیار میں ہے ! اِن نجومیوں میں سب سے زیادہ
ہنسی کے لایق ایک دوغلہ پُرتگیز تھا - جو گوآ سے بھاگ آیا تھا - ! یہہ مسخرہ
بھی اپنا قالین بچھائے بڑی تمکنت سے بیٹھا رہتا تھا - اور اِسکے پاس بھی
بہت سے سائل آتے تھے - حالانکہ وہ کچھ لکھ پڑھ بھی نہ سکتا تھا - اور اُسکے
پاس آلات نجوم کی عوض صرف ایک پُرانا جہازی قطب نما تھا - اور کتابوں کی
جگہہ رومن کیتھلک فرقہ کی نماز کی پُرتگیزی زبان میں دو پرانی یا تصویر کتابیں
تھیں جنکی تصویروں کو کہتا تھا کہ فرنگستان میں برجوں کی صورتیں اِسی طرح
کی بناتے ہیں ! ایک دن فرقہ جیسوئیٹ کے پیشوا فادر بوزی صاحب نے
اُسکو اِس کام میں مشغول دیکھکر پوچھا کہ تو یہہ کیا کرتا ہے تو اُسنے شرمندہ ہونیکی جگہہ
یہہ جواب دیا کہ "ایسے بیوقوفوں کا نجومی ایسا ہی چاہیئے" یہہ ذکر میں اُن
غریب نجومیوں کا کرتا ہوں جو بازاروں میں دیکھائی دیتے ہیں - لیکن نہ
منجم جو امیروں کے پاس آتے جاتے ہیں وہ اُنکو بڑا علامہ سمجھتے ہیں اور
اسی طرح پر یہہ دولتمند ہوجاتے ہیں ! تمام ایشیا میں یہہ بے اصل وہم پھیلا
ہوا ہے - اور خود بادشاہ اور بڑے بڑے امیر اِن فریبی غیب گویوں کو
بڑی بڑی تنخواہیں دیتے ہیں - اور بغیر اُنکی صلاح کے کوئی ادنے کام بھی

شروع نہیں کرتے یہہ نجومی گویا آسمان میں لکھی ہوئی باتیں جانتے اور ہرایک کام کے کرنیکے لیئے مبارک گھڑی تجویز کرتے اور ہرایک شبہ کو قرآن سے فال نکال کر حل کرتے ہیں۔

وہ دو بڑے بازار جنکا ابھی ذکر ہوا اور جو اس چوک میدان میں آکر ملتے ہیں اُن کا عرض قریب پچیس یا تیس قدم کے ہوگا۔ اور جہاں تک کہ نظر پہنچتی ہے وہ سیدھے چلے جاتے ہیں۔ اور ان میں سے جو بازار لاہوری دروازہ کو جاتا ہے وہ بہت لمبا ہے۔ بلحاظ وضع عمارت یہہ دونوں بازار ایک ہی سے ہیں اور جیسا کہ پیرس کا بازار معروف بلیس رائل ہے اُسی طرح اُن کے بھی دونوں جانب کی دکانیں محراب دار ہیں مگر اتنا فرق ہے کہ ایک تو انکی عمارت خشتی ہے دوسرے یہہ کہ یہہ ایک منزلی ہیں۔ اور انکی چھتیں بطور ایک مسطح چبوترے کے کام دیتی ہیں۔ اور یہہ بھی تفاوت ہے کہ پلیس رائل کی دوکانوں کے برانڈے اس قطع کے ہیں کہ اُنمیں داخل ہوکر انسان بازار کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جا سکتا ہے اور انکی دوکانوں کے برانڈے علیحدہ علیحدہ ہیں جنکے بیچ میں دیواریں حائل ہیں جنمیں بیٹھ کر دن کے وقت اہل حرفہ اور صرّاف اپنا اپنا کام کرتے اور بیوپاری اپنا مال خریداروں کو دکھاتے ہیں۔ ! ان محرابی برانڈوں کے پیچھے اسباب رکھنے کے لیئے کوٹھڑیاں بنی ہوئی ہیں۔ جنمیں رات کیوقت سب اسباب رکھدیا جاتا ہے۔ اور اوپر بیوپاریوں کے رہنے کے لیئے بالاخانے بنے ہوئے ہیں جو بازار کی طرف سے خوبصورت نظر آتے ہیں۔ اور ہوادار اور آرام کے قابل اور گرد و غبار سے محفوظ ہیں۔

اور اِن کے آگے برانڈے کی چھت جو صحن کے طور پر ہے جو لوگ اِن میں رہتے ہیں وہ رات کو اُس پر سوتے ہیں۔ مگر ایسے بالاخانے سب دوکانوں پر نہیں ہیں۔ اور اگرچہ شہر کی بعض بعض اَور اطراف میں بھی اِسی طرح کسی کسی دوکان پر اچھے بالاخانے بنے ہوئے ہیں۔ مگر اِن اطراف میں کوٹھریوں کے اوپر جو بالاخانے ہیں۔ اکثر ایسے پست بنے ہوئے ہیں کہ بازار میں سے بخوبی دکھائی نہیں دیتے۔ مگر متموّل بیوپاری دوکانوں پر نہیں سوتے۔ بلکہ کام کاج کے بعد اپنے اپنے مکانوں کو جو شہر میں ہیں چلے جاتے ہیں۔!

اِن کے سوا پانچ بازار اَور ہیں۔ اور اگرچہ اُنکی قطع اور وضع بھی اُنہیں کے قریب قریب ہے۔ لیکن ایسے لمبے اور سیدھے نہیں ہیں۔ اور اِن کے علاوہ گلیوں اور کوچوں میں جو بیشمار بازار ہیں اور جو ایک دوسرے کو تقاطع کرتے ہیں اُن میں سے اگرچہ اکثر کے سامنے کی عمارت محرابی طور کی ہے۔ مگر چونکہ وہ ایسے لوگوں کی بنائے ہوئے ہیں جنکو عمارت کے تناسب کا کچھ خیال نتھا۔ اسلیئے اِن میں بہت کم ایسے خوش قطع اور سیدھے اور عریض ہیں جیسے کہ وہ بازار ہیں جنکا مینے ابھی ذکر کیا ہے۔

شہر کے گلی کوچوں میں جو منصب داروں اور حکامِ عدالت اور دولتمند تاجروں اور اَور لوگوں کے مکانات ہیں۔ اُن میں بھی بہت سی اچھے خاصے خوبصورت ہیں۔ مگر اینٹ یا پتھر کے بنے ہوئے مکان بہت تھوڑے اور کچّے اور خس پوش زیادہ ہیں۔ لیکن باوجود اسکے عموماً ہوادار اور خوشنما ہیں۔ اور اکثروں میں چوک اور باغیچے ہیں۔ اور بہت آرام کے اور

ہر قسم کے سامان سے آراستہ ہیں اور جو مکان خس پوش ہیں وہ بھی اچھے لمبے اور مضبوط بانس کے چھپروں سے چھائے ہوئے اور کہگل اور سفیدی کئے ہوئے ہیں۔ اور یہہ بیشمار خس پوش اور چھوٹے چھوٹے مکانات جو بڑے بڑے مکانات کے ساتھ خلط ملط ہیں اِن میں معمولی فوجی سوار اور اَن گنت نفر خدمتگار اور نان بائی وغیرہ جو بادشاہ اور لشکر کے ساتھ جایا کرتے ہیں رہتے ہیں۔ اور اِن کے سبب سے شہر میں اکثر آگ لگ جاتی ہے۔ چنانچہ پچھلے برس تین بار ایسی آگ لگی کہ تیز ہوا کے سبب سے جو گرمی کے موسم میں چلا کرتی ہے۔ قریباً ساٹھ ہزار چھپروں پر پانی پھر گیا۔ اور چند اونٹ اور گھوڑے اور بہت سی پردہ دار عورتیں بھی جل بھن گئیں کیونکہ یہہ بیچاریاں ایسی شرماؤ اور اپاہج ہوتی ہیں۔ کہ نامحرم لوگوں سے مونہہ چھپانے کے سوا اِن سے کچھ بن ہی نہیں آتا۔ چنانچہ جو عورتیں اِس صدمہ سے ہلاک ہوئیں وہ اتنی ہمت نہ رکھتی تھیں کہ بھاگ کر بچ جائیں! اِن کچّے اور خس پوش مکانوں کے باعث سے میں ہمیشہ یہہ خیال کیا کرتا ہوں کہ سوائے اتنے فرق کے کہ آرام کے بعض سامان اسمیں زیادہ ہیں۔ دہلی گویا چند دیہات کا مجموعہ یا فوج کی چھاونی ہے۔

اُمرا کے مکانات اگرچہ اکثر دریا کے کنارے اور شہر کے باہر ہیں لیکن اَور مقامات میں بھی ہیں اور اِس گرم مُلک میں اُسی مکان کو عمدہ سمجھتے ہیں جسمیں سب طرح کا آرام ہو اور سب طرف کی اور خاصکر شمال کے جانب کی ہوا آتی ہو۔ چنانچہ وہ مکانات عمدہ سمجھے جاتے ہیں جنمیں ایک اچھا صحن اور باغچہ

اور درخت اور حوض اور دالان کے اندر یا دروازہ میں چھوٹے چھوٹے فوارے لگے ہوں۔ اور خوبصورت تہ خانے ہوں جنہیں بڑے بڑے پنکھے لگے ہوئے ہوتے ہیں اور اپنی خنکی کی وجہ سے گرمی کے دنوں میں دوپہر سے چار یا پانچ بجے تک جب کہ ہوا ایسی گرم ہوتی ہے کہ سانس نہیں لیا جا سکتا بہت آرام کی جگہہ ہوتی ہیں۔ مگر تہ خانوں کی بہ نسبت اکثر لوگ خسخانوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں جو چھوٹے چھوٹے پاکیزہ کمرے ہوتے ہیں جو ایک قسم کی گھاس کی خوشبودار جڑوں سے بنائے جاتے اور چمن کے اندر اس غرض سے حوض کے قریب لگائے جاتے ہیں کہ خدمتگار لوگ چمڑے کی ڈولچیوں سے اُنکو باہر کی طرف سے آسانی کے ساتھ چھڑک سکیں اور اس قطع کا مکان سب سے عمدہ خیال کیا جاتا ہے۔ جسکے چاروں طرف قدآدم اونچے دالان ہوں جنمیں چاروں طرف کی ہوا آتی ہو۔ اور ایک بڑے چمن کے اندر* بنا ہوا ہو۔ اور فی الواقع کوئی عمدہ مکان ایسا نہیں ہے جسمیں گھر والوں کے سونیکے لیئے صحن چبوترہ نہ ہو جہاں سے بارش یا آندھی کے وقت یا جب صبح کو سرد ہوا چلنے یا شبنم پڑنے لگتی ہے پلنگ کو سرکا کر اندر لیا جاتا ہے۔ یہہ شبنم اگرچہ زیادہ نہیں ہوتی مگر بدن میں سرائت کر جاتی ہے۔ جس سے اکثر ہاتھ پاٴوں اکڑ جاتے ہیں۔

اچھے گھروں میں نشست کا یہہ طریقہ ہے کہ فرش کے اوپر روئی کا ایک بھاری اور قریب چار اُنگل کے موٹا گدیلا بچھا رہتا ہے جسپر گرمی کے

---

* غالباً بارہ دری مُراد ہے۔ س۔ م۔ ح

دنوں میں عمدہ سفید کپڑا (چاندنی) اور جاڑوں میں ریشمین قالین بچھاتے ہیں۔ اور دالان کے صدر میں ایک یا دو گدیلے بچھے رہتے ہیں۔ جنپر ریشم کے ہلکے کام کی سوزنی جسپر سنہری اور روپہلی زری کی دھاریاں بنی ہوئی ہوتی ہیں پڑی رہتی ہے۔ اور صاحب خانہ اور معزز اور ممتاز لوگ جو ملاقات کو آتے ہیں اُسپر بیٹھتے ہیں۔ اور ہر ایک گدیلے پر کمخاب کا ایک گاؤ تکیہ بھی لگا رہتا ہے اور اِسکے علاوہ اہل مجلس کے آرام کے لیئے دالان کے گرداگرد کمخاب اور مخمل اور پھولدار ریشمین کپڑے کے غلافوں کے چند اور تکیئے بھی لگے رہتے ہیں۔ اور دالان کے چاروں طرف جو زمین سے قریب دو یا ڈیڑھ گز اونچے بہت معقول اور باقرینہ مختلف شکل کے طاق بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ اُن میں عمدہ عمدہ چینی کے برتن اور گلدان رکھے جاتے ہیں۔ اور دالان کی چھت منقش اور ملمّع کاری کی ہوتی ہے۔ مگر انسان یا کسی اَور جاندار شے کی تصویر اُسپر نہیں ہوتی۔ کیونکہ مذہب اسلام میں ممنوع ہے۔

یہہ ہندوستان کے ایک عمدہ مکان کا قریباً صحیح بیان ہے۔ اور دہلی میں ایسے مکانات بہت سے موجود ہیں۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ بغیر فرنگستان کے مکانوں کی ہجو کے بلا اندیشہ یہہ کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان کی دارالسلطنت کی عمارتیں اگرچہ فرنگستانی عمارتوں سے کسی طرح کی بھی مشابہت نہیں رکھتیں۔ مگر تاہم خوبصورتی سے خالی نہیں۔ مگر جو چیز کہ فرنگستان کے شہروں کی زیب و زینت کا باعث ہے وہ خوشنما اور شاندار دکانیں ہیں جو دہلی میں

نہیں ہیں اور اگرچہ یہ شہر ایک عالیشان اور طاقتور بادشاہ کے دربار کا مقام ہے - جہاں لازمی طور پر ہر قسم کی بیش قیمت اشیا کا جمع ہو جانا ایک ضروری امر ہے - تاہم کوئی ایسا بازار یہاں نہیں ہے جیسا ہمارا سینٹ ڈینس ہے جسکا مقابل اور ہمسر غالباً تمام ایشیا میں نہ ہوگا -

یہاں بیش قیمت مال اکثر مال خانوں میں دھرا رہتا ہے - اور فرنگستان کی طرح دُکانیں بھڑک دار اور بیش قیمت اسباب سے شاذ و نادر ہی آراستہ نظر آتی ہیں اور اگر ایک دُکان میں پشمینہ کمخاب اور زری کار مندیلیں اور ریشمین کپڑے وغیرہ ہیں تو پاس ہی کوئی پچیس دکانوں میں گھی تیل دال چاول گیہوں جو وغیرہ بیشمار قسم کے اناج جو نہ صرف ہندوؤں کی معمولی غذا ہے جو کبھی گوشت نہیں کھاتے بلکہ غریب مسلمان اور بہت سے سپاہی بھی یہی کھاتے ہیں ٹوکروں میں بھرے ہوئے دھرے نظر آتے ہیں البتہ ایک بازار ایسا ہے جسمیں میوہ کھُلا رکھا رہتا ہے - اور اُسمیں بہت سی دُکانیں ہیں جو گرمی کے موسم میں ایران بلخ بخارا اور سمرقند کے خشک میوؤں بادام پستہ فندق کشمش بیر اور زرد آلو اور جاڑوں میں سیاہ اور سفید نہائیت عمدہ تازے انگوروں سے جو روئی کی تہ میں لگائے ہوئے ان ملکوں سے آتے ہیں اور ناشپاتی اور تین چار قسم کے سیب اور نہایت عمدہ سردوں سے جو جاڑے بھر بکتی رہتے ہیں بھری رہتی ہیں مگر یہ میوے بہت مہنگے بکتے ہیں چنانچہ ایک سردہ پونے چار روپیہ کو آتا ہے - لیکن باینہمہ اہل دہلی کو سب میوؤں سے زیادہ مرغوب اور پسند ہے ! امرا کے اس میوہ کثرت سے خریدا جاتا ہے - چنانچہ

مجھے یاد ہے کہ میرے "آغا" کے ہاں اکثر صبح کے کھانیکے موقع پر کوئی پچاس روپیہ کا میوہ صرف میں آتا تھا۔

گرمی کے موسم میں دیسی خربوزہ بہت سستا ہوتا ہے۔ لیکن زیادہ لذیذ نہیں ہوتا۔ اور بجز اسکے کہ ایران سے بیج منگوا کر ایک اچھی اور کمائی ہوئی زمین میں بویا جاوے جیسا کہ اُمرا اکثر کرتے ہیں عُمدہ میسّر نہیں آتا۔ مگر ویسے بھی اچھّا اور عمدہ خربوزہ کمیاب ہے۔ کیونکہ یہاں کی زمین موافق نہیں ہے۔ اور ایک سال کے بعد یہہ تخم بھی بگڑ جاتا ہے۔

گرمی کے موسم میں آم دو مہینے تک رہتے ہیں اور بہت کثرت سے اور سستے ملتے ہیں۔ لیکن دہلی میں جو آم پیدا ہوتا ہے وہ نہ تو کچھ اچھا ہی ہے اور نہ کچھ بُرا۔ اور سب سے عمدہ آم بنگالہ گول کنڈا اور گوآ سے آتا ہے۔ جو فی الواقع نہایت عمدہ ہوتا ہے۔ اور کوئی مٹھائی اُسکی شیرینی اور خوشبو کو نہیں پہنچتی۔ تربوز سال بھر رہتا ہے۔ لیکن دہلی میں جو پیدا ہوتا ہے وہ نرم اور بیمزہ ہے۔ اور رنگت بھی اچھّی نہیں ہوتی۔ البتہ کبھی کبھی اُمرا کے ہاں اچھا کھانے میں آتا ہے۔ جو باہر سے بیج منگوا کر بڑی احتیاط او خرچ سے بُواتے ہیں۔!

شہر میں حلوائیوں کی دکانیں کثرت سے ہیں۔ لیکن مٹھائی اچھّی نہیں بنتی اور گرد اور مکھیوں سے بھری رہتی ہے۔! نان بائی بھی بہت ہیں مگر اُن کے تنور ہمارے ہاں کے تنوروں سے مختلف وضع کے ہیں اور بہت بُرے ہیں۔ اور اس سبب سے روٹی نہ تو عمدہ ہی ہوتی ہے اور نہ خوب سکی

ہوئی البتہ جو روٹی قلعہ میں بکتی ہے وہ کسیقدر اچھی ہوتی ہے اور امراتو
اپنے گھر پر ہی تیار کرا لیتے ہیں۔ اور اسوجہ سے نہایت عمدہ ہوتی ہے
اور اسمیں دودھ مکھن اور انڈا خوب ڈالا جاتا ہے۔ اور اگرچہ خوب پھول جاتی
ہے۔ مگر مزا جلی ہوئی کا سا ہوتا ہے۔ اور زیادہ تر کیک جیسی ہوتی ہے
اور پیرس کی "گاتیس" اور اور روٹیوں کو ہرگز نہیں پہنچتی۔ اگرچہ بازار میں
کئی قسم کے کباب اور قلیہ وغیرہ بکتا ہے۔ لیکن اسکا کچھ اعتبار نہیں کہ کس جانور
کا گوشت ہے۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ کبھی کبھی اونٹ یا گھوڑے یا فریب
بیل کا گوشت بھی ہوتا ہے۔ غرض کوئی کھانا جو گھر میں تیار نہ ہوا ہو عین صحت
نہیں ہے۔! دہلی کے ہر گلی کوچے میں گوشت بکتا ہے۔ لیکن بکری کے
گوشت کی جگہ دھوکے سے بھیڑ کا گوشت بھی دیدیتے ہیں۔ پس اس فریب
سے بچنے کے لیئے ہوشیار رہنا چاہیئے۔ کیونکہ بیل کا گوشت اور خاص کر
بھیڑ کا اگرچہ مزہ میں برا نہیں ہوتا۔ لیکن گرم ذرا زیادہ ہوتا ہے۔ اور نفاخ
اور دیر ہضم بھی ہے۔! حلوان کا گوشت سب سے عمدہ ہوتا ہے۔ مگر چونکہ
بازار میں شاذ و نادر ہی ملتا ہے۔ اسلیئے زندہ جانور خریدنا پڑتا ہے۔ لیکن
اسمیں یہہ بڑی دقت ہو کہ اس ملک میں صبح کا گوشت شام تک نہیں ٹھہرتا۔
دوسرے یہہ کہ جانور دبلے ملتے ہیں۔ اور اسوجہ سے گوشت بیمزہ ہوتا ہی
۔ اور قصائیوں کی دکانوں میں دبلی بکریوں کا گوشت ملتا ہے جو اکثر سخت ہوتا
ہے۔ مگر خاص مجھکو اس امر کی شکایت نا زیبا ہے۔ کیونکہ جب سے کہ میں ان
لوگوں کے رویّہ سے واقف ہو گیا ہوں ایسا کم اتفاق ہوا ہے کہ مجھکو روٹی

یا گوشت اچھا نہ لا ہو۔ چنانچہ میں خاص بادشاہی باورچیخانہ کے داروغہ کے پاس قلعہ میں اپنا نوکر بھیجدیتا ہوں اور وہ خوشی سے عمدہ کھانا دیدیتے ہیں۔ جسپر انکی لاگت اگرچہ کم لگی ہوتی ہے۔ مگر میں برضامندی ایک اچھی قیمت دیدیتا ہوں۔ چنانچہ میرا "آغا" مجھسے یہہ سنکر بہت ہنسا کہ میں برسوں سے چوری اور چالاکی سے اپنا گزارہ کرتا ہوں۔ ورنہ پونے چار سو روپیہ میں جو مجھے آپکی سرکار سے ملتے ہیں فاقوں کے مارے مرجاتا حالانکہ فرانس میں صرف آٹھ آنہ روز میں ایک بادشاہ کا سا کھانا کھا سکتا ہوں۔

خصی مرغ دہلی میں بالکل نہیں دکھائی دیتا۔ کیونکہ اس ملک کے لوگ جانوروں پر عموماً رحم کرتے ہیں۔ اگرچہ انسانوں پر رحم نہیں کرتے۔ جنکو محلسرا کے کام کے لئے خوجہ بناتے ہیں۔ لیکن پرند جانور کثرت سے بازار میں بکتے ہیں اور اچھے اور سستے بھی ہیں۔ چنانچہ ایک چھوٹی قسم کی مرغی جسکا چمڑہ سیاہ ہوتا ہے۔ اور جسکا نام مینے "حبشی" رکھا ہے وہ بھی بکتی ہے۔ کبوتر بھی ملتے ہیں مگر بچے نہیں ملتے۔ کیونکہ ہندوستان کے لوگ بچوں کا مار ڈالنا بیرحمی کا کام سمجھتے ہیں! تیتر بھی ملتے ہیں۔ مگر ہمارے ملک کے تیتر سے چھوٹے ہوتے ہیں۔ اور اس سبب سے کہ جال سے پکڑکر دور سے زندہ لاتے ہیں ایسے اچھے نہیں ہوتے جیسے کہ اور پرند ہوتے ہیں یہی کیفیت مرغابیوں اور خرگوشوں کی ہے جو زندہ پکڑے جاکر پنجرے کے پنجرے بھرے ہوئے شہر میں آتے ہیں! دہلی کی نواح کے ماہی گیر اپنے پیشہ میں ہوشیار نہیں ہیں۔ لیکن بعض اوقات اچھی مچھلی بھی بکتی ہے۔ خصوصاً "سنگھاڑا" اور "روہو" جو اپنے انکی

پائک اور کارپ کی شکل کی ہوتی ہیں مگر جاڑوں میں ماہی گیر مچھلی کم پکڑتے ہیں کیونکہ اس ملک کے لوگ سردی سے اس سے بھی زیادہ ڈرتے ہیں جتنا کہ اہل فرنگ گرمی سے خوف کرتے ہیں۔ اور اس موسم میں اگر اتفاق سے کوئی مچھلی آجاتی ہے تو خواجہ سرا اُسکو فوراً خرید لیتے ہیں۔ کیونکہ وہ بالتخصیص اسکے شائق ہیں اور مجھے معلوم نہیں کہ اس کا سبب کیا ہے۔ مگر اُمرا کو کوڑے کے زور سے جو ہمیشہ اُن کے دروازہ پر لٹکتا رہتا ہے اُنکو ہر ایک موسم میں مچھلی پکڑنیکو بھیجتے ہیں۔!

اب میرا یہہ بیان سُنکر آپ غور فرما سکتے ہیں۔ کہ کیا کوئی خوش خور شخص پیرس کو چھوڑکر دہلی کی سیر کو خوشی سے آئیگا۔؟ بیشک امیروں اور دولتمند لوگوں کو ہر ایک شے میسر ہے لیکن یہہ صرف اُن کے ملازموں کی کثرت اور کوڑے اور روپیہ کے باعث سے ہے۔! دہلی میں متوسط الحال شخص کوئی نہیں ہے اور یا تو بڑے بڑے عالی رتبہ لوگ ہیں یا ایسے ہیں جنکی زندگی مصیبت سے بسر ہوتی ہے۔ چنانچہ باوجود اسکے کہ میری تنخواہ بھی معقول ہے۔ اور میں خرچ بھی کرتا ہوں۔ لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حسب دلخواہ کھانا نہیں ملتا۔ وجہ یہہ کہ بازار میں اچھی چیز نہیں ملتی۔ اور اکثر وہی چیزیں ملتی ہیں۔ جنکو اُمرا نے ناپسند کرکے چھوڑ دیا ہو! شراب جو فرنگستان میں کھانیکا بڑا جزو سمجھی جاتی ہے دہلی کی کسی دکان میں نہیں ملتی۔ اور اگرچہ دیسی انگور کی بن سکتی ہے لیکن شرع اسلام اور شاستر کی رو سے برابر ممنوع ہے۔ چنانچہ احمد آباد اور گول کنڈہ میں بعض ڈچ اور انگریزوں کے گھروں میں مینے پی ہے جو بد مزہ نہ تھی اور

سلطنت مغلیہ میں اگر کبھی عمدہ شراب ملتی ہے تو وہ شیراز یا جزائر کناری* کی ہوتی ہے۔ چنانچہ شراب شیرازی تو ایران سے خشکی کی راہ سے بندر عباس میں پہنچکر بذریعہ جہاز سورت میں آتی ہے۔ جہاں سے چھیالیس[۴۶] دن کے عرصہ میں دہلی میں پہنچ جاتی ہے۔ اور جزائر کناری سے ڈچ لوگ سورت میں لاتے ہیں۔ لیکن یہہ دونوں قسم کی شرابیں اسقدر گران قیمت ہیں کہ بقول اس مُلک کے لوگوں کے اُن کی قیمت اِن کے مزہ کو بے لطف کر دیتی ہے۔ چنانچہ ایک بڑا شیشہ جو تین انگریزی بوتلوں کے برابر ہوتا ہے۔ پندرہ[۱۵] یا سولہ[۱۶] روپیہ کم کو ہرگز نہیں آتا۔ اور جو شراب خاص اس مُلک میں بنتی ہے اور جسکو یہاں "عرق" کہتے ہیں ایک قسم کی تیز اور تند شراب ہے۔ جو گُڑ سے بھپکے میں کھینچکر

---

* یہہ چھوٹے بڑے سات جزیرے ہیں جو شمالی حصہ بحر اٹلانٹک میں واقع ہیں۔ اِن کا عرض شمالی ستائیس[۲۷] سے لیکر چالیس[۴۰] اور اُنتیس[۲۹] سے لیکر تیس[۳۰] تک اور طول غربی نصف النہار لندن سے تیرہ[۱۳] سے تیس[۳۰] اور اٹھارہ[۱۸] سے لیکر بیس[۲۰] تک ہے۔ اِن کا رقبہ بحساب انگریزی میل مربع اور آبادی موافق شمار ۱۸۳۵ء حسب ذیل ہے۔

			آبادی	رقبہ
(۱)	جزیرہ ٹے ناریف	Teneriffe	پچاسی ہزار (۸۵۰۰۰)	۸۷۷ ر ۷
(۲)	〃 کناری کلاں	Grand Canary	اڑسٹھ ہزار (۶۸)	۷۵۸ ر ۳
(۳)	〃 پالاما	Palama	تینتیس ہزار (۳۳۰۰۰)	۷۱۸ ر ۵
(۴)	〃 لین زے روٹ	Lanzarote	سترہ ہزار چار سو (۱۷۴۰۰)	۳۲۳ ر ۵
(۵)	〃 فیور ٹی وین ٹورا	Fuerteventura	تیرہ ہزار آٹھ سو (۱۳۸۰۰)	۳۲۶ ر ۱
(۶)	〃 گومے را	Gomera	گیارہ ہزار سات سو (۱۱۷۰۰)	۱۶۹ ر ۷
(۷)	〃 ہائی رو	Hiero	چار ہزار چار سو (۴۴۰۰)	۸۲ ر ۲

ان میں سے پانچواں جزیرہ ساحل افریقہ کے سب سے زیادہ قریب ہے۔ اور فاصلہ صرف پچاس[۵۰] اور ساٹھ[۶۰] میل کے اندر ہے۔ ان کے سوا اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے جزیرے ہیں۔ جو اکثر غیر آباد ہیں!

بناتے ہیں مگر اسکے بکنے کی بھی سخت ممانعت ہے اور سوائے عیسائی مذہب کے لوگوں کے علانیہ کوئی شخص نہیں پی سکتا - مگر یہہ عرق ویسا ہی تند و تیز ہے جیسا کہ پولینڈ کے ملک میں اناج سے بناتے ہیں اور اگر اسکا تھوڑا سا بھی زیادہ استعمال کیا جاوے تو لا علاج اعصابی امراض اُس سے پیدا ہوتے ہیں - پس عقلمند آدمی یہاں یا تو صرف خالص پانی پینے کی عادت رکھیگا یا نہایت عمدہ نیبو کے شربت کی - جو تھوڑی سی قیمت میں میسر آجاتا ہے - اور کچھ ضرر نہیں کرتا - اصل یہہ ہے کہ اِس گرم ملک میں بہت ہی کم لوگوں کو شراب کی زیادہ خواہش ہوتی ہے - اور کچھ شبہ نہیں کہ یہہ اپنی شراب نہ پینے کی عادت اور پسینہ کے بکثرت آتے رہنے کی وجہ سے بہت سی بیماریوں مثلاً نقرس سنگ مثانہ اور امراض گردہ اور زکام نزلہ اور چھوٹے چھوٹے تپ کو جانتے بھی نہیں - اور جو

رومیوں کو پہلے پہل شہنشاہ اگسٹس کے زمانہ میں اِن کی خبر ہوئی - پلوٹارک اور بطلیموس نے بھی اپنے جغرافیوں میں چند سرسبز جزیروں کا ذکر کیا ہے - لیکن وہ ایسا ناکافی ہے کہ صاف نہیں معلوم ہوتا کہ وہ جزائر ماڈی راس کا ذکر ہے یا کناری کا - یہہ سب کے سب بالفعل شاہ سپین کے قبضہ میں ہیں - اور لوگوں کی بلند قامتی کے لئے مشہور ہیں - آب و ہوا عمدہ خوشگوار اور خشک اور صحت بخش ہے ! اپریل سے اکتوبر تک شمالی یا شمالی مشرقی ہوا چلتی رہتی ہے اور مشرقی ہوا کے ساتھ کہر پڑنی شروع ہو جاتی ہے - مگر جاڑے کے موسم میں کبھی کبھی جنوبی مشرقی بھی ہوا چلتی ہے - جو برِ اعظم افریقہ کی طرف سے آتی اور گرم ہوتی ہے - اور اس سبب سے بہت خرابیاں پھیلتی ہیں - اور بعض اوقات اسکے ساتھ ٹڈی بھی آتی ہے - چنانچہ کہتے ہیں کہ ۱۸۱۲ء میں اسقدر ٹڈی آئی تھی کہ زمین پر چار چار فٹ تہ جم گئی تھی - انگور یہاں کثرت سے ہوتا ہے - اور سب سے بہتر شراب گوشہ شمال و غرب کے سواحل پر بنائی جاتی ہے - (انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا) س م ح

لوگ ان امراض کے شاکی یہاں آتے ہیں جیسا کہ خود میرا حال تھا وہ بہت جلد بالکل اچھے ہو جاتے ہیں۔ اور اعضائے تناسل کی بیماریاں بھی جو اس ملک میں بکثرت ہیں اور ملکوں کی سی نہ تو سخت ہی ہوتی ہیں اور نہ ویسے بُرے نتیجے ہی پیدا کرتی ہیں۔ البتہ اس ملک کے لوگ اگرچہ اکثر تندرست رہتے ہیں لیکن تاہم ویسی ہمّت اور جُراٴت نہیں رکھتے جیسے کہ ہمارے سرد ملک کے لوگوں میں ہے۔ اور جسم اور طبیعت کی کمزوری اور کاہلی جو ملک کی نہایت درجہ کی گرمی کا نتیجہ ہے ایک ایسی بیماری سمجھنی چاہیئے جسمیں ہر ایک شخص مبتلا ہے۔ اور جو فرنگستان کے لوگوں پر جو گرمی کی برداشت کے عادی نہیں ہیں خصوصیت کے ساتھ اثر کرتی ہے۔

دہلی میں ہنرمند کاریگروں کے کارخانے بالکل نہیں ہیں مگر اسکا سبب یہ نہیں کہ ہندوستانی لوگ صنّاعی اور کاریگری کی لیاقت نہیں رکھتے۔ کیونکہ ہندوستان کے ہر ایک حصّہ میں بہت سے ہوشیار اور ذہین لوگ پائے جاتے ہیں اور بیشمار خوبصورت چیزیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ جنکو لوگ بغیر کلوں کے بناتے ہیں۔ اور جنہوں نے شاید کسی اُستاد سے بھی تعلیم نہیں پائی ہوتی۔ اور بعض اوقات تو یہہ لوگ یورپ کی چیزوں کی ایسے کامل طور سے تقلید کرتے ہیں کہ اصل اور نقل میں فرق کرنا دشوار ہوتا ہے۔ چنانچہ منجملہ اس قسم کی اور اشیا کے نہایت عمدہ تمکاری اور چنگی بندوقیں ہیں۔ اور سونیکے زیور تو ایسے عمدہ بناتے ہیں کہ کوئی یورپین سُنار اُن سے بڑھکر شاید ہی بنا سکے۔

مصوّری اور نقّاشی کا بھی ایسا نازک اور باریک کام تیار کرتے ہیں کہ جسے

دیکھکر میں اکثر حیرت میں آگیا ہوں - جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کی بڑی بڑی مہموں کی ایک شبیہ جو ایک مشہور اور نامی مصوّر نے ایک ڈھال پر سات برس کے عرصہ میں تیار کی تھی اُسنے تو بالتخصیص مجھکو حیران کر دیا اور مینے اسکو ایک عجیب کام خیال کیا - مگر ہندوستانی مصوّر اکثر تصویر میں تناسب اعضا اور اُن حالتوں کے ظاہر کرنے میں جو مختلف اوقات میں انسان کے چہرہ پر نمایاں ہوا کرتی ہیں کچّے ہیں - لیکن اگر ان کو ایک اچھا اوستاد اس فن کے اصُول کی تعلیم دے تو یہہ عیوب جلد رفع ہو سکتے ہیں - اور اس سے ظاہر ہے کہ ہندوستان کے اس دار السلطنت شہر میں دستکاری او ہنرمندی کے اعلی قسم کے نمونوں کا پایا نہ جانا لوگوں کی کند ذہنی اور ناقابلیت کی وجہ سے نہیں ہے اور اگر کاریگروں اور کارخانداروں کو کچھ ہمّت دلائی جائے تو بیشک مفید اور عمدہ صنعتوں اور حرفوں کو ترقی ہو سکتی ہے - لیکن ان بیچاروں کو واجبی اجرت بھی نہیں ملتی - بلکہ اِن کے ساتھ سختی برتی جاتی ہے - اور دولتمند لوگ ہر ایک چیز ارزان قیمت پر لینی چاہتے ہیں - اور جب کبھی کسی امیر یا منصبدار کو کسی کاریگر کی ضرورت ہوتی ہے تو بازار سے بلوا لیتا ہے - اور بشرطِ ضرورت بیچارے سے جبراً کام لیتا ہے - اور چیز کے تیار ہو جانے پر اُسکی خوبی کے لحاظ سے نہیں بلکہ صرف اپنی اٹکل سے جو قیمت چاہتا ہے دیدیتا ہے - اور کاریگر کوڑوں کی مار سے بچ جانے ہی کو غنیمت سمجھتا ہے - پس اس حالت میں کیونکر ممکن ہے کہ کاریگر اور کارخاندار لوگ ایک دوسرے سے بڑھکر ہنر دکھانے میں سعی کریں - بلکہ اُن کو تو شہرت اور ناموری پیدا کرنیکے لیئے

کوشش کرنے کی جگہہ یہہ فکر رہتا ہے کہ کہیں جلدی پیچھا چھوٹ جائے
اور اسقدر مزدوری ملجاوے جسمیں اوقات بسر ہوجاوے - اس سبب سے
صرف وہ ہی کاریگر اپنے فن میں کسیقدر کمال پیدا کرتے ہیں جو بادشاہ یا کسی
صاحب اقتدار امیر کے نوکر ہیں - اور صرف اپنے آقا کیلئیے کام تیار کرتے ہیں

قلعہ کے اندر کے مکانات کا ذکر

قلعہ میں محلسرائے شاہی اور اور محل ہیں لیکن
آپکو یہہ خیال کرنا چاہیئے کہ وہ ایسے ویسے ہی ہیں جیسے کہ لوائر یا اسکیوریل*
ہیں - بلکہ ان کی کوئی چیز بھی فرنگستان کی عمارت کے مشابہ نہیں ہے -
اور جیسا کہ مینے ابھی بیان کیا ہے مشابہ ہونا چاہیئے بھی نہیں کیونکہ انکے
لیئے اس ملک کی آب وہوا کے موافق عمدہ اور شاندار ہونا ہی کافی ہے

دروازہ قلعہ معروف ہتھیاپول کا ذکر

قلعہ کے دروازہ کی عمارت میں کوئی قابل الذکر
چیز نہیں ہے بجز اسکے کہ پتھر کے دو بڑے ہاتھی بناکر دونوں جانب کھڑے کیئے
ہوئے ہیں جنمیں سے ایک پر چیتور کے مشہور و معروف راجہ جیمل کی مورت
ہے اور دوسرے پر اسکے بھائی فتا کی جو دونوں بڑے بہادر اور
شجاع شخص تھے - اور جنکی ماں ان سے بھی زیادہ دل چلی تھی اور جو شہنشاہ
اکبر سے ایسے لڑے تھے کہ ابد الآباد تک انکا نام رہیگا - اس عظیم الشان بادشاہ
نے جب ان کے شہر کو آنکر گھیر لیا تو یہہ بڑے ہی استقلال کے ساتھ اس سے
مقابل ہوئے - اور بجائے اسکے کہ اپنے دشمن کی جسکو اپنے زور اور
قوت پر بڑا گھمنڈ تھا اطاعت قبول کریں اپنی اور اپنی ماں کی جان اپنے

* یہہ بادشاہی محل ہیں جنمیں سے پہلا فرانس میں اور دوسرا اسپین میں ہے - مترجم

مُلک پر قربان کر ڈالی - اور یہہ اُنکی اُسی بے مثل جانبازی ہی کی وجہ سے تو ہی کہ اُن کے دشمنوں نے بھی یادگار کے طور پر اُنکی مورتوں کا قایم رکھنا مناسب خیال کیا یہہ ہاتھی جنپر یہہ دونوں بہادر سوار ہیں بڑے شان و شکوہ کے ہیں اور اِنکو دیکھکر رعب اور اَدب کا ایک ایسا خیال مجھپر چھا گیا جسکو میں بیان نہیں کرسکتا*

اِس دروازہ سے قلعہ میں داخل ہو کر ایک لمبا اور وسیع راستہ ملتا ہے جسکے بیچوں بیچ پانی کی ایک نہر جاری ہے اور دونوں جانب پانچ یا چھ فٹ کی اونچا اور چار فٹ چوڑا اُس طرح کا چبوترہ بنا ہوا ہے جیساکہ پیرس کا پونٹ نی آف ہی جسکو چھوڑ کر دونوں طرف اخیر تک برابر برابر محراب دار دالان بنتے چلے گئے ہیں - جنمیں مختلف کارخانوں کے داروغے اور اَور کم درجے کے عہدہ دار بغیر اسکے کہ گھوڑے اور آدمی جو نیچے آتے جاتے ہیں اُن سے اُنکو کچھ تکلیف پہنچے بیٹھے ہوے اپنا اپنا کام کیا کرتے ہیں - اور منصب دار جو رات کو چوکی دینے آتے ہیں وہ بھی اسی چبوترہ پر ٹھہرتے ہیں -

* ماثر عالمگیری میں لکھا ہے کہ اورنگ زیب نے اپنے گیارہویں سال جلوس مطابق سنہ ۱۰۷۹ ھ اکبر آباد کے قلعہ میں جو دو پورے قد کے ہاتھی جو نہایت عمدہ صنعت سے بنے ہوئے اور دروازہ قلعہ کے دونوں جانب نصب تھے اور اسی وجہ سے اُس دروازہ کو ہتھیا پول کہتے تھے شریعت کے لحاظ سے اُٹھوا دیئے تھے نعمت خان عالی نے اپنی مشہور کتاب وقایع میں انی رائے نامے صیغہ حساب تنخواہ کے ایک عہدہ دار کی ہجو میں جو ایک شعر لکھا ہے ؎ آن صورت مہابت فیلان ہتھیا پول + ارا چہ فیل بند حساب و کتاب کرد اس سے بھی ان ہاتھیوں اور ہتھیا پول کا وجود ثابت ہوتا ہے - اگرچہ یہہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ہتھیا پول قلعہ شاہجہان آباد کے کون سے دروازہ کا نام تھا - صاحب آثار الصنادید نے ان ہاتھیوں کو نقارخانہ کے دروازہ کے آگے بتایا ہے اور لکھا ہے کہ اس دروازہ کو اسی سبب سے ہتھیا پول کہتے تھے - پس صحیح بات وہی ہے جو ڈاکٹر برنیر اور صاحب ماثر عالمگیری نے اپنی آنکھوں دیکھی ہوئی لکھی ہے - س م ح

اس نہر کا پانی اوّل محلسرا میں جاتا ہے - اور پھر وہاں سے موقع بموقع سب مکانوں میں پہنچتا ہے - اور اسکے بعد قلعہ کی خندق میں جا گرتا ہے اور یہہ دہلی سے پندرہ یا اٹھارہ میل کے فاصلہ پر جمنا میں سے کاٹی جاکر بڑی محنت سے میدان اور پہاڑی سخت زمین پر سے لائی گئی ہے *

قلعہ کے دوسرے دروازہ کا ذکر

قلعہ کے دوسرے دروازہ کے بھی اندر کی طرف ایک لمبی اور خاصی چوڑی سڑک ہے اور اُسکے بھی دونوں جانب ویسے ہی چبوترے ہیں - لیکن محراب دار دالانوں کے عوض دُکانیں بنی ہوئی ہیں - اور سچ پوچھیے تو یہہ ایک بازار ہے جو لداؤ کی چھت کی وجہ سے جسمیں اوپر کی طرف روشنی اور ہوا کے لیئے بڑے بڑے گول روشندان بنے ہوئے ہیں - گرمی اور برسات میں بہت آرام کا ہے -

* صاحب آثار الصنادید نے کتاب مرآت آفتاب نما کے حوالہ سے اس نہر کی بابت یہہ لکھا ہے کہ اوّل اسکو سلطان جلال الدین فیروز خلجی نے سنہ ۶۹۱ ہجری مطابق سنہ ۱۲۹۱ عیسوی میں پرگنہ خضر آباد میں دریا سے کاٹ کر تیس ۳۰ کوس تک پرگنہ سفیدوں میں جہاں اُسکی شکارگاہ تھی لاکر چھوڑ دیا تھا - پھر کسی بادشاہ کو اسکا خیال نہ رہا اور یہہ بند ہوگئی سنہ ۹۶۹ ہجری مطابق سنہ ۱۵۶۱ع میں شہنشاہ اکبر کے عہد میں شہاب الدین احمد خاں صوبہ دار دہلی نے اسکو پھر صاف کرایا اور اپنی جاگیر میں لایا - اور نہر شہاب اس کا نام رکھا - مگر ایک مدت بعد پھر بند ہوگئی اور سنہ ۱۰۴۸ ہجری مطابق سنہ ۱۶۳۸ع میں شاہجہاں کے حکم سے سفیدوں تک پھر صاف کی گئی اور وہاں سے آگے شاہجہان آباد تک نئی کھودی گئی - اور جب قلعہ بن چکا تو قلعہ اور شہر میں جاری ہوئی - ایک عرصہ بعد اس کا پھر وہی حال ہوگیا تھا جو تخمیناً سنہ ۱۸۲۰ع مطابق سنہ ۱۲۳۶ ہجری میں سرکار عالیہ انگریزی نے اسکو پھر جاری کیا - اور اجتک یعنی جولای سنہ ۱۸۵۵ع مطابق ماہ شوال سنہ ۱۲۷۱ ہجری نہایت خوبی اور صفائی سے جاری اور نہر جمن شرقی کے نام سے معروف ہے - س م ح

ان دونوں سڑکوں کے سوا دائیں بائیں اور بھی چھوٹی سڑکیں ہیں۔ جو اُن مکانات کی طرف جاتی ہیں جہاں معمول کے موافق اُمرا باری باری ہفتہ میں ایک رات دن چوکی دیا کرتے ہیں۔ یہہ مکانات جہاں اُمرا چوکی دیتے ہیں اچھے عمدہ ہیں۔ کیونکہ یہہ لوگ اُنکو اپنے خرچ سے آراستہ رکھتے ہیں اور یہہ سب بڑے بڑے دیوانخانے ہیں۔ اور اُنکے سامنے باغیچے ہیں جنمیں چھوٹی چھوٹی نہریں اور حوض اور فوّارے بنے ہوئے ہیں۔ جس امیر کی نوکری ہوتی ہے اُسکے لیئے کھانا بادشاہی خانے میں سے آتا ہے جسکے آنیکے وقت امیر کو ادائے شکر کے لیئے بادشاہی محل کی طرف رخ کرکے تین دفعہ تسلیمات بجالانا یعنی زمین تک ہاتھ لیجاکر ماتھے تک لانا ہوتا ہے۔ ان کے سوا مختلف مقامات میں سرکاری دفتروں کے لیئے بہت سے دیوانخانے بنے ہوئے اور خیمے لگے ہوئے ہیں اور ان میں سے جن بڑے دالانوں میں کاریگر بیٹھتے ہیں وہ مختلف کارخانوں نام سے موسوم ہیں۔ جن میں ایک اُستاد کار کے ماتحت کسی میں کارچوب اور چکن دوز اور زردوز وغیرہ کام کرتے ہیں۔ اور کسی میں سُنار اور کسی میں مصوّر اور نقاش اور کسی میں روغن ساز اور کسی میں بڑھئی۔ اور خرادی۔ اور کسی میں درزی اور موچی اور کسی میں دارائی اور چوڑیا اور کمخاب اور باریک ململ بُننے والے جولاہے۔ جو پگڑیاں بُنتے اور کمربندھنے کے پھول دار زری کار پٹکے اور زنانے پاجاموں کے لیئے ایسا نازک اور باریک کپڑا بناتے ہیں جو صرف ایک رات کے استعمال میں

بیکار ہو جاتا ہے - یہہ کپڑا جو صرف چند گھنٹے کام دیتا ہے بیس یا تیس روپیہ
کی قیمت کا اور کبھی اس سے بھی زیادہ کا جبکہ اُسپر سوئی سے نہایت
خوبصورت زری کا کام کیا گیا ہو ہوتا ہے ۔ یہہ تمام کاریگر علی الصباح
اپنے اپنے کارخانوں میں حاضر ہو کر دن بھر کام کرتے اور شام کو پھر
اپنے گھر چلے جاتے ہیں - اور انہیں دھندوں میں اُنکی زندگی بسر ہوئی
چلی جاتی ہے - اور جس حالت میں کوئی پیدا ہوا ہے اُس سے ترقی
کرنے کے لیئے کوئی بھی کوشش نہیں کرتا - مثلاً کارچوب اور جلکین دوز
اور زردوز کار اپنے بیٹے کو اپنا ہی پیشہ سکھاتا ہے اور سنار کا بیٹا سنار
ہی ہوتا ہے - اور شہر کا طبیب اپنے فرزند کو علم طب ہی کی تعلیم کرتا ہے
یہاں تک کہ کوئی شخص اپنے پیشہ کے سوا دوسرے پیشہ والے کے ہاں شادی
نہیں کرتا - اور اس رسم کی پابندی مسلمان بھی ایسی ہی سختی سے کرتے
ہیں جیسے کہ ہندو جنکا شاستر یہی حکم دیتا ہے - اور اسکے باعث سے بہت سی
خوبصورت لڑکیاں کنواری بیٹھی رہتی ہیں - حالانکہ اگر اُن کے والدین پیشہ اور
ذات کا خیال چھوڑ دیں تو اُن کی شادی اچھی جگہہ ہو سکتی ہے -

دربار عام و خاص اور نقار خانہ کا ذکر

اب ضرور ہے کہ میں عام و خاص کا ذکر کروں
جو ان مکانات میں سے گزرنیکے بعد ملتا ہے اور فی الواقع بہت عمدہ اور
عالیشان عمارت ہے - یہہ ایک بڑا وسیع مربع مکان ہے جس کے
چاروں طرف محرابیں ہیں اور پلیس رائل سے مشابہ ہے - اور صرف
اسقدر فرق ہے کہ اسکے اوپر کچھ عمارت نہیں ہے - اسکی محرابیں اس

طور پر بنی ہوئی ہیں کہ ایک محراب میں سے دوسری محراب میں جاسکتے
ہیں اور ایک بڑا دروازہ جو اس کے سامنے ہے اسپر ایک بڑا بالاخانہ
بنا ہوا ہے جسکے دروازے اسکی طرف کو ہیں اور اسوجہ سے کہ اسمیں
نفیریاں اور شہنائیں اور نقارے وغیرہ رکھے رہتے ہیں اس کو
نقارخانہ کہتے ہیں۔ یہ دن کو اور رات کو اوقات معینہ پر اکٹھے بجائی جاتی
اور نو وارد اہل فرنگ کے کانوں کو نہایت ہی کریہہ معلوم ہوتے
ہیں۔ کیونکہ دس بارہ نفیریاں اور اسیقدر نقارے ایک ہی دفعہ
بجنے لگتے ہیں ان میں سے بڑی نفیری جسکو "قرنا" کہتے ہیں ۹ فٹ
لمبی ہے۔ جسکا نیچے کا موہنہ ایک فرانسیسی فٹ سے کم نہیں ہے۔
اور لوہے یا پیتل کا سب سے چھوٹا نقارہ کم سے کم چھ فٹ قطر کا ہے
پس اسی سے آپ قیاس کرسکتے ہیں کہ اس نقارخانے سے کسقدر شور
و غل پیدا ہوتا ہوگا۔ چنانچہ جب میں اوّل ہی اوّل یہاں آیا تو شور
کے مارے میرے کان بہرے ہوگئے۔ لیکن عادت ایسی زبردست
چیز ہے کہ اب رغبت سے سنتا ہوں خصوصاً رات کیوقت مکان کی
چھت پر لیٹے ہوئے جب دُور سے اسکی آواز سنائی دیتی ہے تو نہایت
بھلی* اور سُریلی معلوم ہوتی ہے۔ اور یہہ کچھ تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ
ان کے بجانے والے بچپن ہی سے موسیقی کی تعلیم پاتے ہیں۔ اور
ان باجوں کی آواز کے اونچا نیچا کرنے اور سُریلی اور لَے دار بنانے

* میر حسن نے اپنی بے نظیر مثنوی معروف بہ بدر منیر میں کیا خوب کہا ہے ؎ سہانی وہ نوبت کی دھیمی صدا،
کہیں دور سے کان پڑتی تھی آ ...

ہیں ایسے مشتاق ہیں کہ فاصلے سے سنی جائے تو نہایت پیاری لگتی ہے
نقارخانہ ہمیشہ ایک اونچے موقع پر اور بادشاہی محل سے دور رکھا جاتا ہے
تاکہ بادشاہ کو اسکی آواز سے تکلیف نہ ہو ۔ اس دروازہ کے مقابل جسپر
نقارخانہ ہے صحن سے گزر کر ایک بڑا دالان ہے جسکے ستون اور چھت
سنہری کام کے ہیں اور بہت اونچی کرسی کا اور بہت ہوادار اور تین طرف
سے کھلا ہوا ہے ۔ اور اس دیوار کے وسط میں جو محلسرا سے اسکو جدا کرتی
ہے قد آدم سے کچھ اونچا ایک وسیع شہ نشین* بنا ہوا ہے ۔ جہاں ہر روز
بادشاہ دوپہر کے قریب آنکر تخت پر بیٹھتا ہے اور دائیں بائیں شہزادے
کھڑے ہوتے اور خواجہ سرا مورچھل ہلاتے یا بڑے بڑے پنکھے جھلتے
یا اداے خدمات کے لیے نہایت ادب کے ساتھ دست بستہ کھڑے رہتے

* آثار الصنادید میں اسکو نشیمن ظل اللٰہی یا تخت سنگین کر کے لکھا ہے ۔ اور اسکی کیفیت یوں بیان کی ہے کہ دیوان عام کے مکان کے بیچوں بیچ میں شرقی دیوار سے ملا ہوا سنگ مرمر کا چار گز کا مربع تخت ہے جسپر چار ستون لگا کر بنگلہ کے طور پر اسکی چھت بنائی ہے ۔ قد آدم سے زائد کرسی دی ہے ۔ اور اس کے پیچھے جو سنگ مرمر کا سات گز لمبا اور ڈھائی گز چوڑا ایک طاق ہے اسپر ہر قسم کے چرند و پرند کی تصویریں عجب عجب رنگین پتھروں کی بنی ہوئی ہیں اور ایک آدمی کی تصویر ہے جو دو تارا بجا کر گا رہا ہے ۔ یہہ تصویر ملک اٹلی کے رہنے والے ارفیوس نامے ایک گانے والے کی ہے جسکی کہانی یوں مشہور ہے کہ وہ علم موسیقی میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا ۔ اور ایسا خوش آواز تھا کہ جب گانے بیٹھتا تو چرند پرند اسکی آواز سے مست ہو کر اسکے گرد آن بیٹھتے تھے ۔ اور اس کہانی کے موافق اسی ملک کے رہنے والے رفیل نامے ایک مصور نے جو اس فن میں بے مثل تھا اپنے خیال سے ارفیوس کے گانے کا ایک مرقع کھینچا تھا ۔ یہہ مصور سنہ ١٥[illegible] ء میں مرا مگر اسکا یہہ مرقع اٹلی اور اور فرنگستانی ملکوں میں بہت مروج اور نہایت مشہور ہے اور ابتک اسکی نقلیں موجود ہیں ۔ اور یہہ وہی مرقع ہے جو پتھر کی

میں اور تخت کے نیچے کے مقام میں چاندی کا جنگلہ لگا ہوا ہے جسمیں تمام امرا اور راجہ اور غیر ملکوں کے سفیر آنکھیں نیچی کیے ہوئے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں۔ اور تخت سے کسیقدر فاصلہ پر اسی طور سے منصب دار یعنی چھوٹے اُمرا کھڑے رہتے ہیں۔ اور ان سے جو جگہہ خالی رہتی ہے وہ اور بلکہ تمام صحن سب قسم کے لوگوں اعلی اور ادنی مفلس و غنی سے بھرا رہتا ہے کیونکہ یہی مقام ہے جہاں رعایا کا ہر ایک متنفس اپنی عرض حال

جسکی کاریگری نہایت عمدہ بنایا گیا ہے اور چونکہ اس مرقع کا فرنگستان کے سوا اور کہیں رواج نہیں تھا اس سے یقین ہوتا ہے کہ اس تخت کے بنانے میں کوئی فرنگی اس کام کا جاننے والا فرنگی شریک تھا۔ اس تخت کی پشت میں ایک دروازہ ہے اور اندر سے بھی زینہ لگا ہوا ہے۔ بادشاہ اس تخت پر دربار عام کے دن اجلاس کرتے تھے۔ اس تخت کے آگے ایک تخت سنگ مرمر کا بچھا ہوا ہے اسی پر وزیر کھڑا ہوتا تھا اور جس کسی کو کچھ عرض کرنا ہوتا تھا اسیہ وزیر جھککر بادشاہ سے عرض کرتا تھا۔ مگر بادشاہ کے تخت کا سنگ اسقدر اونچا ہے کہ اس تخت کے چڑھنے پر بھی آدمی کا سر تخت تک نہیں پہنچتا۔ اس تخت کے آگے ایک دالان ہے جو اٹھاسی گز لمبا اور چوبیس گز چوڑا ہے۔ اور ہر ایک دالان کے نو نو در ہیں اور ان سب کے ستون سنگ سرخ کے ہیں اور نہایت خوبصورت محرابیں بنائی گئی ہیں۔ اور سفیدی گچ کی سنہری نقاشی کی ہے۔ باہر کے دالان میں بیچ کے در چھوڑ کر سنگ مرمر کا کٹہرا لگا ہوا ہے جس پر بہت خوشنما سنہری کلسیاں تھیں جو اب ایک بھی باقی نہیں یہ دالان امرا اور وزرا اور وکلا کے حسب مرتبہ کھڑے رہنے کا تھا۔ یہ دربار کا دالان درحقیقت ایک چبوترہ پر بنا ہوا ہے جسکا ایکسو چار گز کا طول اور ساٹھ گز کا عرض ہے اسکے بیچ میں یہ دالان ہے۔ اور باقی تینوں طرف چبوترہ ہے جسکے گرد قد آدم سنگ سرخ کا کٹہرا لگا ہوا ہے جس پر سنہری کلسیاں تھیں یہ جگہہ چوبدار اور نقیب اور احدی وغیرہ لوگوں کے کھڑے رہنے کی تھی اور اسکو گلال باڑی کہتے تھے۔ اور اسکے آگے دو سو چار گز لمبا اور ایک سو ساٹھ گز چوڑا صحن ہے اور اسکی چاروں طرف قرینہ اور موقع سے مکانات بنے ہوئے تھے اور شمال کیطرف دیوان خاص میں جانیکا دروازہ ہے جسکا نام

کے لیئے باریاب ہوسکتا ہے۔ اور اسی وجہ سے اُسکو نام*دیوان عام و خاص کہتے ہیں اور ڈیڑھ یا دو گھنٹے تک لوگوں کا مجرا اور سلام ہوتا رہتا ہے۔ اور اس عرصہ میں کسیقدر نہایت عمدہ گھوڑے سامنے کئے جاتے ہیں تاکہ بادشاہ خود ملاحظہ کر سکے کہ وہ کیسے آراستہ و پیراستہ ہیں! اور ان کے بعد ہاتھی آتے ہیں جنکی میلی کھال خوب نہلا دھولا کر سیاہی سے رنگ دی جاتی ہے اور دو لال خط سر سے سونڈ کے اخیر تک جہاں دونوں آکر مل جاتے ہیں کھنچے ہوئے جاتے ہیں اور زربفت کی جھول ڈالکر چاندی کے دو گھنٹے جو ایک نقرئی زنجیر میں بندھے ہوئے ہوتے ہیں پیٹھ پر سے دونوں طرف لٹکا دیئے جاتے ہیں اور سفید سُرہ گائے کی دمیں جو بڑی تبت سے آتی اور بیش قیمت ہوتی ہیں لٹکا دی جاتی ہیں جو بڑی بڑی مونچھیں سی معلوم ہوتی ہیں اور دو چھوٹے ہاتھی جو وہ بھی خوب سجائے ہوئے ہوتے ہیں۔ خدمتگاروں کیطرح ان بڑے ہاتھیوں کے

---

*خافی خاں اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ چونکہ شاہجہاں سے پہلے بادشاہوں کے عہد میں بار عام کے لیئے کوئی ایسا بڑا مکان موجود نہ تھا جہاں دھوپ اور بارش سے بچاؤ ہو اسلیئے شاہجہاں نے اپنے جلوس کے پہلے سال میں حکم دیا کہ قلعہ آگرہ اور لاہور اور برہانپور میں دربار عام کے لیئے چالیس چالیس ستون کی عالیشان عمارتیں بنائی جائیں۔ اور تیار ہونے پر عام و خاص اُن کا نام رکھا۔ چنانچہ آگرہ کا عام و خاص جب تیار ہوگیا تو ملک الشعرا طالبائے کلیم نے اُسکی تعریف میں یہہ رباعی کہی۔

رباعی

ایں تازہ بنا کہ عرش ہمسایۂ اوست * رفعت حرفے ز زینۂ پایۂ اوست
باغیست کہ ہر ستون سبزش سروست * کاسائش خاص و عام در سایۂ اوست

ساتھ رہتے ہیں اور یہہ ہاتی جھوم جھوم کر اور سنبھل سنبھل کر قدم رکھتے ہوئے ایسے
معلوم ہوتے ہیں کہ گویا اپنے زرق برق کے ساز و سامان اور زینت آن بان
پر نازاں ہیں۔ اور جب تخت کے سامنے پہنچتے ہیں تو مہاوت جو گردن پہ
بیٹھا ہوا ہوتا ہے لوہے کی ایک نوکدار چیز چبھو کر انکو بڑھا دیتا اور زبان
سے کچھ کہتا ہے۔ اور اسوقت یہہ جانور گھٹنا ٹیک کر اور سونڈ اوپر کو اٹھا کر
چنگھاڑتا ہے۔ جسکو لوگ اسکی تسلیمات خیال کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد
اور جانور پیش ہوتے ہیں مثلاً سدھائے ہوئے ہرن جو لڑائے جاتے
ہیں۔ اور نیل گائیں اور گینڈے اور بنگالہ کے بڑے بڑے بھینسے
جنکے سینگ ایسے بڑے ہوتے ہیں کہ انسے وہ شیر کے ساتھ لڑ سکتے
ہیں اور چیتے جنسے ہرن کا شکار کھیلا جاتا ہے۔ اور ہر قسم کے خوبصورت
شکاری کتے جو ملک ازبک (بخارا وغیرہ) سے آتے ہیں۔ اور جن پر سرخ
رنگ کی جھولیں پڑی ہوئی ہوتی ہیں پیش ہوتے ہیں۔ اور اخیر میں ہر قسم
کے شکاری پرند جو تیتر، کلنگ اور خرگوش کو پکڑتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہرن
پر بھی چھوڑے جاتے ہیں۔ جنپر یہہ نہایت تیزی کے ساتھ جھپٹتے اور پنجے اور
ٹھونگیں مار مار کر انکو اندھا کر دیتے ہیں! ان جانوروں کے پیش ہونیکے علاوہ
اکثر اوقات ایک دو امیروں کے سوار بھی ملاحظہ کرائے جاتے ہیں۔ جنکی
پوشاک اسوقت روزمرہ کے لباس کی بنسبت ذرا مکلف ہوتی ہے۔ اور
گھوڑوں پر پاکھریں پڑی ہوئی اور انواع و اقسام کے زیور مثلاً ہیکل جھبے
وغیرہ سے سجائے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور بادشاہ اس تماشے سے

بھی اپنا دل خوش کرتا ہے کہ مردہ بھیڑیں جنکا پیٹ صاف کر کے بھر سی دیا جاتا ہے نوجوان اُمرا منصب دار ۔ گرزبردار ۔ اور عصابردار ۔ انپر تلوار سے اپنے کرتب دکھاتے اور ایک ہی ہاتھ میں جو رنگ کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ لیکن یہہ تمام اُمور دربار کے شروع میں ہوا کرتے ہیں ۔ اور ان کے بعد زیادہ اہم معاملات پیش ہوتے ہیں اور بادشاہ نہایت توجہ کے ساتھ سوار و کو صرف دیکھتا ہی نہیں ۔ بلکہ جب سے لڑائی بند ہوئی ہے کوئی سوار یا پیدل ایسا نہیں جسکو بادشاہ نے بچشم خود نہ دیکھا ہو ۔ اور اُس سے اپنی ذاتی واقفیت حاصل نہ کی ہو ۔ چنانچہ اُسنے کسی کی تنخواہ بڑھا دی اور کسی کی کم کر دی اور کسیکو بالکل ہی موقوف کر دیا ہے ۔

اس موقع پر مُستغیث جو عرضیاں پیش کرتے ہیں وہ تمام و کمال بادشاہ کے ملاحظہ اور سماعت میں آتی ہیں ۔ اور بادشاہ بذات خود مستغیثوں سے دریافت حال کرتا اور اکثر ستم رسیدہ لوگوں کی فوراً داد دیتا ہے ۔ اور ہفتہ میں ایک دن خلوت میں کامل دو گھنٹے تک ایسے دس غربا کی عرضیاں سُنتا ہے جو مستغیثوں میں سے چن لیئے جاتے ہیں اور جنکے پیش کرنیکا کام ایک نیک اور دولتمند اور مسن شخص کو سپرد ہے اور ایک دن عدل و انصاف کی کمرے میں جسکو "عدالت خانہ" کہتے ہیں دو بڑے قاضیوں کے ساتھ بیٹھکر داد رسانی کرتا اور اسمیں کبھی ناغہ نہیں ہونے دیتا ۔ اور اس سے بخوبی عیاں ہے کہ ایشیائی بادشاہ جنکو ہم اہل یورپ جاہل اور ناتراشیدہ خیال کرتے ہیں وہ ہمیشہ ہی اپنی رعایا کی داد دہی اور انصاف رسانی سے

جو اُن پر واجب ہی غفلت نہیں کرتے -

جو حالات اس دربار عام و خاص میں گزرتے ہیں اور جنکا مینے ابھی ذکر کیا ہے - اگرچہ وہ سب معقول اور قابل احترام معلوم ہوتے ہیں لیکن جو کمینہ اور مکروہ خوشامد گری اور لجاجت ہمیشہ یہاں دیکھنے میں آتی ہے - وہ بھی مجھے آپ پر ظاہر کردینی واجب ہی چنانچہ جب کوئی اچھا لفظ بادشاہ کے موںھ سے نکلجاتا ہے تو خواہ وہ کیسے ہی خفیف امر کی نسبت کیوں نہ ہو تمام دربار اور بڑے بڑے اُمرا آسمان کیطرف دونوں ہاتھ اُٹھاکر جس طرح کوئی خدا کی رحمت کو لیتا ہے اُس لفظ کو لیکر اور "کرامات کرامات" کہکر عرض کرتے ہیں کہ سبحان اللہ کیا ہی خوب ارشاد ہوا ہے - اور حقیقتاً مغلوں میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ جسکو یہہ بیت یاد نہو اور وہ اسکو فخریہ طور پر نہ پڑھتا ہو " اگر شہ روز را گوید شب ست این * بباید گفت اینک ماہ پروین " یعنی اگر بادشاہ رات کو دن بتاوے تو کہدینا چاہیئے کہ دیکھئے وہ چاند اور ستارے نظر آرہے ہیں - اور یہہ خوشامد گریکا عیب کیا ادنے کیا اعلی سب میں موجود ہے مثلاً اگر کسی مغل کو مجھسے معالجہ کی ضرورت پڑتی ہے تو اپنے معمول کے موافق تمام باتوں سے پہلے مجھکو یہہ کہتا ہے کہ آپ تو اپنے وقت کے ارسطو اور بقراط اور بوعلی سینا ہیں - چنانچہ اوّل اوّل تو مینے اِس حرکت کو روکنا چاہا اور کہا کہ جسقدر آپ میری تعریف کرتے ہیں میں ہرگز اِسکے لائق نہیں ہوں - اور مجھکو اُن بزرگوں سے کچھ نسبت نہیں - لیکن جب دیکھا کہ میرا انکسار اُنکو اور زیادہ مبالغہ کرنے پر آمادہ

کرتا ہے تو جیسا اپنے کانوں کو انکی خوشامدی باتیں سُننے کا ویسا ہی عادی بنا لیا جیسا کہ اُن کے موسیقی باجوں کے سُننے کا۔ اس موقع پر میں ایک لطیفہ آپکو سناتا ہوں اس سے آپکو یہاں کے لوگوں کا خاصہ طبعی معلوم ہو جائیگا۔ ایک پنڈت جسکی اپنے آقا سے مہینے ہی ملاقات کرائی تھی ایک روز اُسنے اپنے ایک اشلوک میں اوّل تو انکو ان بڑے بڑے نعمتمندوں سے جو دنیا میں شاذ و نادر ہی پیدا ہوتے ہیں زیادہ بتایا۔ اور پھر سیکڑوں مہملات اور واہیات بک کر اپنے کلام کے اخیر میں بڑی سنجیدگی سے یہہ کہا "کہ جب آپ گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی سپاہ کے آگے آگے چلتے ہیں تو آپکے قدموں کے نیچے زمین کانپنی لگتی ہے۔ کیونکہ وہ آٹھ ہاتی جو اسکو اپنے سر پر اُٹھائے ہوئے ہیں اس غیر معمولی بوجھ کے اُٹھانے کی تاب نہیں لا سکتے" جسکو سُنکر میں بے اختیار ہنس پڑا اور اپنے "آغا" سے جو میری طرح انکو بھی ہنسی آگئی تھی شوخی کے ساتھ بہت سنجیدہ شکل بنا کر کہا کہ آپ ذرا سمجھکر گھوڑے پر سوار ہوا کریں۔ ایسا نہ ہو کہ بھونچال آکر دُنیا درہم و برہم ہو جائے جس کے جواب میں اُنہوں نے فوراً یہہ کہا کہ اسیوجہ سے تو میں پالکی میں سوار ہونا زیادہ پسند کرتا ہوں۔

عام و خاص کے بڑے دالان کی بغل میں ایک خلوت خانہ ہے جسے غسل خانہ* کہتے ہیں۔ یہاں صرف چند ہی شخصوں کو حاضر ہونے کی اجازت ہے۔ اور یہہ وسعت میں اگرچہ عام و خاص کی برابر نہیں ہے مگر نہایت خوبصورت اور وسیع اور روغنی اور سنہری کام کا ہے اور ایک بڑے

نشینوں کی طرح چار یا پانچ فرانسیسی فٹ کا اونچا ہے جہاں بادشاہ تخت پر بیٹھکر وزراء جو ادھر اُدھر کھڑے ہوتے ہیں تنہا میں اُمرا اور صوبہ داروں کی عرائض سُنتا اور سلطنت کے اہم معاملات پر غور کرتا ہے۔ اور جس طرح صبح کو عام و خاص کے دربار میں حاضر نہ ہونیکے باعث اُمرا پر جرمانہ کیا جاتا ہے یہاں شام کو حاضر نہ ہونے پر سزا ملتی ہے۔ البتہ صرف میرے "آغا" دانشمند خاں ایک ایسے امیر ہیں جنکو اُنکے علم و فضل اور شوق مطالعہ اور سرانجام اُمور مُلک غیر کی وجہ سے معافی حاصل ہے۔ لیکن چہار شنبہ کو جو اُنکی چوکی کا دن ہے اُن کو بھی اور اُمرا کی طرح حاضر ہونا پڑتا ہے! یہہ دو وقتہ حاضری کی رسم نہایت پُرانی ہے اور کوئی امیر بھی اس پابندی کی معقول طور پر شکایت نہیں کرسکتا۔ کیونکہ خود بادشاہ سوائے کسی ضروری یا سخت بیماری کی حالت کے دونو وقت دربار میں آنا اپنا فرض جانتا ہے۔ چنانچہ اورنگزیب کی پچھلی خطرناک بیماری کی حالت میں بھی دربار کے دونوں مقاموں میں نہیں تو ایک میں تو ضرور لوگ اُسکو آتھما کرے آتے تھے۔ کیونکہ اُسنے اقل درجہ رات دن میں ایک بار لوگوں کو اپنا دیدار دکھانا واجب سمجھا تھا اسلئے کہ ایسا شدید بیمار تھا کہ اُسکا صرف ایک دن کا دربار میں نہ آنا بھی تمام سلطنت میں فتنہ و فساد کے پھیل جانے اور شہر میں ہڑتال ہو جانے کا باعث ہو سکتا تھا۔

اگرچہ غسل خانہ کے دربار کے موقع پر بادشاہ اُن اُمور میں مصروف رہتا ہے جنکا میننے ابھی ذکر کیا ہے۔ لیکن دربار عام و خاص کے دستور کے موافق یہاں بھی زیادہ تر وہی جانوروں وغیرہ کا ملاحظہ و مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ مگر

چونکہ کچھ دن باقی نہیں رہتا اور ساخت کا صحن بھی مختصر ہے اسلیئے اُمرا کے رسالوں کا ملاحظہ نہیں ہو سکتا - لیکن اسوقت کے دربار کی یہہ خاص رسم ہے کہ اُن منصبداروں کی چوکی دینے کی باری ہوتی ہے وہ بادشاہ کو نہایت ادب و تعظیم کے ساتھ سلام کرتے ہوئے بڑے قرینے اور ترتیب سے سامنے سے گزر جاتے ہیں - جنکے آگے آگے لوگ "قور" ہاتھوں میں لیئے ہوئے چلتے ہیں جو چند خوبصورت نقرئی چیزیں ہیں جو چاندی سے منڈھی ہوئی چھڑیوں کے سروں پر لگائی ہوئی ہوتی ہیں جنمیں سے دو بڑی مچھلی کی شکل کی ہیں اور دو ایک مہیب اور خیالی جانور کی صورت کی جسکو "اژدہا" کہتے ہیں اور کچھ شیر کی شکل کی اور بعض ہاتھ کے پنجہ اور بعض ترازو کی صورت کی اور بہت سی اور بیشمار وضع کی جنکے ایک طرح کے بعید الفہم معنی بتاتے ہیں ! ان لوگوں میں بہت سے گرز بردار بھی ہوتے ہیں جو قد آور اور وجیہ دیکھکر بھرتی کیئے جاتے ہیں اور جنکا یہہ کام ہے کہ دربار میں بے ترتیبی نہ ہونے دیں اور بادشاہی فرمان اور احکام پہنچائیں اور جو حکم ملے نہایت جلد اُسکی تعمیل کریں -

شاہی محلسرا کا بیان

اب میں نہایت خوشی سے آپکو بادشاہی محل سرا کی سیر کراتا ہوں جیسا کہ قلعہ کی اور عمارات کی کرائی ہے - لیکن کسی سیاح کو وہاں کی کیفیت چشم دیدہ بیان کرنی ناممکن ہے - کیونکہ بادشاہ کے دہلی میں موجود نہ ہونیکے وقت اگرچہ مجھے کئی دفعہ وہاں جانیکا موقع ملا - اور میں خیال کرتا ہوں کہ ایک دفعہ ایک بڑی بیگم کے علاج کی ضرورت سے جو شدت مرض کیوجہ سے معمول

کے موافق باہر کے دروازہ تک نہیں لائی جا سکتی تھی بہت دور تک اندر جانیکا اتفاق ہوا مگر میرے سر پر ایک کشمیری شال اس طور سے اڑھا دی گئی تھی کہ ایک لمبے سکارف (اوڑھنی) کی طرح پانوں تک لٹکتی تھی اور ایک خواجہ سرا ہاتھ پکڑے ہوئے مجھے اس طرح لیگیا تھا جیسے کوئی اندھے کو لیئے جاتا ہے! اسلیئے آپکو صرف اسی پر قناعت کرنی چاہیے جو بعض خواجہ سراؤں سے سنکر مینے لکھا ہے - ان کا بیان ہے کہ محلسرا میں بیگمات کے مزاج اور حیثیت اور انکی معاش کی مناسبت سے علیحدہ علیحدہ بہت خوبصورت اور بڑے بڑے محل بنے ہوئے ہیں جنکے دروازوں کے سامنے حوض اور سب طرف باغیچے اور دلچسپ روشیں اور سایہ دار شاداب کنجیں اور نہریں اور فوارے اور دن کی گرمی کے بچاؤ کی خاطر عمیق تہ خانے اور رات کو خنکی میں آرام کرنے کے لیئے اونچے اونچے صُفّے اور صحن بہت بڑے بنے ہوئے ہیں اور ایسے دلکش مکانات ہیں کہ ان میں اس ملک کی تکلیف دہ گرمی کو مطلقاً دخل نہیں ہے۔ اور یہہ لوگ ایک چھوٹے سے برج کی جو دریا کی طرف ہے حد سے زیادہ تعریف کرتے ہیں جسمیں آگرہ کے دونوں برجوں کی طرح سونے کے ورق چڑہے ہوئے اور لاجوردی کام کیا ہوا اور نہایت عمدہ نقش و نگار بنے ہوئے اور بڑے بڑے آئینے لگے ہوئے ہیں۔ *

* آثار الصنادید میں اس برج کا نام برج طلایا مثمن برج لکھا ہے اور سر سے پانوں تک سنگ مرمر کا بنا ہوا جسمیں سونیکا کام اور پرچین سازی اور منبت کاری کی ہوئی ہے جو کلس سمیت بالکل سونے کا تھا مثمن ہونیکے باعث مثمن برج کہلاتا ہے - مثمن ہونے کے باعث اس کے خوابگاہ کی عمارت کی طرف میں اور پانچ دریا کی جانب اور پانچوں میں سنگ مرمر کی جالیاں لگی ہوئی ہیں اور ایک نشیمن بطور

دربار تخت طاؤس کا بیان

اب قبل اسکے کہ میں قلعہ کا بیان ختم کروں پھر دوبارہ عام و خاص کی طرف متوجہ کرنا اور ان سالانہ جشنوں اور درباروں کی کیفیت بتانا چاہتا ہوں جو میں نے اسمیں ہوتے دیکھے ہیں خصوصاً وہ بڑا جشن جو لڑائی کے اختتام کے بعد ہوا تھا اور جس سے بڑھکر کوئی تماشا میں نے عمر بھر میں کبھی نہیں دیکھا اس روز بادشاہ نہایت ہی عمدہ لباس پہنے دیوان عام و خاص کے صدر میں مرصع تخت پر بیٹھا ہوا نظر آیا اسکی پوشاک نہایت نازک اور پھولدار ریشمی کپڑے کی تھی جسپر بہت ہی عمدہ زری کا کام کڑھا ہوا تھا اور زری کا مندیل سر پر تھی اور بڑے بڑے اور نہایت قیمتی ہیروں کا طرہ لگا ہوا تھا جسمیں ایک پکھراج ایسا تھا جو لاثانی کہا جا سکتا ہے - اور آفتاب کی طرح چمکتا تھا - اور بڑے بڑے موتیوں کا کنٹھا گلے میں تھا جو ہندوؤں کی مالا کی طرح پیٹ تک لٹکتا تھا ۔

یہ تخت چھ طلائی پایوں کا ہے جنکو کہتے ہیں کہ بالکل ٹھوس ہیں جنمیں یاقوت اور زمرد اور ہیرے جڑے ہوئے ہیں - مگر میں انکی تعداد اور قیمت بیان نہیں کر سکتا - کیونکہ کسیکو اسقدر نزدیک جانے کی اجازت نہیں کہ ان کا شمار اور آب و تاب کا اندازہ کر سکے - لیکن یقین کیجئے کہ ہیرے اور اور جواہرات بہت ہی ہیں - اور مجھے خوب یاد ہے کہ اسکی قیمت چار کروڑ روپئے جانچی گئی تھی - اور اسکو اورنگ زیب کے باپ شاہجہاں نے اسلئے بنوایا تھا کہ بیشمار جواہرات جو خزانہ میں قدیم راجاؤں اور پٹھان بادشاہوں کی

جو سمندر کے دریا کے رخ بنا ہوا ہے - س م ح

لوٹ اور اُن پیشکشوں کے ذریعے جو ہر سال سب اُمرا کو خاص خاص موقعوں پر نذر گزراننے لازم ہیں وقتاً فوقتاً جمع ہوگئے تھے لوگ اُنکو دیکھیں مگر اسکی ساخت اور کاریگری ان جواہرات کے ہم پایہ نہیں ہے البتہ دو ایک عمدہ موتیوں اور جواہرات سے بالکل ڈھکے ہوئے ہیں بہت ہی خوب اور نہایت عمدہ نقشے پر بنے ہیں اور ان کو ایک صناع نے جسکی کاریگری اور ہنرمندی حیرت کے لایق تھی اور جو اصل میں فرانس کا رہنے والا تھا اور جسنے یورپ کے بہت رئیسوں کو جھوٹے جواہرات دیدے کر جنکو وہ ایک خاص حکمت سے تیار کرتا تھا خوب لوٹا تھا اور پھر بھاگ کر شہنشاہ مغل کے ہاں پناہ آن لی تھی اور یہاں بھی خوب دولت کمائی تھی بنایا تھا۔*

---

* ملا عبد الحمید مورخ شاہجہانی نے بادشاہنامہ میں اس تخت کی جو کیفیت بیان کی ہے دلچسپ سمجھکر ہم اسکو بیان بلفظہ نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے۔

چون بمرور ایام در کارخانہ امراقسام جواہر ثمینہ کہ ہر یک شایستہ گوشوارہ ناہید و کرہ خورشید است در جواہرخانہ والا فراہم آمدہ بود۔ در آغاز جلوس مقدس بضمیر الہام پذیر منطبع گردید کہ تحصیل چنین تحف نفیسہ و نگاہداشتن این نفایس عجیبہ مطمح نظر دوربین جز دولت آرائی و زینت افزائی امرے دیگر نیست۔ پس در جائے بکار باید برد کہ ہم تماشائیان از حسن جہان افروز این نتائج بحر و کان بہرہ برگیرند و ہم کارگاہ سلطنت را فروغ تازہ پدید آید۔ حکم شد کہ سوائے جواہر خاصہ کہ در جواہر خانہ مشکوئے مینو مثال می باشد از قسم لعل و یاقوت و الماس و مروارید قیمتی و زمرد کہ دو صد لک روپیہ قیمت آنست بہ تحویل خازنان بیرون ہست از نظر اطہر بگذرانند و جواہر ثمینہ گران سنگ راکہ پنجاہ ہزار مثقال است و مبلغ ہشتاد و شش لک روپیہ بہای آن شدہ بود انتخاب نمودہ بے بدل خان داروغہ زرگرخانہ حوالہ فرمودند تا یک لک تولہ طلائے ناب کہ دو صد و پنجاہ ہزار مثقال ہست د

تخت کے نیچے کے چبوترے پر جسکے گرد چاندی کا کٹہرا لگا ہوا اور اوپر زری کی جھالر کا ایک پر زر وسیع شامیانہ تنا ہوا تھا - اُمرا نہایت مکلف پوشاکیں پہنے کھڑے تھے - اور مکان کے ستون زربفت سے منڈھے ہوئے اور ریشمی مشجر کے شامیانے جنپر ریشم اور زری کے پھندنے لگے ہوئے تھے تنے ہوئے اور نہایت عمدہ ریشمی قالین

مبلغ چہاردہ لک روپیہ قیمت آن - تخت جلوس [illegible] ارتفاع پنج گز سرکاری نمودہ بجواہر مذکورہ ترصیع نمایند [illegible] آن را از درون بیشتر میناکار و لختے مرصع و از بیرون بلعل و یاقوت و جز آن مرصع فرش ساختہ بزمردین اساطین دوازدہ گانہ برافرازد و بالاے آن دو پیکر طاوس کلل بزواہر جواہر و درمیان ہر دو طاوس درختے مرصع بلعل و الماس و زمرد و الماس و مروارید تعبیہ کن و براے عروج سہ پایہ نردبان مرصع بجواہر ابدار ترتیب دہد - در مدت ہفت سال این تخت عرش مثال بمبلغ صد لک روپیہ کہ سہ صد و سی و سہ ہزار تومان عراق و چہار کرور خانی رائج ماوراء النہر ست صورت اتمام یافت - از جملہ یازدہ تختہ مرصع کہ بر دور آن براے تکیہ نصب نمودہ اند تختہ میانگی کہ خاقان سلیمان مکان بر آن دست حق پرست گزاشتہ تکیہ زدہ می نشینند دہ لک روپیہ قیمت دارد - از جواہر کہ درین تختہ نشاندہ اند لعلے ہست در وسط آن بقیمت یک لک روپیہ کہ شاہ عباس والی ایران مصحوب زنبیل بیگ برسم ارمغان نزد حضرت جنت مکانی ارسال داشتہ بود و آن حضرت در جلدوے فتح دکن بخاقان ممالک ستان حضرت صاحبقران ثانی بدست علامی افضل خان دکن فرستادہ بودند نخست اسم سامی قطب الملۃ والدین حضرت صاحبقران اول و میرزا شاہرخ و میرزا الغ بیگ بر آن منقوش بود بعد از انکہ بانقلاب ایام و اقتضاے عوام بدست شاہ عباس افتاد او نیز نام خود را بر آن مرتسم گردانید - چون بحضرت جنت مکانی رسید نام نامی خود را با نام سامی پدر بزرگواران نگاشتند - اکنون باسم گرامی پادشاہ ہفت اقلیم شہنشاہ تخت و دیہیم آب و تاب تازہ د

بچھے ہوئے تھے اور باہر ایک خیمہ جسے "اشپک" کہتے ہیں اور جو اس مکان سے بھی بڑا ہے اسکی چھت کے ساتھ ملا کر لگا یا ہوا تھا جو صحن کے نصف تک پھیلا ہوا اور چاروں طرف سے چاندی کی پتیوں سے منڈھی ہوئے کٹھرے سے گھرا ہوا تھا۔ اور چوبیں بھی چاندی سے منڈھی ہوئی تھیں جنمیں سے تین ایسی بلند تھیں جیسے جہاز کا مستول اور باقی چھوٹی تھیں

زینت بے اندازہ دارد۔ بامر خاقانی این مثنوی حاجی محمد جان قدسی کہ ختمش بر تاریخ است به مینائے سبز در دن تخت کتابہ نمودہ اند

مثنوی

زہے فرخندہ تخت بادشاہی　　کہ شد ساماں بتائید الہی
فلک روزے کہ میگردش مکمل　　ز زر خورشید را بگداخت اول
بحکم کارفرما صرف شد پاک　　بہ مینا کاریش مینائے افلاک
جز این تخت از زر و گوہر چہ مقصود　　وجود بحر و کان را حکمت این بود
زیاقوتش کہ در قیمت بہا نیست　　لب لعل بتان را دل بجا نیست
برائے پایہ اش عمرے کشیدہ　　کہ از پیرے جنا تم بدیدہ
بجز جنش عالم از زر شد جہاں پاک　　کہ شد از گنج خالی کیسہ خاک
رساند گر فلک خود را بپایش　　دہد خورشید و مہ را رونمایش
سرافرازے کہ سر برپایہ اش سود　　ز گردوں پایۂ بر بخت افزود
خراج بحر و کان پیرایہ او　　پناہ عرش و کرسی سایہ او
ز انواع جواہر گشتہ الوان　　چراغ عالمی مے زیبد آن
در اطرافش بود گلہائے مینا　　فروزان چون چراغ از طور سینا
چو میگرداز فرازش کوتہی دست　　نگین خویش ہم برپایہ اش بست
شب تار از فروغ لعل و گوہر　　تواند مہ فلک را داد اختر
دہد شاہ جہاں را بوسہ برپاست　　ازان شد پایۂ قدرش فلک سائے

* فارسی میں ایک برتن کا نام - غیاث اللغات (ص ۲۷۲)

اس عالیشان خیمہ کے باہر کیطرف سرخ رنگ کا کپڑا تھا اور اندر کی جانب چھلی زین کی نہایت عمدہ چھینٹ تھی جو اسی غرض سے بنائی گئی تھی۔ اور جسکے بیل بوٹے ایسے قدرتی طور کے اور رنگ ایسے تیز اور شاداب تھے کہ ایک تختۂ گلزار معلوم ہوتا تھا۔ اور چونکہ سب امرا کو حکم دیا گیا تھا کہ عام و خاص کی غلام گردش کی ایک ایک محراب کی زیبایش و آرایش وہ اپنے اپنے خرچ سے کریں اسلیئے بادشاہ کی زیادہ تر رضامندی حاصل کرنیکے خیال سے ہر ایک نے دوسرے سے بڑھکر اُسکی زیب و زینت میں کوشش کی جسکا نتیجہ یہہ ہوا کہ تمام در و دیوار سر سے پانوں تک کمخاب اور زربفت میں غرق اور فرش نہایت بیش قیمت قالینوں سے آراستہ و پیراستہ ہوگیا۔

جشن کے تیسرے دن اوّل بادشاہ اور اُسکے بعد اکثر اُمرا بڑے تکلف کے ساتھ بڑی بڑی ترازوؤں میں جنکے پلڑے اور بٹے سونے کے تھے تولے گئے اور مجھے یاد ہے کہ یہہ دیکھکر کہ اورنگ زیب کا وزن سال گذشتہ کی بہ نسبت ایک سیر زیادہ ہے تمام دربار نے نہایت ہی مسرت ظاہر کی۔ اس قسم کے جشن ہر سال ہوا کرتے ہیں لیکن اس شان و شوکت کا جشن کبھی نہیں ہوا۔

گند شاہ زبان بخش جوان بخت	خراج عالمی را خرج یک تخت
خداوندی کہ عرش و کرسی افراخت	تواند قدر شہ تختے چنیں ساخت
اثر با فیض است تا کون و مکاں را	بود بر تخت جا شاہ جہاں را
بود تختے چنیں ہر روز جایش	خراج ہفت کشور زیر پایش
چو تاریخش زبان پرسید از دل	بگفت (اورنگ شاہنشاہ عادل)

دیگرے این تاریخ یافتہ ع (سریر ہمایون صاحبقرانی) " سنہ ۱۰۴۴ھ (تمام ح)

اور نہ اسقدر کبھی خرچ ہوا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ بادشاہ کا اس کروفر کے ساتھ جشن کرنے سے یہہ مقصود تھا کہ سوداگروں کو جنکا کمخاب وغیرہ لڑائی کی وجہ سے پانچ سال کے عرصہ سے بکنے میں نہیں آیا تھا کچھ فائدہ ہو جائے ! اس جشن میں اُمرا کو بہت خرچ پڑا اور آخرکار اُسکا ایک حصہ فوج کے بیچارے سواروں کے سر تھوپا جنکو اپنے اپنے امیر کے حکم سے مجبوراً قباؤں کیواسطے کمخاب خریدنا پڑا

ان سالانہ جشنوں کے موقع پر ایک قدیم دستور ہے جسکو اُمرا بالکل پسند نہیں کرتے یعنی اُنکو ایک عمدہ پیشکش نذر کرنا پڑتا ہے جسکی قیمت بمناسبت اُنکی تنخواہوں کے کم یا زیادہ ہوتی ہے اور بعض اُمرا نہایت ہی عمدہ عمدہ چیزیں پیش کرتے ہیں اور یہہ کبھی بغرض نمائش اور کبھی اس مطلب سے کہ بادشاہ اُس دست برد کی تحقیق و تفتیش کے حکم دینے سے جو اُنہوں نے اپنے برسر عہدہ ہونے یا صوبہ داری کے زمانہ میں کی تھی باز رہے اور بعض اوقات اُسکے خوش کرنے اور اس طرح پر اپنی تنخواہ بڑھوا لینے کے لئے ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض تو عمدہ موتی اور ہیرے اور زمرد اور یاقوت پیش کرتے ہیں اور بعض سونیکے مرصع برتن اور بعض بہت سی اشرفیاں جو بارہ بارہ روپیہ کی قیمت کی ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایک ایسے ہی جشن کے موقع پر جو اورنگزیب نہ بلحاظ جعفر خاں کے وزیر ہونے کے بلکہ رشتہ داری کی وجہ سے اُس کی نو تعمیر حویلی کے دیکھنے کے حیلے سے اُسکے ہاں گیا تو اُسنے اڑھائی لاکھ روپیہ کی اشرفیاں اور کچھ عمدہ موتی اور ایک لعل جسکی قیمت ایک لاکھ روپیہ آنکی

گئی تھی نذر کیا۔ مگر شاہجہان نے جو جواہرات کے پرکھنے میں سب لوگوں سے زیادہ مہارت رکھتا تھا اسکی قیمت صرف ساڑھے بارہ سو روپیہ سے بھی کم تجویز کی جسکو سنکر بڑے بڑے جوہری جنہوں نے اسکے جانچنے میں بالکل دھوکا کھایا تھا حیران رہ گئے۔

مینا بازار کا ذکر

کبھی کبھی ان جشنوں کے وقت محلسرا میں ایک فرضی بازار بھی لگا کرتا ہے جسمیں اُمرا اور بڑے بڑے منصبداروں کی خوبصورت اور دلربا بیبیاں دوکانیں لگاکر بیٹھتی اور عمدہ کمخاب اور نئی نئی وضع اور عمدہ زردوزی کام کی چیزیں اور زری کا رمندیلیں اور سفید باریک کپڑے جو امیرزادیوں کے استعمال میں آتے ہیں اور اور بیش قیمت چیزیں فروخت کرنیکو رکھتی ہیں اور بادشاہ اور اُسکی بیگمیں اور شاہزادیاں اور اور عالی رتبہ خاتونیں خریدار بنتی ہیں۔ اور اگر کسی امیر کی بیٹی خوبصورت اور حسین ہوتی ہے تو اُسکی ماں اُسکو ضرور اپنے ساتھ لیجاتی ہے۔ تاکہ بادشاہ کی نظر پڑجاوے۔ اور بیگمات سے بھی تعارف ہوجاوے۔ اس میلہ کا بڑا لطف یہہ ہے کہ ہنسی اور مذاق کے طور پر خود بادشاہ ایک ایک پیسہ کے لیئے جھگڑتا ہے اور کہتا ہے کہ یہہ بیگم صاحب بہت گراں فروش ہیں دوسری جگہہ سے اس سے اچھی اور سستی چیز مل سکتی ہے ہم ایک کوڑی بھی زیادہ نہ دینگے اُدھر وہ کوشش کرتی ہے کہ اپنا مال زیادہ قیمت کو بیچے اور جب دیکھتی ہے کہ بادشاہ زیادہ قیمت نہیں لگاتا تو گفتگو میں اکثر ایسی بڑھ جاتی ہے کہ یہہ کہہ اُٹھتی ہے کہ آپ اپنے برنے بیچنے کی خبر لیں ان چیزوں کی قیمت آپ کیا جانیں اور

یہہ آپ کے لائق نہیں ہیں بہتر ہے کہ کسی اور جگہہ تلاش کریں اور بیگمیں بادشاہ سے بھی زیادہ ارزاں خریدنا چاہتی ہیں غرض کہ دونوں طرف کی ایسی گفتگو بڑہ جاتی ہے کہ ایک جھگڑے کا سوانگ سا معلوم ہوتا ہے مگر آخرکار سودا طے ہو جاتا ہے اور بادشاہ اور بادشاہ زادیاں اور بیگمیں جو چیزیں ادھر اُدھر سے خریدتی ہیں اُنکی قیمت فوراً دیدیتی ہیں اور روپیوں کی جگہہ اشرفیاں اس طور سے ہاتھ سے ڈال دیتی ہیں کہ گویا دوکاندار یا اُسکی بیوی کے حُسن وجمال نے اُنکو ایسا محو کر دیا ہے کہ روپیوں اور اشرفیوں کی تمیز بھی نہیں رہی اور ویسی ہی بےپروائی سے دوکاندار اُنکو اُٹھا لیتی ہے اور اسی طرح سے یہہ جلسہ دل لگی اور چوہل میں ختم ہو جاتا ہے -!

شاہجہاں عورتوں کی طرف ذرا زیادہ مائل تھا - اور اگرچہ بعض امرا کو ناگوار گزرتا مگر وہ ہر ایک جشن کے موقع پر یہہ سوانگ کرایا ہی کرتا اور فی الواقع یہاں تک اعتدال سے گزر جاتا تھا کہ اس موقع پر ان عورتوں کو بھی محل میں بُلا لیتا اور رات بھر وہیں رکھتا تھا جنکو "کنچنی" کہتے ہیں - جسکے معنی ہیں سونے سے ملمع کی ہوئی اور پھول کی طرح کھلی ہوئی - گو یہہ عورتیں بازاری نہ تھیں بلکہ ایک خاص طور کی اور باعزت ہوتی تھیں جو بیاہ شادی کے موقع پر اُمرا اور منصبداروں کے ہاں صرف ناچنے گانے کے لیئے جاتی تھیں - ! ان کنچنیوں میں اگرچہ اکثر صاحب حُسن وجمال ہیں اور لباس و پوشاک بھی عمدہ رکھتی ہیں اور گانے میں بھی اُن کو کمال ہے اور ناچنے میں تو اپنے اعضا کو اس خوبی سے لچکاتی اور اس سرعت اور تیزی سے ناچتی ہیں کہ دیکھکر حیرت ہوتی ہے

اور تال و سم میں بھی درست رہتی ہیں مگر ہیں کسبی ہیں۔

شاہجہاں اسی پر قناعت نہ کرتا تھا کہ یہہ عورتیں اس میلہ میں آئیں بلکہ بدھ کے روز جو معمول کے موافق دربار میں سلام کو آتی تھیں تو اکثر رات بھر کے لیئے ٹھہرالیتا اور ان کے ناچنے گانے سے حظ اٹھاتا تھا۔ لیکن اورنگزیب باپ سے زیادہ سنجیدہ ہے۔ اور اسنے ان کا محل میں آنا بالکل بند کر دیا ہے مگر معمول کے موافق چہارشنبہ کو دربار میں حاضر ہونے سے منع نہیں کیا۔ اور صرف دور سے سلام کر کے رخصت ہو جاتی ہیں!

اب چونکہ میں جشن اور مینا بازار اور کنچنیوں کا ذکر کر رہا ہوں تو ایک واقعہ کے بیان کرنے سے باز نہیں رہ سکتا جو برنارڈ Burnerd نامے ہمارے ایک ہموطن سے تعلق رکھتا ہے۔ اور چونکہ میرے نزدیک بھی پلوٹارک*

---

* پلوٹارک Plutarch قدیم زمانہ کا ایک مشہور مصنف ہے۔ یہہ کردنیا کا رہنے والا تھا جو یونان کے ضلع بوتیا میں ایک شہر ہے۔ اسکی پیدایش کا زمانہ ٹھیک معلوم نہیں مگر خیال کیا گیا ہے کہ شہنشاہ کلاڈیس رومی کے اخیر زمانہ سلطنت یعنی ۴۸ء سے لیکر ۵۴ء سنہ عیسوی تک کسی سال میں پیدا ہوا تھا یہہ ایک اعلیٰ خاندان میں سے تھا اور اسنے ایمونیس حکیم سے فلسفہ کے وہ اصول سیکھے جو نفس ناطقہ اور قواے عقلی سے تعلق ہیں اور اس میں بڑی شہرت حاصل کی علم اخلاق اور علم رجال میں اسکی بہت سی تصنیفات ہیں اور اسکی عمدگی خیالات اور مہارت علمی اور اس خاص طور کی خوبی کا اثر جو اسکی تمام تحریروں میں پائی جاتی ہے پڑھنے والوں کی زبان تک محدود نہیں رہتا تھا بلکہ دل تک پہنچتا اور گرویدہ کر دیتا تھا۔ اسکی تصنیفات میں سے جس کتاب نے اسکو حیات جاودانی بخشی وہ روم اور یونان کے چھیالیس مشہور و معروف لوگوں کا تذکرہ ہے جسکے بہت سے ترجمے فرانسیسی انگریزی اور جرمن وغیرہ میں ہوئے ہیں اسکی وفات کا سال بھی معلوم نہیں مگر قیاس کیا گیا ہے کہ شہنشاہ ہیڈرین رومی کے پانچویں سنہ جلوس میں ستر برس کی عمر میں مرا تھا۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا) (س - م - ح)

کا یہہ قول صحیح ہے کہ " جزوی اور خفیف باتوں کو پوشیدہ رکھنا نہیں چاہیئے کیونکہ اکثر اوقات اُن سے ایک قوم کے رسوم و عادات اور ذہن و ذکا کے باب میں صحت کے ساتھ رائے قائم کرنے میں بڑی بڑی باتوں کی بہ نسبت زیادہ مدد ملتی ہے " اسلیئے اگرچہ یہہ ایک ہنسی کا قصہ ہے مگر تاہم سُننے کے لایق ہے !

برنارڈ جہانگیر کے اخیر زمانہ میں ایک نامی اور فی الواقع ایک نہایت کامل طبیب اور جراح تھا اور بادشاہ اُسپر بہت مہربانی کرتا تھا - چنانچہ اکثر اوقات بادشاہ کے ساتھ کھانے پینے میں بھی شریک ہوجاتا تھا اور دونوں حد سے زیادہ شراب پی لیتے تھے اور بادشاہ اور طبیب دونوں ایک ہی طرح کے مزاج کے تھے - اور بادشاہ کا یہہ حال تھا کہ شب و روز عیش و نشاط میں مشغول رہتا تھا اور سلطنت کا کام کاج اپنی مشہور و معروف بیگم نورجہاں کو سونپ رکھا تھا جسکی نسبت اُسکا یہہ قول تھا کہ " اُسکی عقل و دانائی سلطنت کے انتظام کے لیئے کافی ہے مجھے دخل دینے کی حاجت نہیں " برنارڈ کی معمولی تنخواہ اگرچہ پچیس روپیہ روز تھی مگر شاہی محلسرا میں اور اُمرا کے ہاں معالجہ کے لیئے جانیکے باعث اور نیز اس سبب سے کہ لوگ نہ صرف اُسکے طبیب ہونیکی وجہ سے بلکہ بادشاہ کے مزاج میں دخل کے سبب سے ایک دوسرے سے بڑھکر اُسکی تواضع کرتے تھے اُسکو بہت کچھ حاصل ہو رہتا تھا مگر وہ روپیہ کی کچھ بھی قدر نکرتا تھا اور ایک ہاتھ سے لیتا اور دوسرے ہاتھ سے دیدیتا تھا اور اس لیئے سب لوگ اُسکو عزیز جانتے تھے خصوصاً

کنچنی جنکو اُسنے بہت کچھ کھلایا تھا۔ پس اُسکے ہاں جو ہمیشہ رات کو ان عورتوں کا جمگھٹ ہوتا تھا یہ اُن میں سے ایک نوخیز عورت پر جو نہایت حسین اور ناچنے میں مشہور تھی فریفتہ ہوگیا اور چند طرح طرح کی کوششیں کیں لیکن اُس عورت کی ماں اس خیال سے کہ کم عمری کی وجہ سے اُسکے حسن وجمال اور تندرستی میں فرق نہ آجاے ایک لحظہ اُسکو اپنی نظر سے غائب ہونے نہ دیتی تھی اس حالت میں یکہ بزادہ معشوق کے وصال سے مایوس ہو رہا تھا ایک دن جہانگیر نے جو بھرے دربار اُسکے ایک بے نظیر علاج کے صلہ میں اسکو انعام دینا چاہا تو اُسنے عرض کیا امیدوار ہوں کہ حضور مجھے اس انعام سے معاف رکھیں اور بجاے اسکے میری التجا منظور فرمائیں کہ یہ نوجوان کنچنی جو بآداب نشاط کے ساتھ سلام کو حاضر ہوئی ہے مجھے عنایت ہو۔ تمام دربار اُسکے اس عذر اور ایسی درخواست کے سننے سے جو اُسکے عیسائی اور اس کنچنی کے مسلمان ہونے کی وجہ سے شاید ہی قابل قبول معلوم ہوتی تھی مسکرایا۔ لیکن جہانگیر نے جسکو دین اور مذہب کا کچھ بھی خیال نہ تھا ایک بڑا قہقہہ مارا اور حکم دیا کہ اس کنچنی کو اسکے کاندھے پر بٹھا دو اور کہو کہ لیجاے۔ چنانچہ فوراً بھرے دربار میں یہ اُسکے کاندھے پر بٹھا دی گئی اور وہ اس انعام کو لیکر خوشی خوشی گھر کو چلتا ہوا۔

ہاتھیوں کی لڑائی کے تماشے کا ذکر

جشن کا اختتام ہمیشہ ایک ایسے تماشے پر ہوتا ہے جس سے یورپ میں کوئی بھی واقف نہیں یعنی ہاتھیوں کی لڑائی پر جو تمام خلقت کے سامنے جمنا کی ریتی میں لڑائے جاتے ہیں اور

بادشاہ اور بیگمات اور تمام امرا قلعہ کے جھروکوں میں سے یہہ تماشا دیکھتے ہیں چنانچہ ایک خام دیوار تین یا چار فٹ چوڑی اور پانچ یا چھ فٹ اونچی بنائی جاتی ہے اور اسکے دونوں جانب سے دو قوی ہیکل ہاتھی جنپر دو دو آدمی سوار ہوتے ہیں مقابل کیئے جاتے ہیں دوسرا آدمی اسلئے ہوتا ہے کہ اگر ہاتھی کی گردن پر سے ایک گر پڑے تو دوسرا انکس سے اسکو چلائے - اور یہہ لوگ کبھی تو انکو بڑہا وا دیکر اور کبھی برا بھلا کہکر اور پانوؤں سے ہول کر آگے بڑہاتے ہیں یہاں تک کہ یہہ بیچارے جانور دیوار کے پاس پہنچکر ایک دوسرے پر حملہ کرتے اور ایسی ٹکر لگاتے ہیں کہ دیکھکر خوف آتا اور سر اور سونڈ اور دانتوں کے زخموں سے ان کا زندہ رہنا تعجب معلوم ہوتا ہے - یہہ لڑائی اکثر رہ رہ کر ہوتی اور مٹی کی دیوار آخر کار گر جاتی ہے اور زبردست اور دلیر ہاتھی اسکو پھاندکر حریف پر حملہ کرتا اور اسکو بھگا دیتا ہے اور ایسا پیچھا دباتا ہے کہ آتشبازی کی چرخیوں کے بغیر جو انکے بیچ میں چھوڑ دی جاتی ہیں حریف سے الگ نہیں ہوتا کیونکہ یہہ جانور بالطبع ڈرپوک ہے اور خصوصاً آگ سے بہت ڈرتا ہے اور یہی سبب ہے کہ جب سے آتشی ہتھیار لڑائی میں برتے جانے لگے ہیں ہاتھی لڑائی میں بہت کم کارآمد رہ گئے ہیں اور اگرچہ سراندیپ کے ہاتھی سب سے زیادہ دلیر ہوتے ہیں - مگر خواہ کہیں کے ہوں میدان جنگ میں لیجانے سے پہلے برسوں تک ڈر کھونے کے لیئے انکے کانوں کے پاس بندوقیں اور ٹانگوں میں پٹاخے چھوڑے جاتے ہیں -

ان عظیم الشان جانوروں کی لڑائی کا خاتمہ بڑی بیدردی پر ہوتا ہے یعنی اکثر یہہ ہوتا ہے کہ ہاتھی اپنے حریف کے مہاوت کو اپنی سونڈ سے پکڑ کر نیچے گرا لیتا اور فوراً پانو سے کچل ڈالتا ہے اور مہاوتوں کا کام ایسا خطرناک ہے کہ یہہ بدنصیب آدمی اپنے جورو بچوں سے اس طرح پر رخصت ہوتے ہیں کہ گویا مرنے کو جاتے ہیں۔ لیکن ان کے دل کو اس خیال سے کسیقدر تسلّی رہتی ہے کہ اگر زندہ بچے اور بادشاہ اُنکی کارگزاری سے راضی ہوا تو نہ صرف اُنکی تنخواہ بڑھ جائیگی بلکہ ہاتھی سے اُترتے ہی پچیس۲۵ روپیے کے پیسوں کی ایک تھیلی ملجائیگی اور اگر کام آگئے تو انکی تنخواہ اُنکی بیوی کو ملتی رہیگی اور بیٹا انکی جگہہ نوکر ہوجائیگا! اس تماشے میں مہاوتوں ہی کی جان نہیں جاتی بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ان غصے میں بھرے ہوئے جانوروں سے بچنے کے لیئے ایسی سخت بھاگڑ پڑتی ہے کہ پیدل اور سوار اس طرح پر بھاگتے ہیں کہ بعض آدمی گر کر لوگوں یا خود ہاتھیوں کے پانوں سے کچل جاتے ہیں! چنانچہ جب دوسری بار مجھکو اس تماشے کے دیکھنے کا اتفاق ہوا تو صرف اپنے گھوڑے کی خوبی اور دو خدمتگاروں کی کوشش کی بدولت بچا تھا۔

جامع مسجد کا ذکر

اب موقع ہے کہ میں قلعہ کا ذکر چھوڑوں اور پھر شہر کیطرف رجوع کروں جسکی دو عمارتوں کا ذکر کرنا ابتک باقی ہے۔ چنانچہ اُن میں سے ایک تو بڑی* مسجد ہے جو وسط شہر میں ایک مرتفع پہاڑی پر واقع ہونیکے

* اس مسجد کی بنیاد ۱۰ شوال سنہ ۱۰۶۰ ہجری مطابق سنہ ۱۶۵۰ عیسوی شاہجہاں کے جو سنہ ۲۴ جلوس

سبب سے بہت دور سے نظر آتی ہے اور اسکی بنیاد رکھنے سے پہلے پہاڑی کا سطح خوب ہموار کر دیا گیا اور چاروں طرف چوکور میدان کھول دیا گیا تھا جہاں مسجد کی چاروں سمتوں سے چار بڑے بازار آنکر ملتے ہیں چنانچہ اُن میں سے ایک تو صدر دروازہ کے سامنے ہے اور دوسرا عقب میں اور دو دونوں بغلی دروازوں کے محاذی ہیں اور اندر جانیکے لیئے تینوں ضلعوں میں کوئی پینتیس بتیس پانتیس تیس پتھر کی خوبصورت سیڑھیاں بنتی چلی گئی ہیں اور پشت کی جانب پہاڑی کی اونچائی تک پتھر گھڑ کرا کر خوب صاف کر کر لگائے گئے ہیں جن سے پہاڑی کی ناہمواری چھپ کر عمارت خوبصورت ہو گئی ہے۔ اسکے تینوں دروازے سنگ سرخ سے بنے ہیں اور نہایت عالیشان ہیں اور اُن کے کواڑوں پر تانبے یا پیتل کی پتیاں جڑی ہوئی ہیں مگر صدر دروازہ جسپر سفید سنگ مرمر کی چھوٹی چھوٹی برجیاں بنی ہوئی ہیں اور بہت خوشنما معلوم ہوتی ہیں زیادہ نشان دار ہے مسجد کے پیچھے کے حصے میں تین بڑے بڑے گنبد ہیں جنکے اندر اور باہر سفید سنگ مرمر لگا ہوا ہے اور بیچ کا گنبد دوسروں کی نسبت

سال جلوس میں رکھی گئی تھی اور ہر روز پانچ ہزار راج مزدور۔ بیلدار اور سنگ تراش کام کرتے تھے اور باوجود اس اہتمام کے چھ برس میں دس لاکھ روپیہ خرچ ہو کر تیار ہوئی اسکے تین گنبد ہیں دو سو ایک گز طول اور ستر گز کے عرض میں اور انکے سات محراب ہیں اور باہر صحن کے طرف گیارہ دروازے جنمیں سے ایک تو بہت بلند ہے اور پانچ پانچ ادھر اُدھر والے ذرا نیچے ہیں اور بیچ کے دروازہ پر کلمہ یا ہادی بطور طغرا۔ اور باقی دروازوں پر شاہجہاں کے نام کا لقب اور تاریخ تعمیر اور زر مصارف جسکی

بہت بڑا اور اونچا ہے اور مسجد کا صرف یہی حصہ مسقف ہے باقی گنبدوں سے لیکر صدر دروازہ تک بالکل کھلا ہوا ہے جو گرمی کی وجہ سے کھلا رکھنا ضروری ہے اور مسجد کے اندرونی حصہ میں سفید سنگ مرمر کا (جس پر سنگ موسیٰ کی تحریر سے مصلّے بنے ہوئے ہیں) اور بیرونی میں سنگ سرخ کی سلوں کا فرش ہے

میں قبول کرتا ہوں کہ یہ عمارت بموجب اُن اصول کے جنکو ہم لوگ پسند کرتے ہیں نہیں بنی لیکن میں اسمیں کچھ عیب بھی نہیں پاتا اسکے ہر ایک حصہ کی تقسیم عمدہ طور پر ہے اور تعمیر بھی عمدہ ہے اور تناسب کا خوب ہی لحاظ رکھا گیا ہے چنانچہ مجھے امید ہے کہ اگر پیرس میں کوئی گرجا اسکے نقشے پر بنایا جاسے تو اپنی نرالی اور عجیب وضع کے لحاظ سے سب لوگوں کو پسند آئے۔ ! تینوں گنبدوں اور چھوٹی برجیوں کے سوا جو

بقیہ ❊ حاشیہ ❊ صفحہ ❊ گذشتہ ❊

نوراللہ خوشنویس نے خط نسخ سے لکھا تھا سنگ موسیٰ کی پچی کاری سے بنا ہوا ہے اور دروازوں کے دونوں طرف نہایت بلند اور خوشنما مینار ہیں جنمیں اوپر جانیکے لیے زینے اور سروں پر بارہ دری کی برجیاں بہت دلکشا بنی ہوئی ہیں ! شمالی مینارہ بجلی کے صدمہ سے گر پڑا تھا اور عمارت اور صحن کا فرش بھی جو تمام سنگ سرخ کا ہی جابجا سے ٹوٹ گیا تھا مگر سرکار عالیہ انگریزی نے ۱۲۳۳ ہجری مطابق ۱۸۱۸ع میں اس مینار کو بنوا دیا اور فرش بھی درست کرا دیا۔ اس مسجد میں چونکہ کوئی مکبّر بنا ہوا نہ تھا اور اسوجہ سے امام کی آواز تکبیر سب نمازیوں کو نہیں پہنچ سکتی تھی اسواسطے شاہزادہ میرزا سلیم ابن معین الدین محمد اکبر شاہ بادشاہ نے ۱۲۴۵ ہجری مطابق ۱۸۲۹ع میں بڑے دروازہ کے بیچ میں ایک مکبّر سنگ موسیٰ کا بہت خوشنما بنوا دیا ہے۔ مسجد کے اندر تمام فرش سنگ مرمر کا ہے اور اسمیں سنگ موسیٰ کی پچی کاری سے مصلے بنا دیے ہیں یہ بھی سنگ مرمر کا بہت خوش قطع بنا ہوا ہے۔ جانب شمال کے دالان میں کچھ

سنگ مرمر کی ہیں باقی عمارت
بنسبت ذرا ئرہ بہت اور زما
ہندوستان کے لوگوں کا
کچھ مدت بعد اسمیں بھر پیدا
عجیب ہی اور غلط یا صحیح اسکا
ہیں کان میں پانی بھرجاتا
نہیں دیکتا۔

بادشاہ ہر جمعہ کو جو مسلمان آتو ساتیں ... بجا
جاتا ہے اس مسجد میں نماز پڑھنے آجاتا ہے اور جس راستہ سے اسکا گزر ہوتا
ہے اسمیں ... گرمی اور گرد و غبار کے فرو ہوجانیکے لیے چھڑکاو

... برکات جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رکھے ہیں اور وہ مقام درگاہ آثار شریف
کہلاتا ہے مسجد کا صحن ایکسو چھتیس گز کے عرض و طول سے اور اسکے بیچ میں
بیندرہ اور بارہ گز کا نہرے سنگ مرمر کا حوض ہے جسمیں فوارہ لگا ہوا ہے صحن
کے چاروں طرف بڑے بڑے دالان اور حجرے اور مکانات بنے ہوئے ہیں
اور چاروں کونوں پہ بارہ دری کے چار برج ہیں۔ جنوبی اور شرقی دالان کے بیچ
دائرہ ہندی نماز کا وقت دیکھنے کو بنا ہوا ہے اور مسجد کے تینوں دروازوں میں
برنجی کواڑ چڑھے ہوئے ہیں۔ جنوبی دروازہ میں رہنے کے لائق حجرے بنے ہوئے
ہیں اور تینتیس سیڑھیاں ہیں جن پر تیسرے پہر کو مجمع عام ہوتا ہے۔ اور پان والے
اور فالودہ والے اور کبابی اور اصیل مرغ بیچنے والے اور شوقین جوان آلہ
بٹیر لڑانے والے آنکر جمع ہوتے ہیں۔ شمالی دروازے میں بھی رہنے کے حجرے بنے
ہوئے ہیں اور اس طرف انتالیس سیڑھیاں ہیں۔ اگرچہ اس طرف بھی کبابی بیٹھتے

ات تین یا چار سو سپاہی
پاس چھوٹی پر چھوٹی مگر بہت
خلاف ہوتا ہے - اور
عمدہ سوار قلعہ کے دروازہ
وقت راستہ کھلا اور
آگے چلتے ہیں کہ
سب تیاری ہوجاتی ہے
سنہری او منقش کام
ہے - اور کبھی سنہری اور

لاجوردی کام کے تخت رواں پر جو کمخاب یا ارغوانی رنگ کی مخمل وغیرہ سے
منڈھے ہوئے ڈنڈوں پر بندھا ہوا ہوتا ہے اور جسکو آٹھ چیدہ اور بھاری
بھاری وردیوں والے کہار کاندھے پر اٹھاتے ہیں سوار ہوتا ہے - اور

اور سودے والے دوکانیں لگاتے ہیں لیکن بڑا تماشا اس طرف مداریوں اور قصہ خوانوں کا ہوتا ہے - قصہ خوان مونڈھا بچھا کر بیٹھتا ہے اور داستان امیر حمزہ یا قصہ حاتم طائی اور کہیں بوستان خیال سناتا ہے جسکے سننے کو سیکڑوں آدمی جمع ہو جاتے ہیں ایک طرف مداری تماشا کرتا ہے اور بھان متی کا کھیل ہوتا ہے اور بوڑھے کو جوان اور جوان کو بوڑھا بناتا ہے - شرقی دروازہ میں بھی مکانات بنے ہوئے ہیں اور اسکے آگے ہمیشہ سیڑھیاں ہیں جنپر ہر روز گذری لگتی ہے - جو گویا ہر روز کا میلا ہے - بزاز طرح طرح کے کپڑے الگنیوں پر ڈالے ہیں اور شوقین جوان طرح طرح کے خوش آواز جانور پنجروں میں لیے ہوئے سیر کرتے پھرتے ہیں - ایک طرف کبوتر والے کبوتر بیچتے ہیں ایک جانب گھوڑے والے گھوڑے لیئے کھڑے ہیں - (آثار الصنادید) ص ۱۳

پیچھے پیچھے بہت سے اُمرا ہوتے ہیں جو بعض تو گھوڑوں پر اور بعضے
پالکیوں نر سوار ہوتے ہیں اور انہیں میں ملے جُلے بہت سے منصبدار
اور چاندی کی چھڑیوں والے چوبدار وغیرہ ہوتے ہیں ! میں اس سواری
کو سلطان روم کی باشان و شوکت سواری سے تشبیہ نہیں دیسکتا اور
نہ بادشاہان یورپ کے جنگی طور کے جلوس سے کیونکہ اسکا تجمل اور عظم و
شان اور ہی طرح کا ہے مگر کچھ کم شاہانہ نہیں ہے۔

کارواں سرا کا ذکر

دوسری قابل الذکر عمارت وہ کارواں سرا ہے جو
شاہجہاں کی بڑی بیٹی معروف بیگم صاحب نے جسکا میں نے گزشتہ لڑائی
کی تاریخ میں بہت کچھ ذکر کیا ہے بنوائی تھی اور نہ صرف اس شاہزادی
ہی نے بلکہ اور اُمرا نے بھی بُڈھے بادشاہ کے خوش کرنے کو شہر کی
رونق بڑہانے میں بہت روپیہ صرف کیا ہے۔ یہہ ہمارے پلیس رائل
Place Royal
کی طرح ایک بڑی اور محراب دار مربع عمارت ہے جسمیں برابر کوٹھریاں
اور اُن کے آگے علیحدہ علیحدہ برانڈے ہیں اور یہہ دو منزلی ہے اور
جیسے علیحدہ علیحدہ کوٹھریاں اور برانڈے نیچے میں ویسے ہی اوپر کی
منزل میں بھی ہیں اور ایرانی اور تورانی اور اور پردیسی دولتمند تاجر حفاظت
کی جگہہ سمجھکر اسمیں آنکر ٹھہرتے ہیں۔ کیونکہ رات کو اسکا دروازہ بند ہوجاتا
ہے۔ کاش پیرس میں بھی دس بیس جگہہ ایسی عمارتیں ہوتیں تاکہ پردیسی آدمیوں کو
وہاں پہنچتے ہی محفوظ اور معقول مکان کے حاصل کرنے میں اسقدر حیرانی نہوتی
جسقدر کہ اب ہوتی ہے اور تاوقتیکہ دوست آشناؤں سے مل کر زیادہ آرام

کا مکان ہم پہنچا ئیں ان میں ٹھہرتے اسکے علاوہ یہہ ہر قسم کے مال تجارت کے ٹھہرنے اور پردیسی سوداگروں کے اترنیکے لئے ایک عمدہ اور آسایش کے مقام ہوتے۔

پیرس اور دہلی کی آبادی اور لوگوں کی خوش حالی اور مفلسی کا مقابلہ

اب چونکہ میں خیال کرتا ہوں کہ آپ مجھ سے یہہ ضرور دریافت کرینگے کہ اس شہر کی عام آبادی کی تعداد اور آسودہ حال لوگوں کا شمار پیرس کے مقابلہ میں کیا ہے۔ پس دلی کا ذکر ختم کرنے سے پہلے میں اسکو بیان کرتا ہوں۔ واضح ہو کہ پیرس کے تمام مکانات سہ منزلہ اور چو منزلہ ہونے اور قریبا ان سب کے لوگوں سے معمور اور بھرے ہوئے ہونے اور اسطرح پر اسکے تین یا چار شہروں کے برابر ہونے اور سڑکوں اور گلی کوچوں کے عورت و مرد اور پیدلوں اور سواروں اور انواع و اقسام کی گاڑیوں سے بھرے رہنے اور بڑے بڑے چوکوں اور باغوں اور میدانوں کے اسمیں بہت کم ہونے پر خیال کرکے پیرس مجھکو آدمیوں کے ایک بن کی مانند معلوم ہوتا ہے۔ اور اسوجہ سے میں یقین نہیں کر سکتا کہ جتنے آدمی اسمیں ہیں اتنے ہی دلی میں بھی ہوں مگر جب ہندوستان کے اس دار السلطنت کی وسعت اور بیشمار دکانوں اور اس امر پر خیال کرتا ہوں کہ امرا کے علاوہ پینتیس۳۵ ہزار سوار تو اسمیں کبھی کم نہیں رہتے جو قریبا سب کے سب عیالدار اور صاحب اولاد اور سب کے پاس بہت سے نوکر چاکر ہیں جو اپنے آقاؤں کی طرح علحدہ علحدہ مکانوں میں رہتے

ہیں اور کوئی ایسا گھر نہیں جسمیں عورتیں اور لڑکے بالے موجود نہوں اور شام کو جب ذرا گرمی کم ہو جاتی ہے اور لوگ باہر نکلتے ہیں تو تمام سڑکیں اور گلی کوچے باوجود اپنی وسعت کے خلقت سے بھرے ہوے نظر آتے ہیں اور بہتیہ دار سواریاں (جنسے جگہہ رُک جاتی ہے) بہت ہی کم دیکھائی دیتی ہیں تو ٹھیک نہیں کہہ سکتا کہ دلی اور پیرس کی آبادی میں کیا نسبت ہے۔ لیکن میرے قیاس میں اگر پیرس کے برابر یہاں آدمی نہوں تو کچھ بہت کم بھی نہوں گے۔ البتہ اگر آسودہ حال لوگوں پر نظر کیجاے تو بیشک پیرس میں اور اسمیں ایک نمایاں تفاوت معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ پیرس میں دس میں سے سات یا آٹھ آدمی کپڑے لتے سے دُرست اور معقول صُورت نظر آتے ہیں لیکن دلی میں صرف دو یا تین آدمی ایسے دیکھائی دیتے ہیں اور باقی غریب اور میلے پرانے کپڑوں کے ساتھ دیکھنے میں آتے ہیں جو بیچارے فوج کی وجہ سے یہاں چلے آتے ہیں لیکن میں اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ مجھے اکثر ایسے لوگوں سے ملنے جُلنے کا اتفاق ہوتا ہے جو اچھے وضع اور عمدہ اور ستھرا لباس پہنے اور عمدہ گھوڑوں پر چڑھے ہوے اور نفر خدمتگار ساتھ لیئے ہوے ہوتے ہیں۔

امرا کی سواری کے طریقہ کا ذکر

جسوقت امرا اور راجہ اور منصبدار لوگ چوکی دینے یا دربار میں حاضر ہونے کو آتے ہیں تو اس چوک سے جو قلعہ کے سامنے ہے کوئی زیادہ دلربا نظر مقام نظر نہیں آتا۔ چنانچہ چاروں طرف سے بہت کو

منصبدار ساز و سامان سے درست اور عمدہ گھوڑوں پر چڑھے ہوئے اور
چار خوش پوشاک خدمتگار ساتھ لیئے ہوئے جنمیں سے دو پیچھے اور دو راستہ
کھلا رکھنے کے لیئے آگے آگے رہتے ہیں آتے ہیں۔ اور امرا اور راجہ
بعضے تو گھوڑوں پر اور بعضے عمدہ ہاتھیوں پر اور اکثر مکلف پالکیوں میں
جنکو چھ کہار لگے ہوئے ہوتے ہیں زربفت کا تکیہ لگائے پان چباتے
آتے ہیں جس سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ منہ خوشبودار اور ہونٹ سرخ
ہو جائیں اور پالکی کے ایک طرف تو ایک خدمتگار دانت نما لال اور چاندی
یا چینی کا اگالدان جسکا حقہ کے ساتھ ہونا ضروری ہے لیئے ہوئے ہوتا
ہے اور دوسری جانب دو خدمتگار ہوتے ہیں جو اپنے آسایش پسند
مالک کو پنکھا جھلتے یا گرد و غبار اور مکھیاں اڑانے کو مورچھل ہلاتے ہیں
اور تین چار پیادے راستہ کھلا رکھنے کے لیئے آگے آگے دوڑتے
اور کچھ منتخب اور وجیہ خوش لباس جوان گھوڑوں پر چڑھے ہوئے پیچھے
پیچھے چلتے ہیں

دہلی کی نواح کے بعض مکانات وغیرہ کا ذکر

دہلی کے نواح کی زمین نہایت زرخیز ہے اور
اسمیں ایکھ۔ گیہوں۔ جو۔ نیل دہان۔ باجرہ۔
جوار۔ مونگ۔ ماش۔ اور موٹھ وغیرہ جو عام لوگوں کی خوراک ہے
بافراط پیدا ہوتے ہیں۔ دہلی سے چھ میل آگرہ کے راستہ پر ایک مقام
ہے جسکو مسلمان قطب الدین کہتے ہیں اور یہاں ایک بہت قدیم عمارت ہے جو کبھی

* مصنف کا مقصود غالباً وہ دہرا ہے جسکو ہندوستان کے مشہور راجہ پرتھی راج عرف رائے پتھورا

ہندوؤں کا دہرا تھا اور اُسپر ایسے حروف میں کچھ کُھدا ہوا ہے جو ہندوستان کی مروجہ زبانوں کے حروف میں سے کسی سے بھی نہیں ملتے اور نہ کوئی شخص اُنکو پڑھ سکتا ہے اور دوسری جانب شہر کے ایک بادشاہی باغ ہے جسکو "شالامار" کہتے ہیں اور جو ایک بہت خوبصورت اور عالیشان عمارت ہے لیکن "فونٹن بلو"(۱) اور "سینٹ جرمین"(۲) اور "ورسیلس"(۳) کے مقابلہ کا نہیں - یقین کیجئے کہ دہلی کی نواح

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ نے سنہ ۱۲۵۰ بکرماجیتی مطابق سنہ ۱۱۹۳ء اور سنہ ۵۸۹ ہجری میں اپنے قلعہ کے ساتھ بنوایا تھا اور سنہ ۵۸۹ ہجری مطابق سنہ ۱۱۹۳ عیسوی اور موافق سنہ ۱۲۵۰ بکرماجیتی میں معز الدین بن سام عرف شہاب الدین غوری کے سپہ سالار قطب الدین ایبک نے جو آخرکار دہلی کا بادشاہ ہوا اور سلطان قطب الدین کہلایا - جب دہلی کو فتح کیا تو اسکو مسجد بنا دیا اور شرقی دروازہ پر فتح کی تاریخ اور اپنے نام کا کتبہ کہدوایا مگر کوئی ایسے حروف جنکی طرف مصنف نے اشارہ کیا ہے اسپر کہیں کندہ نہیں ہیں البتہ اسکے صحن میں ایک لاٹھ ہے جو مرتے پانوں تک لوہے کی ڈھلی ہوئی ہے اور جو زمین پر سے بائیس فٹ چھ انچ بلند اور جسکی جڑ کی موٹائی کا محیط پانچ فٹ تین انچ ہے اور اسکی نسبت یہ کہانی مشہور ہے جو بالکل غلط ہے کہ راے پتھورا کے وقت میں پنڈتوں نے اسکو باسک ناگ کے سر پر گاڑ دیا تھا کہ راے پتھورا کی خاندان کی علداری کبھی نہ جاتی رہے - اسپر سنسکرت زبان اور ناگری حروف میں تین شلوک کندہ ہیں جنکا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ راجہ دھاوا نے اپنی فوج جمع کی تھی - بعد لڑائی کے راجہ دھاوا نے فتح پائی اور یہ لاٹھ بطور یادگار اپنی فتح کے بنائی مگر اسکے بننے سے پہلے مرگیا - صاحب آثار الصنادید لکھتے ہیں کہ جیمس پرنسب صاحب نے لکھا ہے کہ اس راجہ کا اور کچھ حال معلوم نہیں ہوا بجز اسکے کہ ہستنا پور کے راجاؤں میں کا ایک راجہ ہے اور اس قسم کے ناگری حرف تیسری یا چوتھی صدی عیسوی میں جاری تھے اور اس سبب سے انہوں نے خیال کیا ہے

(ل) [illegible]

(1) Fontainbleau (2) Saint Germain (3) Versailles

میں ایسے محل اور عالیشان مکانات نہیں ہیں جیسے کہ سینٹ کلوڈ (۱) جینٹلی (۲) میوڈان (۳) لانکور (۴) وا - یار ویل ہیں اور نہ ویسے مختصر باغات ہیں جنکے مالک غیر ملازم شرفا اور اہل شہر اور سوداگر ہوں لیکن یہہ کچھ جاے تعجب نہیں کیونکہ یہاں کی رعایا میں سے کسیکو بھی حق ملکیت زمین حاصل نہیں ہے -

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

کہ یہہ لاٹھ پانچویں صدی سے بہت دور ہے بلکہ آٹھویں صدی میں بنی تھی مگر ہم اسکو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ راجاؤں کی تاریخ ۶۰۰؁ عیسوی سے مسلمانوں کی عملداری ہونے تک بصحت تمام ملتی ہے اور ان تاریخوں میں اس راجہ کا ذکر نہیں ہے - علاوہ اسکے اس لاٹھ پر سمت کندہ نہ ہونے سے یقین پڑتا ہے کہ بکرماجیت سے پہلے کی ہے کیونکہ بکرماجیت سے پیچھے سمت لکھنے کا اور کوئی نہ کوئی سنہ مقرر کرنیکا بالکل رواج ہوگیا تھا - اسکے سوا اس زمانہ میں ہستناپور کے راجاؤں کا راج بالکل جاتا رہا تھا - ان دلیلوں سے ہمارے نزدیک یہہ لاٹھ راجہ میدہادی عرف راجہ داوا کی بنائی ہوئی ہے - جو راجہ جدہشٹر کی اولاد میں سے انیسواں (۱۹) راجہ ہے - اور اگرچہ یہہ راجہ اندرپت میں آ بسے تھے الا قدیم تخت گاہ ان کا ہستناپور ہی تھا اور اسی سبب سے ہستناپور کے راجہ کہلاتے تھے - مذہب اس راجہ کا بشنوی تھا اور اس لاٹھ کے کتبہ سے بھی یہی مذہب معلوم ہوتا ہے - تاریخ کی مروجہ کتابوں سے ظاہر ہے کہ راجہ میداوی انگیزار نو سو پانچ برس قبل حضرت مسیح علیہ السلام مسند نشین ہوا الا انگریزی مورخوں نے جو صحیح حساب راجہ جدہشٹر کی مسند نشینی کا نکالا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہہ راجہ آٹھ سو بچانوے سال قبل حضرت مسیح علیہ السلام مسند نشین ہوا تھا - اور اس سبب سے ہماری راے میں یہہ لاٹھ نویں صدی میں قبل حضرت مسیح علیہ السلام بنی الا ناتمام پڑی رہی اور ایک مدت بعد کسی راجہ نے راجہ داوا کا فتح نامہ جس مقصد سے اس راجہ نے اسکو بنایا تھا کھدوا کر لاٹھ کو نصب کردیا - اور کچھ عجب نہیں کہ یہہ

(۱) Saint Cloud, (۲) Chantilly, (۳) Meudon, (۴) Liancourt

دہلی اور آگرہ کے درمیانی راستہ کا ذکر

دہلی اور آگرہ کے مابین جو ڈیڑھ سو یا ایکسو اسی میل کا فاصلہ ہے اُسمیں نہ تو کوئی عمدہ شہر ہے (حالانکہ فرانس میں مسافر کو اسقدر مسافت کے اندر کئی شہر دکھائی دیتے ہیں) اور نہ کوئی اور دلچسپ مقام ہے البتہ متھرا جہاں ہندوؤں کا ایک قدیم اور عالیشان مندر دیکھنے کے لیئے اب بھی موجود ہے اور چند خوبصورت کاروانسرائیں جو ایک ایک منزل کے فاصلہ پر بنی ہوئی ہیں قابل الذکر مقام ہیں۔ اور اس راستہ کے دونوں طرف سایہ کے لیئے دوہری قطار میں درخت لگے ہوئے اور ایک ایک کوس کے فاصلہ پر رہنمائی کی خاطر پختہ منارے اور مسافروں کے پانی پینے اور درختوں کے پودوں کی سیرابی کے لیئے پختہ کنوئیں بنے ہوئے ہیں۔ *

شہر آگرہ عرف اکبر آباد کا ذکر

مینے دہلی کی جو کیفیت بیان کی سب اُسی پر آگرہ کو قیاس کر لیجئے یعنی وہ اور وہاں کا قلعہ اور اُمرا کی عمارتیں بھی جمنا ہی کے کنارے پر ہیں لیکن اسوجہ سے کہ اکبر کے زمانہ سے کہ جسنے اسکو آباد

بات تیسری یا چوتھی صدی عیسوی میں ہوئی ہو۔ جب [illegible] اس لاٹھ کے قریب قلعہ اور مندر بنایا تب یہ لاٹھ مندر کے صحن میں اور جب اسکو توڑ کر قطب الدین ایبک نے مسجد بنائی تب مسجد کے صحن میں آگئی۔ چنانچہ ابتک وہیں موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] اپنے غالباً اسی لاٹھ کے حروف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ۱۲ س م ح

* یہ سڑک شہنشاہ جہانگیر نے اپنے جلوس کے چودھویں سال مطابق [illegible] ہجری میں آگرہ سے لاہور تک بنوائی تھی۔ چنانچہ اسکی بعض بعض منارے ابتک بھی کہیں کہیں موجود و قایم ہیں۔ س م ح

کر کے اپنے نام پہ اسکا اکبر آباد نام٭ رکھا تھا) بادشاہان ہندوستان اکثر وہیں رہتے رہے ہیں - اسکو وسعت اور کثرت عمارت میں جنکو اُمرا اور راجاؤں اور غیر ملازم شرفا نے عمدہ پتھر یا اینٹ سے تعمیر کرایا ہے دہلی پہ فوقیت حاصل ہے اور کارواں سرائیں بھی آسمیں وہاں کی بہ نسبت زیادہ ہیں - اور دو مقبرے ایسے عمدہ اور مشہور و معروف یہاں ہیں کہ جن پر یہ ناز کر سکتا ہے - اور جنکا بیان میں آیندہ کروں گا - لیکن اسکی شہر پناہ نہیں ہے اور بعض اور اُمور میں بھی دہلی سے گھٹا ہوا ہے - اور چونکہ پہلے سے کوئی نقشہ تجویز ہو کر نہیں بنایا گیا اسلیئے دہلی کی سی متحد الوضع اور سیدھے اور وسیع بازار جنسے اُسکو امتیاز حاصل ہے اسمیں نہیں ہیں البتہ چار پانچ بازار بہت طولانی ہیں اور اُنکی عمارت بھی اچھی ہے مگر اُن میں ہو بازی بھی زیادہ بھٹتے ہیں اور اُن کے سوا سب چھوٹے چھوٹے اور تنگ اور بیقاعدہ ہیں جنمیں بہت سے گوشے اور پیچ و خم ہیں اور اِس سبب سے جب بادشاہ کا قیام یہاں ہوتا ہے تو اُن میں عجیب کشاکش اور دھکا پیل رہتی ہے! میں خیال کرتا ہوں کہ اِن دونوں شہروں میں جو بڑی بڑی مابہ الامتیاز باتیں ہیں وہ میں نے سب بیان کر دی ہیں مگر اُن پر ایک بات اور اضافہ کرتا ہوں کہ آگرہ کو اگر کسی بلند مقام سے کھڑے ہو کر دیکھیں تو گانوں کی شکل کا معلوم ہوتا ہے - اور اُسکا منظر گانوں کا سا طرح طرح کا اور خوشنما

٭ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ اکبر اور جہانگیر کے وقت تک آگرہ ہی کہلاتا تھا اور بموافق روایت صاحب بادشاہنامہ شاہجہاں نے اپنے جلوس کے پہلے دن یہ نام جو ہمیشہ تھا بدل کر اکبر آباد نام رکھا تھا چنانچہ اُسی روز سے اکبر آبادہی مشہور ہے - ۱۲ س م ح

ہے کیونکہ اُمرا کا معمول ہے کہ اپنے مکانوں کے صحنوں اور باغوں میں سایہ کے لیئے بڑے بڑے درخت لگواتے ہیں اور اُمرا اور راجہ اور اَور دولتمند لوگوں کے بڑے بڑے مکانوں کے مابین ایک دوسرے سے فصل کے لیئے نہایت فرحت بخش پھول پھلواری اور درخت اور بیل بوٹے لگے ہوئے ہیں اور اُن میں ہندو مہاجنوں کی اونچی اونچی پتھر کی حویلیاں ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے کسی جنگل کے اندر کوئی پرانی گڑھی۔

ایک گرمی سے جلے بھُنے ملک میں کہ جہاں تازگی اور آرام حاصل کرنے کو آنکھیں خود بخود سبزے کی متلاشی ہوتی ہیں اگرچہ ایک ایسا منظر بے شبہ دلکو ایک خاص طور کی فرحت دیتا ہے مگر یہ خیال کرکے کہ دنیا کا ایک نہایت عمدہ اور خوشنما نظارہ دیکھنے میں آیگا آپکو نہر کے چھوڑنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تو یقیناً آپکو پوئنٹ نی آف ویو پر بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اگر آپ ذرا دنکو اُسپر جا کر دیکھیں اور دیکھیں کہ خلقت اور گاڑیوں کا کیا عجیب غریب جمگھٹ اور طرح طرح کی چیزیں اور بھیڑ بھاڑ نظر آتی ہے اور پھر رات کو بیٹھکر ملاحظہ کریں تو بیشک میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ فرمایئے اس سے زیادہ دلچسپ نظارہ اور کہاں دیکھائی دیسکتا ہے۔ اور اسپر سے مکانات کی بیشمار کھڑکیوں میں سے جو صاف اور دھیمی دھیمی روشنی نظر آتی ہے ذرا دیکھیئے تو وہ کیا لطف دیکھاتی ہے اور جو بھیڑ بھاڑ اور گاڑیوں اور لوگوں کا ہجوم دنکو رہتا ہے وہی آدھی رات کو بھی نظر

آتا ہے اور ممالک ایشیا کے برخلاف جہاں ایسا ہونا کبھی ممکن نہیں
بادیانت اہل شہر کی بیبیاں اور بیٹیاں بغیر چور اُچکّوں کے خوف اور کیچڑ
وغیرہ کی تکلیف کے بے تکلّف بازاروں اور گلی کوچوں میں چلتی پھرتی
اور جہاں تک نظر جا سکتی ہے خواہ کوئی اور کیسا ہی موسم کیوں نہ ہو چاروں
طرف لالٹینوں کی قطاریں روشن اور جگمگاتی نظر آتی ہیں۔

مشفق من پیرس میں پونٹ ڈی آف پر کھڑے ہو کر بیشک آپ میری
ذمہ واری پر دعوی سے کہہ سکتی ہیں کہ دُنیا میں انسان کا بنایا ہوا اِس سے
زیادہ خوشنما کوئی منظر نہیں ہے۔ لیکن چین اور جاپان کی میں نہیں کہتا کیونکہ
مینے اُن کو نہیں دیکھا اور اسکی خوبی اُسوقت اَور بھی بڑھ جائیگی جبکہ لواثر کی تعمیر
Louvre
ختم ہو جائیگی اور لوگوں کے قول کے برخلاف جو اسکے نقشہ کو دیکھکر کہتے تھے
کہ یہہ صرف کاغذ ہی کا غذ پر دیکھائی دیتا رہیگا۔ حقیقتاً وجود میں آجائیگا !
انسان کے بنائے ہوئے منظر کی قید مینے اسلیئے لگائی ہے کہ دنیا کے
عمدہ مناظر کے ذکر کے موقع پر اِس لفظ کے عام معنوں کے لحاظ سے قسطنطنیہ
کے اُس قدرتی منظر کو جو سمندر کی بڑی کھاڑی میں سے اِسطرح نظر آتا ہے کہ
ایک طرف تو قسطنطنیہ ہے اور دوسری جانب پوائنٹ ڈیو سرٹیل ہے مستثنیٰ
Pointduserbail
کر دینا ضروری ہے حقیقت یہہ ہے کہ جب پہلے پہل مینے قسطنطنیہ کے اس
لمبے چوڑے منظر کو دیکھا تو میری طبیعت پر ایسی خوشی غالب ہوئی جو کبھی
نہیں بھول سکتی اور مینے اسکو ایک جادو کا بنا ہوا ایمفی تھی ایٹر خیال

Amphitheator

* لیٹن زبان میں ایمفی بیضوی شکل کو کہتے ہیں پس چونکہ یہہ تھی ایٹر یعنی تماشا خانے بیضوی

کیا۔ لیکن اگرچہ اس منظر میں جو خوبی کی باتیں ہیں وہ سب قدرت کی مصنوعات ہیں اور پیرس میں جو کچھ ہے وہ تمام یا قریب تمام کے انسان کی صنعت ہے مگر میری رائے میں پہلے کی بہ نسبت پچھلا زیادہ دلچسپ ہے کیونکہ یہہ اس بات کی علامت ہے کہ یہہ شہر ایک بڑی سلطنت کا دارالحکومت اور ایک ذی قدرت بادشاہ کا جائے قیام ہے۔ اور دہلی اور آگرہ اور قسطنطنیہ کی سب طرح کی خوبیوں کو تسلیم کرکے پھر بھی میں انصافاً یہہ کہہ سکتا ہوں کہ دنیا کے شہروں میں پیرس سب سے زیادہ متمول اور خوبصورت اور ہر ایک طرح سے مقدم ہے۔

شکل کے بنائے جاتے تھے تاکہ لوگ اردگرد بیٹھکر آسانی کے ساتھ قریب سے تماشا دیکھ سکیں اسلیئے انکا نام ایمفی تھی ایٹر جسکا نام کالی سی ایم ہے۔ اور جسکو بنے ہوئے بہت عرصہ ہوا مگر مصالح کی خوبی کی وجہ سے ایسا ہے کہ اسکا کھنڈر کرنا مشکل ہے بلکہ ابتک شہر روم کی نہایت عالیشان عمارات میں سے ہے۔ اُس وادی میں بنا ہوا ہے جو شہر روم کی سات پہاڑیوں کے بیچ میں ہے۔ یہہ عمارت زینوں کی طرح اسیطرے درجہ بدرجہ بنی ہوئی ہے کہ تماشائی اپنے اپنے رتبہ کے موافق اپنی اپنی جگہہ کہ جو ان کے لیئے مخصوص تھی بیٹھکر تماشا دیکھ سکیں۔ چنانچہ سب سے اوّل درجہ کے چبوترہ پر شہنشاہ تخت پر اور پھر سینٹ اور بڑے بڑے مجسٹریٹ اور وہ مقدس کنواری عورتیں جو معبدوں کی خدمت پر متعین رہتی تھیں سونے چاندی اور ہاتھی دانت کی کرسیوں پر بیٹھتی تھیں اور ان سے نیچے کے چبوترہ پر وہ بہادر اور نامدار سپاہی بیٹھتے تھے جنکو نائٹ کہتے تھے اور ان کے بعد عام لوگوں کی نشست تھی اور سب کے اوپر اور اخیر کے چبوترہ پر عام شریف زادیاں جو تماشا کرنے والوں کے برہنہ ہونیکی وجہ سے قریب سے دیکھنا پسند نہ کرتی تھیں بیٹھتی تھیں غرض اسی طرح ملاح اور کلوں کے چلانے والے اور تماشاخانہ کے اہل خدمت اسکے دروازوں کی چھتوں پر بیٹھتے تھے۔ اس عمارت کا عظم و شان اس سے سمجھ لینا چاہیئے

جیسویٹ فرقہ کے عیسائیوں کے ایک گرجا اور کالج کا ذکر —

آگرہ میں ایک گرجا بھی ہے جسکو جیسویٹ فرقہ کے لوگوں نے بنایا تھا اور ایک اور مکان ہے جسکو وہ کالج کہتے ہیں جسمیں پچیس[۲۵] یا تیس[۳۰] عیسائی گھرانوں کے بچوں کو عقاید مذہبی کی تعلیم دیجاتی ہے۔ مگر مجھے معلوم نہیں کہ یہہ عیسائی خاندان یہاں کسطرح جمع ہو گئے ہیں شاید ان جیسویٹ پادریوں کے فیاضانہ اور مہربانہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

کہ جب کبھی یہہ تماشائیوں سے بالکل بھری ہوئی ہوتی تھی تو ستاسی ہزار[۸۷] آدمی اسمیں بیٹھنے والے ہوتے تھے۔ اس عمارت کے بیچ کا میدان آرینا کہلاتا تھا کیونکہ خون کی بدبو دور کرنے کی غرض سے اسمیں ابتدائی زمانہ میں آرینا یعنی ریت بچھائی جاتی تھی مگر پھر یہانتک تکلف بڑھگیا کہ ریت کی عوض مختلف دھاتوں کا برادہ اور شنگرف ملا ہوے ہوسے جواہرات کی تہہ بچھانے لگے۔ لیکن ایک ملایم قسم کے سفید پتھر کا چورا بچھایا جانا جس سے آرینا کا سطح برف کا سا معلوم ہونے لگتا تھا۔ زیادہ پرلطف خیال کیا جاتا تھا۔ اور چھت نہ ہونے کی وجہ سے جب اسپر ارغوانی رنگ کا ایک بڑا ریشمی زرنگار شامیانہ تانا جاتا تھا تو اسمیں سے دھوپ کی شعاع جو آرینا کے سفید اور شفاف سطح اور رومی عہدہ داروں کے سفید چغوں پر پڑتی تھی تو نہایت ہی کیفیت دکھاتی تھی۔ آرینا کے گرداگرد پانی کی نہر بنی ہوئی تھی جسمیں سے پانی چھوڑکر آرینا میں تماشا کرنیکے لیئے جہاز لے آتے تھے۔ یہہ تماشاخانے رومیوں کی سلطنت جمہوری کے اخیر زمانہ کی ایجاد تھے اور چونکہ قدیم اہل روم ہر قسم کے خون ریز اور خوفناک تماشوں کے دیکھنے کے بے اعتدالی کے ساتھ شایق تھے اسلیئے انکے حکام اس شوق کو اس جنگی جوش کے ترقی دینے کی غرض سے جسنے انکو دنیا کا مالک بنایا ہوا تھا جاری رکھتے تھے۔ سب سے پہلا تماشا دوسو ساٹھ[۲۶۰] برس قبل مسیح علیہ السلام شہر روم میں ہوا تھا اور [۵۲] سنہ ع میں جبکہ رومیوں نے کارتھیج والوں پر فتح پائی اور انکی مال کی لوٹ میں ہاتھی بھی آئے تو وہ بھی اس تماشاخانوں میں داخل کیئے گئے۔ اور اسطرح سے ان میں وحشی حیوانات کے داخل کیئے جانے کی ابتدا ہوئی اور رفتہ رفتہ یہانتک نوبت پہنچی کہ جانوروں کے باہم لڑانے ہی پر حصر نرہا بلکہ ملک میں لوگوں کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا جنکا یہہ پیشہ تھا کہ انعام حاصل کرنیکی غرض سے باہم ہتھیاروں سے لڑتے اور ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے۔ یہہ لوگ

ساہوکار نے انکو یہاں سکونت اختیار کرلینے پر مائل کیا ہے۔ ! جس زمانہ میں پرتگیزوں کا ہندوستان میں بڑا زور تھا ان جیسوئٹ لوگوں کو جو ایک مذہبی گروہ ہے شہنشاہ اکبر نے بلا کر یہاں آباد کر لیا تھا اور گزر اوقات کے لیے کچھ سالیانہ مقرر کر دینے کے علاوہ لاہور اور آگرہ میں گرجا تعمیر کر لینے کی بھی اجازت دیدی تھی اور جہانگیر تو اپنے باپ سے بھی بڑھکر انکا مربی تھا مگر شاہجہان کے عہد میں انکو بہت تکلیف پہنچی اسنے انکا سالیانہ بند کر دیا اور لاہور کا گرجا تو بالکل ہی مسمار کرا دیا اور آگرہ کے گرجا کا بھی بہت سا حصہ مع اس منارے کے جسپر گھنٹہ

بقیہ ٭ حاشیہ ٭ صفحہ ٭ گذشتہ

کلیڈی ایٹر کہلاتے تھے اور ان کے ساتھ وہ تمام خونخوار درندے بھی شامل کیے جاتے تھے جو تماشے کی رونق بڑھانے کے لیے افریقہ اور ایشیا کے جنگلوں سے پکڑے آتے تھے۔ قیصر جولیس اور پامپی کے زمانہ میں یہہ وحشیانہ اور خوفناک تماشے قابل حیرت کثرت سے کیے جاتے تھے۔ ! تماشائی لوگ اکثر اس غرض سے اول وقت پر آتے تھے کہ بڑے بڑے ارکین سلطنت کو آتا ہوا دیکھیں جنکے آنے پر تحسین یا آفرین کا نعرہ بلند ہوتا تھا جو اُن کے افعال کی عام پسندی یا ناپسندی پر موقوف تھا۔ اور جب شہنشاہ آتا تو لوگ یہہ فقرہ کہکر چلاتے کہ "اے سب کے مالک اور سب سے اعلے اور سب سے خوش حال تیرے لیے خوشی اور فتح ہمیشہ ہو" جب بادشاہ آنکر بیٹھ جاتا تو طرح طرح کے تماشے ہونے لگتے چنانچہ کبھی نہر میں سے اکھاڑا میں پانی چھوڑ دیا جاتا اور ایک جہاز آتا اور تباہ ہوکر اُسمیں سے ایک غول عجیب و غریب جانوروں کا نکل پڑتا۔ بعض اوقات زمین پھٹ کر درخت نکلتے اور اُنپر سنہری میوے لگے ہوئے ہوتے۔ کبھی آرفیوس کلاونت کا پرانا عشقیہ قصہ بطور اصل کے دکھایا جاتا۔ اور یہہ درخت اُس خوش آواز عاشق کے راگ اور دوتارے کے ساتھ ساتھ چلتے مگر تعجب یہہ ہے کہ تماشے کے مکمل کرنیکے لیے آرفیوس کی طرح آخر میں سچ مچ اُس شخص کو جو آرفیوس بنتا تھا ریچھوں سے پھڑوا دیا جاتا تھا اور اسکے بعد خونخوار اور اشتعال پسند رومی اکھاڑا کے دروازے کھول دیتے اور قسم قسم کے وحشی درندے چاروں طرف سے باہم لڑتے اور ایک دوسرے کو

لگا ہوا تھا اور جسکی آواز تمام شہر میں جاتی تھی گروادیا۔ جہانگیر کے زمانہ میں
ان لوگوں کو اُمید تھی کہ ہمارا مذہب کچھ نہ کچھ یہاں پھیل جائیگا کیونکہ جہانگیر
حقیقت میں قرآن کے مسائل کو نہایت ناپسند کرتا تھا اور ہمارے مذہب
کے مسئلے اُسکو ایسے بھاتے تھے کہ اُنپر اپنا تعجب ظاہر کرتا تھا۔ چنانچہ اُسنے
اپنے دو (نیفیوز) بھانجوں یا بھتیجوں اور مرزا ذوالکرنین (ذوالقرنین)
Nephews
کو جسکا ختنہ بھی ہوچکا تھا اور شاہی محلسراہی میں پرورش پائی تھی عیسائی
ہوجانیکی اجازت دیدی تھی اور بہانہ یہہ کیا تھا کہ اسکے ماں باپ عیسائی تھے

پھاڑ کھانیکے لیئے چھوڑ دیئے جاتے اور لوگ نہایت بیرحمانہ شوق کے ساتھ اُن کے حملوں
اور بچاؤ کے طریقوں پر غور کرتے اور بیدرد رومی اِن غریب حیوانات کے چیخنے اور
شور و غل مچانے پر ترس کھانے کی جگہہ نہایت خوش ہوتے۔ اور اگر کبھی اتفاق
سے کوئی جانور سب پر غالب آجاتا اور سب کا خاتمہ کردیتا تو چاروں طرف سے انعام کے
طور پر یہہ صدا بلند ہوتی کہ اس بہادر کو چھوڑ دو تاکہ اپنے وطن میں آرام سے رہے!
یہہ لوگ اسی پر اکتفا نکرتے تھے بلکہ اِن جانوروں سے انسان لڑائے جاتے تھے
جو کوئی زرہ پہنے اور کوئی شکاری وضع میں ہوتا تھا اور بعض صرف خالی ہاتھ ہی اپنی
پھرتی اور چالاکی سے حریف پر غالب آتے تھے۔ لیکن اسپر بھی اس وحشت کا خاتمہ نتھا
بلکہ اہل روم انسان کو مرتا دیکھنا چاہتے تھے اور اس غرض سے گنہگار لوگ اور بیچارے
عیسائی مذہب کے آدمی اِن درندوں کا شکار کرائے جاتے تھے۔ اِسکے بعد لاشیں
اُٹھوا دی جاتی تھیں اور تمام ارینا میں وہ جواہرات اور سفید پتھر کا چورا جسکا ذکر اوپر کیا جاچکا ہے
خون کی بدبو رفع کرنیکے لیئے بچھا دیا جاتا تھا۔ اور سب سے عمدہ تماشے کی نوبت آتی تھی۔ یعنی
گلیڈی ایٹروں کی لڑائی شروع ہوتی تھی جنمیں سے کسی کے پاس تلوار اور کسی کے
ہاتھ میں نیزہ اور کوئی ہلکی اور کوئی بھاری زرہ پہنے ہوئے۔ کوئی گاڑی میں کوئی
پیدل کوئی گھوڑے پر سوار آتا تھا۔ اور ارینا میں داخل ہوکر سب کے سب ہم آواز شہنشاہ
کو یوں سلام کرتے تھے "مرحبا قیصر مرنے والے تجھکو سلام کرتے ہیں" اِن پیشہ وروں میں

(کیونکہ اسکی ماں جو ایک دولتمند آمنی کی بیوی تھی جہانگیر کی خواہش کے موافق محل میں داخل ہوگئی تھی) اور یہہ لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جہانگیر کے عیسائی ہو جانیکا قصد اس درجہ کو پہنچ گیا تھا کہ اُسنے تمام دربار کو فرنگستانی لباس پہنانے کا دلیرانہ ارادہ کیا اور ایک دن خلوت میں یہہ لباس پہنکر اپنے ایک بڑے امیر کو بُلایا اور اُسکی اس باب میں رائے دریافت کی مگر اُسنے ایسا اندیشہ ناک جواب دیا کہ جہانگیر نے ڈر کر یہہ ارادہ چھوڑ دیا اور اس تمام قصہ کو ہنسی کے پیرایہ میں اُڑا دیا۔ یہہ لوگ بھی کہتے ہیں کہ جہانگیر نے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

بعض عام لوگ بھی اپنی خوشی سے شامل ہوکر کچھ روپیے لیکر لڑتے تھے جنمیں سے کبھی کوئی بچ بھی جاتا تھا مگر ایسا بہت کم ہوتا تھا کیونکہ رومی مغلوب پر رحم کرنا نہ جانتے تھے یہہ لوگ کبھی ایک ایک کبھی اکٹھے ہوکر لڑتے اور جب کوئی اپنے حریف کو زخمی کرتا تو تماشائیوں کی طرف دیکھکر کہتا "اسکے کاری زخم لگا" اور اُسکو مار ڈالنے یا چھوڑ دینے کی اجازت چاہتا۔ چنانچہ تماشائی اپنا انگوٹھا اگر اُوپر کو اُٹھاتے تو چھوڑ دینے کا اور اگر نیچے کو کرتے تو مار ڈالنے کا اشارہ سمجھا جاتا۔ اور بیچارہ مغلوب اگر اپنی گردن زخم اخیر کے لیے پیش کرنے میں تامل کرتا تو لعن طعن کا شور بلند ہوتا اور لوگ پکار کر کہتے کہ "لوہا حاصل کرو" یعنی لوہے کے ہتھیار کے سامنے جاؤ۔ اور مقدس کنواریاں اور رحمدل مائیں اور سینٹ کے دانا ممبر اسکو ایک کھیل سمجھتے تھے اور کسی کو بھی یہہ خیال نہ آتا تھا کہ یہہ کیا حرکت کیجاتی ہے مگر ۴۰۴ مسیحی میں عیسائی مذہب کے ایک درویش کی برکت سے یہہ وحشیانہ اور بُرے کھیل موقوف ہوے۔ اگرچہ اس بیچارہ کی جان اسمیں گئی یعنی وہ عین تماشہ کے وقت ارینا میں آگھسا اور لوگوں سے مخاطب ہوکر بولا کہ "اس طرح خون بہانے سے باز آؤ اور جس خدا نے تمکو تمہارے دشمنوں پر غالب کیا ہے اُسکے رحم کا عوض کشت و خون کے تماشوں کے رواج دینے سے مت کرو" جسپر چاروں طرف سے غل ہوا کہ یہہ وعظ کی جگہ نہیں بڈھے پیچھے ہٹ جا اور گلیڈی ایٹروں نے دھکے دیکر اسے پیچھے ہٹا دیا۔ مگر وہ بہادر اور باستقلال شخص پھر اُن کے بیچ میں آگیا اور لڑنے سے روکنے لگا جسپر

انتقال کے وقت عیسائی ہوکر مرجانا چاہتا تھا اور ہمکو بلانیکا حکم دیا تھا مگر لوگوں
نے یہہ پیغام ہم تک مطلق نہ پہنچایا ! لیکن اور لوگ اس امر سے بالکل انکار
کرتے ہیں اور کہتے ہیں جیسا وہ زندگی بہر کسی مذہب و ملت کا پابند تھا
ویسا ہی اخیر وقت میں بھی تھا اور باپ کی طرح اُسکا بھی ارادہ تھا اپنے
کو پیغمبر بناکر ایک نیا مذہب جاری کرے - میںنے ایک مسلمان شخص کی
زبانی جسکا باپ جہانگیر کا ملازم اور اُسکے امور خانگی سے تعلق رکھتا تھا سنا ہے
کہ ایک دفعہ بادشاہ نے شراب کی ترنگ میں کئی بڑے بڑے ملاؤں
اور ایک پادری متوطن فلارنس[52] کو جسکی تندخوئی کی وجہ سے جہانگیر نے
اُسکا نام "پادری آتش" رکھ چھوڑا تھا بلوایا اور جب اُنہوں آکر بادشاہ کے حکم
کے موافق بڑے زور سے دین اسلام کے بطلان اور اپنے مذہب کی
تائید میں گفتگو کی تو بادشاہ نے کہا کہ مسلمان عالموں اور جیسوٹ پادریوں
میں جو نزاع ہے اُسکے تصفیہ کے لئے یہہ عمدہ موقع ہے اور حکم دیا کہ ایک
گڑھا کھود کر اُسمیں آگ جلائی جاوے اور پادری اپنی انجیل اور ایک ملا اپنا

بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ " بغاوت بغاوت " کا شور مچا اور حاکم نے بھی اپنی آواز اُس میں شامل کی اور گلیلیو کی بیرو
اُس بیچارے کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور چاروں طرف سے اینٹ پتھر اور جو کچھ ملا لوگوں
نے اُس مظلوم پر برسایا - لیکن اس عجیب واقعہ کے بعد لوگوں کو یہہ خیال آیا کہ یہہ کیا حرکت کی
گئی اور سب ... دل گئے اور اُنہوں نے سمجھ لیا کہ وہ فی الحقیقت بڑی بیرحمی اور
گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور اُس روز کے بعد یہہ تماشا پھر کبھی نہوا -
(ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا و کتاب گولڈن ڈیڈس) س م ح

۵۲ ملک اٹلی کے ایک شہر کا نام ہے
Florens

قرآن بغل میں لیکر اسمیں کود پڑیں دونوں میں سے جو بچ جائیگا میں اُسکا مذہب قبول کرونگا۔ چنانچہ پادری آتش نے تو اس امتحان کو قبول کرلیا لیکن مُلا لوگ ڈر گئے اور بادشاہ دونوں پر رحم کرکے اس آزمایش سے باز آیا۔ ! یہہ قصہ جھوٹ ہو یا سچ مگر اسمیں شک نہیں کہ جہانگیر کے دربار میں جیسویٹ لوگوں کی بڑی عزت و حرمت تھی اور اسوجہ سے اُنکو دین عیسوی کے یہاں پھیل جانے کی قوی اُمید تھی مگر اس زمانہ کے بعد باستثنا اُس ربط و ضبط کے جو دارا شکوہ اور فادر بوزی(1) کے باہم تھا اس قسم کی اُمید کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی۔

اب چونکہ اس جگہہ بغیر قصد کے مشنری لوگوں کا ذکر آگیا ہے تو میں اجازت چاہتا ہوں کہ ایک بڑے خط کے لکھنے سے پہلے جو آپکو لکھنے کا ارادہ ہے اس اہم معاملہ میں مقدمہ کے طور پر چند باتیں بیان کردوں میری دانست میں ان لوگوں کا مقصد پسندیدہ ہے اور اس کام کے لیے جو یہہ ایسے بعید ملک میں آتے ہیں بیشک تعریف کے لائق ہیں خصوصاً کپوشین اور جیسویٹ فرقوں کے لوگ جو اپنے عقاید مذہبی کو ہر قسم کے لوگوں پر نہایت غربت سے ظاہر کرتے ہیں اور بے تمیزی اور تعصب کو دخل نہیں دیتے اور عیسائی مذہب کے ہر ایک شخص سے خواہ وہ کاتھلک(2) فرقہ کا ہو یا یونان یا ارمینیا کے چرچ کا مقلد ہو۔ اور نسطورین(3) ہو یا جیکوبٹ(4) محبت اور فیاضی سے پیش آتے ہیں اور یہی

---

(1) Father Buzee (2) Catholic (3) Nestorian (4) Jacobit

اور مغلوک الحال عیسائیوں کی جائے پناہ اور باعث تسلی ہین - اور اپنے
علم و فضل اور قابل تقلید نیک اوقاتی سے غیر مذہب کے بے ایمان
اور عیاش لوگوں کے لیئے شرم کا باعث ہیں مگر بدقسمتی سے بعض ایسے
بھی ہیں جو اپنے نہایت مذموم افعال سے مذہب کو بدنام کرتے ہیں جنکا
بجائے مشن کے مقدس کام کے اپنے اپنے کان ونٹوں (خانقاہوں)
ہی میں بند رہنا خوب ہے کیونکہ انکا دین و مذہب صرف ایک دکھاوا ہے
اور بجائے اسکے کہ لوگوں کو ان سے ہدایت ہو اُلٹے اُنکی گمراہی کا باعث
ہیں لیکن سب ایسے نہیں اور نہ اصل مدعا کے لیئے مضر ہیں اور اس کام کے لیئے
اگر ایسے لوگ تجویز ہوا کریں جو علم عمل میں ممتاز ہوں تو میں بالکل پسند کرتا ہوں
اور میرے نزدیک یہہ لوگ نہایت ضروری اور عیسائیوں کے لیئے باعث
فخر ہیں اور عیسائیوں پر واجب ہے کہ تمام عالم میں اپنے دین کی تعلیم و
تلقین کے لیئے ایسے لوگ بہم پہنچائیں جو اپنے نیک ارادوں اور عمدہ
افعال و اطوار میں حواریوں کا نمونہ ہوں مگر کہیں آپ یہہ نہ سمجھ لیں کہ میں اس
معاملہ کے شوق میں اسقدر محو ہو گیا ہوں کہ میں نے یہہ سمجھ لیا ہے کہ جسقدر
حواریوں کے ایک دفعہ کے وعظ سے ایک اثر عظیم مترتب ہوتا تھا
اُتنا ہی اس زمانہ کے مشنری لوگوں کے وعظ سے بھی ممکن ہے - کیونکہ
بت پرست اور کافر لوگوں کے ساتھ ملتے جلتے رہنے کے باعث اُنکے
دلوں کی تاریکی سے مجھے اسقدر واقفیت ہو گئی ہے کہ ہرگز یقین نہیں کہ
دو یا تین ہزار آدمی ایک دن میں ایمان لے آئیں خصوصاً مسلمان یا دشاہ ہو

اور اُن کی مسلمان رعایا سے تو کسی طرح بھی تبدیل مذہب کی امید نہیں اور چونکہ ممالک ایشیا کے وہ سب مقامات میرے دیکھے ہوئے ہیں جہاں مشنری لوگ مقیم ہیں اسلئے میں اپنے تجربہ کی رو سے کہہ سکتا ہوں کہ ان لوگوں کی خیرات اور تلقین کا اثر مشرکوں ہی پر ہونا ممکن ہے اور یقین نہیں ہے کہ دس برس میں بھی ایک مسلمان عیسائی ہو جاسے۔ یہہ سچ ہے کہ مسلمان انجیل کو مانتے ہیں اور مسیح علیہ السلام کا ذکر بغیر نہایت ادب و تعظیم کے نہیں کرتے اور بلا لفظ ''حضرت'' صرف ''عیسیٰ'' کبھی نہیں کہتے اور ہماری طرح اسکا بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ معجزانہ طور پر کنواری ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے اور یہہ کہ وہ ''کلمۃ اللہ'' اور ''روح اللہ'' تھے لیکن یہہ امید کرنا عبث ہے کہ وہ اپنا وہ دین جسمیں پیدا ہوئے ہیں چھوڑ دیں اور اپنے پیغمبر کے برحق نہ ہونے کو مان لیں مگر باوجود ان سب باتوں کے پھر بھی فرنگستان کے عیسائیوں کو چاہیئے کہ مشنری لوگوں کی ہر ایک طرح سے مدد کریں اور اُن کی دُعا اور اِن کی طاقت اور دولت اپنے نجات دہندہ (عیسیٰ علیہ السلام) کے جلال کے بڑھانے میں صرف ہونی چاہیئے مگر اس خرچ کا تحمل اہل یورپ ہی کو ہونا چاہیئے۔ کیونکہ مشنری لوگون پر اسکا بوجھ ڈالنا مناسب نہیں۔ اور اس بات کی نہایت احتیاط رہنی چاہیئے کہ یہہ لوگ احتیاج کی وجہ سے کسی ذلیل اور حقیر کام کے کر بیٹھنے پر مجبور نہوں اور صرف اُنکی فارغ البالی ہی مطلوب نہیں بلکہ وہ ایک ایسی جماعت ہونی چاہیئے جو مستعد اور ہوشیار اور نیک کردار اور ہمیشہ اثبات

حق کے لیئے ساعی اور نیکی کرنے کے موقعوں کی متلاشی اور جہاں
کہیں موقع پائے اپنے خدا کے باغ (دنیا) میں کمال مستعدی اور شوق
سے محنت کرنیکی خواہشمند ہو اور اگرچہ یہہ کام ہر ایک عیسائی ملک پر واجب
ہے مگر کسی طرح کی لغو اور بے بنیاد باتوں پر یقین کر کے یہہ نہ سمجھ لینا چاہیئے
کہ تبدیل مذہب کا معاملہ ایک آسان کام ہے کیونکہ (معاذ اللہ) محمد کے
مذہب باطل* نے جو ایک ایسا مذہب ہے کہ جن نفسانی خواہشوں کو ہمارا
مذہب روکتا یا ایک قاعدہ کا پابند کرتا ہے یہہ اپنے مقلدوں کو انکی بابت
اجازت دیتا ہے اپنے پیرووں کے دل پر جس مضبوطی سے قبضہ کیا ہوا ہے
ہم لوگ اسکا اندازہ نہیں کر سکتے یہہ مذہب ایک خونریز اور برباد کن احکام
کا مجموعہ ہے اور بزور شمشیر قایم ہوا ہے اور اب تک دنیا میں اسی وحشیانہ
ظلم وستم سے قائم ہے اور اسکی زہر آلود اور برباد کن ترقی کے روکنے
کے لیئے عیسائیوں کو وہ جوش اور ذریعے عمل میں لانے چاہئیں جو بیان نہیں
کیئے جا سکتے ہیں اگرچہ اس نہایت قابل نفرت دھوکے اور افترا (اسلام)
کا قطعی استیصال صرف خدا کے رحم اور اسکی توجہ خاص پر موقوف ہے۔ البتہ
اُن باتوں کو معلوم کر کے کسیقدر تسلی اور امید ہوتی ہے جو پچھلے دنوں
چین اور جاپان میں وقوع میں آئیں یا جہانگیر کے عہد میں یہاں گزریں
! مشنری لوگوں کو اپنے کام کی ترقی کے لیئے ایک اور پر افسوس سد راہ
سے مقابلہ کی ضرورت ہے اور وہ خود عیسائیوں کا وہ خلاف ادب طریقہ ہے
جو باوجود اس اعتقاد رکھنے کے کہ خدا تعالیٰ ہماری قربان گاہ پر بطور خاص

* نقل کفر ! کفر نباشد ۔ کاتب

موجود ہے اپنے گرجاؤں میں برتتے ہیں بخلاف مسلمانوں کے جو نماز کے وقت مسجدوں میں باہم گفتگو کرنا تو کیسا سر تک نہیں ہلاتے اور خدا کا خوف اور ادب اُن کے دل پر چھایا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

ڈچ لوگوں کی تجارت کا ذکر

آگرہ میں ڈچ لوگوں کی جو کے غلہ کی ایک تجارتی کوٹھی بھی ہے جسمیں اُن کے چار یا پانچ آدمی رہتے ہیں یہہ پہلے بانات اور چھوٹے بڑے آئینوں اور سادہ اور سنہری اور روپہلی لیس اور آہنی چنبروں اور نیل کی تجارت کرتے تھے جو آگرہ کے قرب وجوار میں بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ خصوصاً بیانہ میں جو آگرہ سے دو منزل ہے اور جہاں انکی ایک اور کوٹھی ہے اور سال بھر میں ایک دفعہ وہاں جایا کرتے ہیں اور اب نہ صرف جلالپور بلکہ لکھنؤ سے بھی جو آگرہ سے سات یا آٹھ منزل ہے اور وہاں بھی ان کی ایک کوٹھی ہے اور سب موسموں میں ان کے گماشتے وہاں جاتے ہیں بہت سا کپڑا خریدتے رہتے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انکو اب زمانہ سابق کا سا فائدہ نہیں رہتا اور غالباً اسکی دو سبب ہیں ایک یہہ کہ ان کے مقابلہ میں آرمنی لوگوں کی تجارت بہت بڑھگئی ہے۔ دوسرا یہہ کہ آگرہ سورت سے (جو ان کا اصل قیام گاہ ہے) بہت دور ہے اِسکے علاوہ اِن کے کاروانوں کو جو خراب راہ اور پہاڑوں سے بچنے کے لیئے جو راستہ میں پڑتے ہیں گوالیار اور برہانپور کی سیدھی سڑک چھوڑکر احمد آباد کے راستہ مختلف راجاؤں کی عملداریوں میں سے ہوکر آتے ہیں اکثر اوقات حادثوں کا سامنا ہوتا ہے لیکن باوجود

ان دقتوں کے میری دانست میں انگریزوں کی طرح آگرہ سے یہہ اپنی کوٹھی کبھی نہیں اُٹھائینگے کیونکہ انکو اب بھی گرم مصالحوں کی قسم کی جنسوں میں بہت منفعت رہتی ہے اور ایک یہہ بھی فائدہ ہے کہ ان کے اعتباری آدمی دربار شاہی کے قرب میں رہتے ہیں اور اگر بنگالہ پٹنہ - سورت - یا احمدآباد میں جہاں انکی کوٹھیاں ہیں صوبہ دار یا کوئی اور عہدہ دار کسیطرح کا ظلم یا ناانصافی ان کے ساتھ کرتا ہے تو فوراً اُسکی شکایت دربار میں کرسکتے ہیں۔

مقبرہ معروف تاج گنج کا ذکر

اب میں اپنے اس خط کو دو عجیب و غریب مقبروں کے ذکر پر جنکی وجہ سے آگرہ کو دہلی پر فوقیت حاصل ہے ختم کرتا ہوں۔ ان میں سے ایک مقبرہ تو اکبر کا ہے جسکو اُسکے بیٹے جہانگیر نے تعمیر کرایا تھا اور دوسرا شاہجہاں کی بیگم "تاج محل" کا جو حسن و جمال میں لاثانی تھی اور بادشاہ اُسپر ایسا فریفتہ تھا کہ کبھی اُسکو اپنے سے جدا نکرتا تھا یہاں تک کہ اُسکی وفات کیوقت شدت غم سے قریب تھا کہ اُسکے ساتھ خود بھی چل بسے ! میں اکبر کے مقبرہ کا زیادہ ذکر کرنا نہیں چاہتا کیونکہ اُسمیں جو خوبیاں ہیں وہ تاج محل کے مقبرہ میں جسکا میں ابھی ذکر کرنے والا ہوں کامل طور پر موجود ہیں۔ آگرہ سے نکلکر مشرق کیطرف آپ اگر جائیں تو ایک لمبا چوڑا راستہ دیکھیں گے جسپر فرش لگا ہوا ہے اور تھوڑا تھوڑا بلند ہوتا گیا ہے جسکے ایک طرف تو ایک چوکور باغ کے ایک ضلع کی جو وسعت میں ہمارے پلیس رائل سے بہت زیادہ ہے ایک لمبی اور اونچی دیوار ہے اور دوسری جانب نوتعمیر مکانات کی ایک قطار بنتی چلی گئی ہے جو اُن محراب دار برانڈوں سے مشابہ ہیں جو

دہلی کے بڑے بازاروں کی دوکانوں کے آگے بنے ہوئے ہیں اور جنکا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں اور جب آپ اس دیوار کے نصف میں پہنچینگے تو دائیں کو یعنی ان مکانات کی جانب آپکو ایک بڑا دروازہ ملیگا جو اچھا خاصہ بنا ہوا ہے اور جو ایک کارواں سرا کا دروازہ ہے۔ اور اسکے مقابل یعنی دیوار کی طرف باغ کے دروازہ کی مربع اور وسیع عمارت ہی جسمیں سے ہو کر باغ میں جاتے ہیں اور جسکے دونوں طرف پتھر کے دو بڑے حوض بنے ہوئے ہیں۔ یہہ مستطیل شکل کی عمارت ہی اور ایک ایسے پتھر سے بنی ہوئی ہے جو سُرخ سنگ٭ مرمر کے مشابہ ہے لیکن ویسا سخت نہیں ہے۔ اس عمارت کا پیش سینٹ لوئیس کی عمارت کے پیش کی بہ نسبت جو سینٹ اینٹونی کے کوچہ میں ہے۔ میری دانست میں زیادہ لمبا اور اپنی وضع میں زیادہ عالیشان ہے مگر بلندی میں اُسیقدر ہے اسکے ستون اور مزغول اور کارنسیں اگرچہ فی الواقع اُن اوضاع خمسہ عمارت کے مطابق نہیں ہیں جو ہمارے فرانس کی عمارتوں میں احتیاط کے ساتھ ملحوظ رکھی جاتی ہیں۔ کیونکہ یہہ عمارت ایک خاص اور نرالی ہی وضع کی ہی لیکن تاہم دلچسپی سے خالی نہیں اور میری راے میں یہہ بالضرور اس قابل ہے کہ ہماری فن عمارت کی کتابوں میں جگہہ پاے اگرچہ قریباً یہہ تمام عمارت صدہا قسم کے مختلف الوضع دالانوں اور محرابوں اور غلام گردشوں پر مشتمل ہے جو نیچے اوپر بنی ہوئی ہیں۔ مگر باوجود اسکے بہت عظیم الشان ہے اور اسکا نقشہ اور تعمیر دونوں بہت دلچسپ ہیں اور کوئی جگہہ اسمیں ایسی

٭ ولایت میں اسی جنس کے پتھر کو مَربل (مابل) بولتے ہیں اور تعبیراً عموماً رنگ کر دیتے ہیں جیسے مرمر سفید و مرمر سیاہ و مرمر سرخ۔ جلد سوم [illegible]

نہیں جو بدنما ہو بلکہ ہر ایک مقام نہایت خوشنما اور ایسا ہے کہ آنکھیں دیکھنے سے سیر نہیں ہوتیں۔ چنانچہ سب سے اخیر دفعہ جو مینے اسکو جاکر دیکھا تو میرے ساتھ ایک فرانسیس سوداگر بھی تھا۔ اور میری طرح اُسکی بھی یہی راے تھی کہ یہہ ایک ایسی عمارت ہے کہ جسکی کامل طور پر تعریف نہیں ہوسکتی مگر میں کچھہ نہ بولا کیونکہ مجھے خوف تھا کہ شاید ہندستان میں مدت سے رہنے کے سبب میرا مذاق بگڑ گیا ہو لیکن میرا رفیق جو تازہ وارد تھا جب اُسنے یہہ کہا کہ تمام فرنگستان میں ایسا حیرت افزا و عظیم الشان کا مکان مینے کوئی نہیں دیکھا تو میری نہایت تسلی ہوئی۔

دروازہ کی عمارت میں اگر آپ داخل ہوں تو اپنے کو ایک بہت اونچے گنبد کے نیچے پاینگے جسکے سب طرف غلام گردش اور نیچے دونوں جانب دو دالان ہیں جو آٹھ یا دس فرانسیسی فٹ اونچے ہیں اور جیسی محراب میں سے آپ داخل ہوں گے ویسی ہی دوسری جانب پاینگے جسمیں سے گزر کر ایک ایسی روش پر پہنچتے ہیں جو آخر تک تمام باغ کو برابر دو حصوں میں تقسیم کرتی چلی گئی ہے۔ یہہ روش جو آٹھ فرانسیسی فٹ کے قریب اونچی ہے اسقدر چکلی ہے کہ چھہ گاڑیاں برابر برابر چل سکتی ہیں اور سرے سے لیکر اخیر تک بڑی بڑی چوکور سخت پتھروں کی سلوں کا فرش لگا ہوا ہے اور بیچوں بیچ نہر بنی ہوئی ہے جسکی روکار کے پتھر تمام گھڑے ہوئے اور زیبایش کے لیئے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر فوارے لگے ہوئے ہیں اور کوئی بیس یا پچیس قدم چلکر اور پشت کی طرف مونہہ پھراکر اسپر سے

دروازہ کی عمارت کو دیکھنا خالی از کیفیت نہیں کیونکہ دروازہ کی عمارت
کی یہہ طرف بھی اگرچہ باہر کی جانب کی سی نہیں لیکن نہایت ہی بلند اور
اُسی وضع کی ہے۔ دروازہ کی عمارت کے دونوں جانب باغ کی
دیوار کے ساتھ ساتھ تھوڑی سی کرسی دیکر لمبی اور چوڑی غلام گردشین بنتی
چلی گئی ہیں جنکے محرابی دروازے چھوٹے چھوٹے ستونوں پر قائم ہیں اور
برسات کے موسم میں غربا اور مساکین خیرات کے لینے کو جو ہمیشہ کے لیے شاہجہاں
کی مقرر کی ہوئی ہے ہفتہ میں تین بار اِن میں آکر جمع ہوتے ہیں۔ اب آپ پھر
اُسی بڑی روش پر آئیں یہاں سے آپکو ٹھیک سامنے وہ بڑا گنبد نظر آئیگا۔
جسمیں بیگم کی قبر ہے اور جسکے دائیں بائیں چبوترے سے ذرا نیچے باغ
کی روشیں درختوں سے ڈھکی ہوئی اور چمن پھولوں سے بھرے ہوے
ہیں۔ اِس گنبد کے دونوں جانب سنگ سرخ سے ویسی ہی دو بڑی
عمارتیں بنی ہوئی ہیں جیسی دروازہ کی عمارت ہی اور یہہ دونوں پشت کی
طرف باغ کی دیوار سے ملی ہوئی ہیں اور اِن میں جانیکے لئے تین تین محرابدار
دروازے ہیں۔ اِن کے بعض حصّے بالاخانوں کی طرح ایک دوسرے
پر واقع ہیں جنمیں جاکر معلوم ہوتا ہے کہ گویا بڑی بڑی اونچی غلام گردشیں
ہیں۔ اِن عمارتوں کے اندر کے فرش اور چھت اور دیواروں میں آرایشی
کام بنے ہوئے ہیں اور چونکہ وہ قریباً ویسے ہی ہیں جیسے کہ خود مقبرہ کے
اندر کے زیبایشی کام ہیں اسلیئے میں اُنکا بیان کرنا غیر ضروری جانتا ہوں
اس بڑی روش اور روضہ کے مابین ایک اچھا وسیع صحن ہے جسکو میں

تشبیہاً ”واٹر پارٹیر“[1] کہتا ہوں کیونکہ پتھر جو اُسکے فرش میں لگے ہوئے ہیں وہ تراش کر اور طرح طرح کی شکلوں کے بناکر اس طرح سے لگائے گئے ہیں گویا پانی سے بھری ہوئی کیاریوں کے گرد ”باکس“ لگا ہوا ہے یہہ عمارت سفید سنگ مرمر کا ایک بڑا گنبد ہے اور قریباً اُسیقدر اُونچا ہے جسقدر کہ ”والڈی گریس“[2] ہے اور اسکے گرداگرد سنگ مرمر کی چھوٹی چھوٹی برجیاں ہیں جو علی الترتیب نیچے اور اوپر بنتی چلی گئی ہیں۔ یہہ کل عمارت چار بڑی محرابوں پر قائم ہے جنمیں سے تین بالکل کُھلی ہیں اور چوتھی ایک مکان کی دیوار سے جسمیں ایک غلام گردش بنی ہوئی ہے بند کر دی گئی ہے جسمیں کئی ”ملا“ تاج محل کو ثواب پہنچانے کی خاطر ظاہرا دلی ارادت کے ساتھ بیٹھے ہوئے قرآن پڑھا کرتے ہیں جو اسی غرض سے یہاں مقرر ہیں۔ ان میں سے ہر ایک محراب اس طرح پر سجائی گئی ہے کہ سفید سنگ مرمر میں سیاہ سنگ مرمر (سنگ موسیٰ) کے بڑے بڑے عربی حروف بناکر جمائے ہوئے ہیں جو نہایت خوشنما ہیں اور گنبد کا کانسہ اور اوپر سے نیچے تک تمام دیواروں کی روکار سنگ مرمر کی ہے اور کوئی جگہہ ایسی نہیں جو صنعت اور ہنرمندی سے خالی اور ایک خاص اور ذاتی حُسن نرکھتی ہو اور مقبرہ کی تمام دیوار

[1] پارٹیر کے لغوی معنی ہموار اور مسطح زمین کے ہیں مگر اصطلاح میں اُس قسم کی چمن بندی کو کہتے ہیں جو طرح بطرح کی چھوٹی چھوٹی کیاریاں بناکر امتیاز کے لیئے اُن کے اِدھر اُدھر سبزہ گھاس وغیرہ جمادی جاتی ہے جسکی عوض فرنگستان میں باکس جو ڈو ڈینیا کی طرح کی ایک بوٹی ہے لگاتے اور اُسکو تراش کر کیاریوں کے اردگرد مختلف شکل کے حاشیئے اور جدولیں بناتے ہیں۔ م ح

[2] شہر پیرس کے ایک گرجا کا نام ہے۔ م ح (2) Val de Grace

کی رنگکاری میں جو سنگ مرمر کی ہے زبرجد اور یشب اور عقیق اور اور قسم
کے بیش قیمت اور کمیاب پتھروں اور اُس قسم کے پتھروں سے جیسے کہ
فلارنس میں گرانڈ ڈیوک کے گرجا میں ہیں بیشمار وضع کی اور نہایت خوبصورت
اور پُر نزاکت پچی کاری جس سے بڑھکر انسان کے ذہن میں نہیں آسکتی
کی ہوئی ہے - یہاں تک کہ فرش میں بھی جو سنگ مرمر اور سنگ موسیٰ کی
چوکور سلوں کا ہے یہہ پتھر جڑے ہوئے ہیں - اور گنبد کے اندر ایک چھوٹا
سا حجرہ ہے جسمیں تاج محل کی قبر ہے جو سال بھر میں صرف ایکبار بڑے تکلفات سے
کھولا جاتا ہے اور چونکہ اسکے تقدس کیوجہ سے کوئی عیسائی شخص اندر جانے نہیں
پاتا اسلیئے میں بھی دیکھ نہیں سکا لیکن سنا ہے کہ اُسکی زیب و زینت اور آرایش
و پیرایش بہت ہی اعلی قسم کی ہے ! اب آپ سے صرف اُس چبوترہ کا ذکر
کرنا باقی ہے جو گنبد سے لیکر باغ کی حد تک بنا ہوا ہے جو کوئی پچیس قدم چوڑا
اور اس سے کسیقدر زیادہ اونچا ہے - اِس چبوترہ پر سے دریاے جمنا نیچے
بہتا ہوا اور بیشمار سرسبز باغ جو دور تک لگتے چلے گئے ہیں اور شہر آگرہ کا ایک حصہ
اور قلعہ اور اُمرا کے خوبصورت مکانات جو دوسرے کنارہ پر بنے ہوئے
ہیں تمام نظر آتے ہیں - اور جبکہ یہہ چبوترہ اس باغ کا ایک ضلع ہے تو اسکا
تصفیہ میں آپ ہی پر چھوڑتا ہوں کہ میں جو یہہ کہہ رہا ہوں کہ یہہ مقبرہ ایک حسرت افزا
عمارت ہے کیا یہہ سچ نہیں ہے ؟ یہہ ممکن ہے کہ میری طبیعت نے
ہندوستانی مذاق پیدا کرلیا ہو - لیکن میں یہہ یقینی طور پر کہتا ہوں کہ یہہ مکان
اہرام مصر کی بہ نسبت جو اُن گھڑ پتھروں کے ڈھیر ہیں اور مکرر دیکھنے پر بھی

مجھے کچھ پسند نہیں آئے اور جو باہر کی طرف سی بجز اسکے کہ زینہ کی طرح نیچے اوپر رکھکر پتھروں کا ڈھیر لگا دیا ہے کچھ نہیں ہیں اور جنکے اندر بھی کوئی ایسی بات نہیں جس سے انسان کی کچھ ہنرمندی اور ایجاد ثابت ہو دنیا کی عجایبات میں شمار کئے جانے کا زیادہ تر مستحق ہے۔ * ۵۲

---

* یہہ بے نظیر و عجیب و غریب عمارت شاہجہاں کے پانچویں سال جلوس کی ابتدا میں بننی شروع ہوئی تھی اور سولہویں سال جلوس مطابق سنہ ۱۰۵۲ (ایک ہزار باون) ہجری میں بنکر ختم ہوئی۔ بادشاہ نامہ میں لکھا ہے کہ پچاس لاکھ روپیہ اسپر خرچ ہوا۔ اسکی مرمت اور خدام کی تنخواہ اور بیگم کے ختم و فاتحہ کے خرچ کے لیئے ایک لاکھ روپیہ سال کی آمدنی کے دیہات اور دو لاکھ روپیہ سال کی آمدنی کی دوکانیں اور سرائیں جو اسکے آس پاس بنائی گئی تھیں اور جن سے مل جلکر یہہ ایک اچھا شہر بس گیا تھا اور جسکا نام ممتاز محل کے نام پر ممتاز آباد رکھا گیا تھا بادشاہ نے وقف کر دی تھیں۔ س۔م۔ح فقط (جلد دوم تمام ہوئی)

اطلاع ۱۲ اِس خط کا سنہ اور تاریخ جو اَور خطوں سے پہلے کا ہے اِس کو پیچھے لگا ہوا دیکھکر یہہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ مصنف نے فی الحقیقت یہہ خط بعد میں لکھا تھا اور تاریخ اور سنہ غلط چھپ گیا ہے بلکہ اسکی وجہ یہہ ہے کہ یہہ خط انگریزی میں جلد اوّل کے ساتھ ہے اور فی الحقیقت دوسری جلد کے خطوط سے پہلے لکھا گیا تہا مگر چونکہ سب خطوط ایک جگہہ جمع کر دینے اچھے معلوم ہوئے اور خطوط کے مضامین بھی ایک دوسرے سے متعلق ہیں اسلیئے اِس خط کو دوسری جلد میں شامل کر دیا گیا ہے۔ ۱۲

تمت بالخیر

تقریظ

ریختۂ کلکِ فصاحت نگار جناب والا خطاب وزیرالدولہ مدبرالملک

خلیفہ سید محمد حسن خان بہادر

وزیر اعظم ریا... ...طہ

انسان جب مرجاتا ہے ت
زندگی عجیب زندگی اور انکی موت
زندہ کہلاتے اور زندوں کی طرح
آتے ہیں ! چنانچہ اس کتاب کے مو
ہی کو دیکھو کہ باوجودیکہ دو سو برس کے ق
ہے ! دنیا سے گئے کو ایک زمانہ گزرا مگر
عرصہ ہوا مگر بولتا ہے !! اسکا کاغذی لباس
پھرنا اور اہل علم کی خلوت کی صحبتوں میں بیٹھنا
آنکھوں میں باتیں کرنا اور کبھی اپنی اصل فرانسیسی
ہندوستانی بولی بولنا ! اور بولنا بھی قلم کی زبا
ہے کہ آواز نہیں اور سنائی ہر کسی کو دیتا ہے اس

اے اس چشمہ کا پانی پیا ہے کہ جس کسیکو خوش قسمتی سے اسکا ایک قطرہ بھی
نصیب ہوگیا ہے وہ زندہ ہے اور زندہ رہیگا۔ یہہ وہ چشمہ نہیں جسکو
سمجھتے ہیں کہ اسکا پانی پی لینیز
وہ تو صرف ایک خیالی چشمہ
پیا۔ مگر جس چشمہ کا ہم
کے سامنے موجود ہے اور
خوش قسمت شخص کو میسّر آسکتا
زندگی بخش پانی اسکی روشنائی
ہے اسمیں سے نکالنے اور
تے ہیں بس مبارک ہیں
مبارک ہے انکی زندگی خود نیا
کلفت زندگی ہے مگر خیال
یک اور نسخہ بھی وہ مجرّب اور
بھی اس خوبی سے کرتا ہے
قالب کسیقدر دیرینہ اور بوسیدہ
بدل ڈالتا اور نیا اختیار کرلیتا
ایک بات ہی بات تھی
جانا دیکھا کسی نے بھی نہ تھا ہے
ہے پہل سٹر ازونگ براک

صاحب کی اعانت سے اپنی ہمسایہ قوم انگریز کا قالب اختیار کیا اور اُس عقلمند قوم کی لوگوں نے
مورخ اور جہاندیدہ جانکر قدرشناسی کی راہ سے اسکو اپنے سر اور آنکھوں پر بٹھایا اور اسکی مفید اور
تجربہ آمیز باتوں اور دلچسپ اور عبرت خیز حکایتوں کو اپنے دل و دماغ میں جگہہ دی اور اب
ہمارے نہایت صاحب علم و فضل اور جامع الکمالات دوست جناب کرنل ہنری ع
صاحب بہادر سی بی و سی ایس آئی ترجمان جناب کمانڈر انچیف بہادر ہندوستان
اور میرے چھوٹے بھائی مشیر الدولہ ممتاز الملک خلیفہ سید محمد حسین صاحب
میر منشی ریاست پٹیالہ کی امداد سے ہندوستانی روپ بدل لیا اور تھوڑے ہی عرصہ
میں وہ اُردو بولنا سیکھ لیا کہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ پیرس کا رہنے والا ہے یا دلی کا!
پس میرے عزیز ہموطنوں تمکو بھی لازم ہے کہ انگریزوں کی طرح تم بھی اس
دانا اور تجربہ کار حکیم کی جسنے تمہاری خاطر تمہارا ہی روپ بدل لیا ہے اور تمہاری
ہی بولی سیکھ لی ہے جان و دل سے خاطر اور مدارات کرو اور اپنے مُلک
کے اگلے بادشاہوں اور راجاؤں اور امیروں اور ہر ایک درجہ کی لوگوں
کی باتیں جو اسکی آنکھوں دیکھی ہوئی ہیں اسی کی زبان سے سُنو! یہہ تمکو بلارو رعایت
سچ سچ بتائیگا کہ اب سے دو سو برس پہلے تمہارے مُلک کی کیا حالت تھی
سلطنت اور حکومت کا کیا طریقہ تھا! زراعت اور تجارت اور صناعت کا کیا
حال تھا! مُلک کی دولتمندی کی کیا کیفیت تھی. راستے پُر امن تھے یا خطرناک
اور سفر کے ذریعے کیا اور کیسے تھے! سلطنت یا خود رعایا کی طرف سے
تعلیم عام کا کچھ انتظام تھا یا نہیں؟ عدالت اور انصاف کی کیا صورت تھی؟
اور اُسکے لیئے کچھ قوانین اور قاعدے مقرر تھے یا نتھے! اور اُنکی تعمیل

کیسی ہوتی تھی! آزادی رائے جیسیں مذہب کی آزادی بھی آگئی رعایا کو حاصل تھی یا نہیں! اور لوگوں کی طرز معاشرت اور اخلاق و عادات کا کیا حال تھا! ملک کی آمدنی ملک ہی کے کاموں میں خرچ ہوتی تھی یا بادشاہ کے ذاتی اور عیش و آرام کے کاموں میں! فوج کی کیا حالت تھی اور اسکا نظم و نسق کیسا اور کس ڈھنگ پر تھا! اور صف آرائی اور جنگ آزمائی کے کیا طریقے تھے۔ بادشاہ دربار کسطرح کرتا تھا! اور اسکی شان اور جلوس کیسا اور کس طور کا تھا! اور یہہ باتیں تمکو یہہ ایسی تشریح اور تفصیل سے سنائیگا کہ گویا انکا مرقع تمہارے سامنے کردیگا جس سے تم اسوقت اور اسوقت کی حالت کا بخوبی موازنہ کرسکوگے۔ اور سمجھ سکوگے کہ سلطنت مغلیہ کے زمانہ میں جسکی نادیدہ تعریفوں اور خوبیوں کو سنکر غالباً تم اپنے دل میں خیال کرتے ہوگے کہ وہ ہندوستان اور ہندوستانیوں کے لیئے نہایت ہی عمدہ اور خیر و برکت کا زمانہ تھا تمہارے ملک اور ملک والوں کی کیا حالت تھی۔ اور اب **کوئین وکٹوریہ** بادشاہ انگلستان اور قیصر ہند کے مبارک عہد میں جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے کیا حالت اور صورت ہے۔ والسلام

السیّد محمّد حسن عفی عنہ

۲۵۔ نومبر ۱۸۸۵ء

قطعہ تاریخ اختتام ترجمہ از نتائج طبع جناب خلیفہ سید محمد حسن صاحب متین برادر خورد جناب وزیر صاحب بہادر و میر منشی صاحب ید مجدہم

زانگریزی این ترجمہ چون بار دو
بگر دید و تاریخ ختمش بجستم

خرد ای متین یافت سال مسیحی
سفر نامۂ برنیر شد مترجم

قطعہ تاریخ طبع از کمترین محمد حسین مراد آبادی کاتب کتاب ہذا راغب تخلص

یہہ عمدہ ترجمہ جب چھپکر ہوا مکمل
جو حاشیوں سے الحق ہیکل بنا ہے

ہاتف پکارا راغب یوں از رہ بشارت
لکھ اسکا سال ہجری کیا خوب ترجمہ ہے

تمام الطبع

الحمد للہ و المنہ کہ یہہ کتاب لاجواب وقایع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر حسب الارشاد واجب الانقیاد حضرت وزیر الدولہ مدبر الملک خلیفہ سید محمد حسن خان بہادر وزیر اعظم ریاست پٹیالہ و جناب مشیر الدولہ مستشار الملک خلیفہ سید محمد حسین صاحب بہادر میر منشی ریاست موصوف دام اقبالہم بقلم خام رقم ذرہ بیمقدار خاکسار محمد حسین مراد آبادی بہ تصحیح تمام چھبیسویں نومبر ۱۸۸۴ع کو بمقام دار الریاست پٹیالہ ختم ہوئی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۰۰	۵	تصنیع افزائی	تصنیع افزائی	۲۳۹	۱۲	پنڈوں	پنڈتوں	۲۹۹	۹	انجی	بہ التعجب
۱۵۵ ۱۶۲	۱۰ ۱۹	بڑھیا	بڑھتی	۲۴۳	۲۲	سی شخص	اس شخص	″	۳	دین اور مذہب	دین مذہب
۱۶۲	۱	لگایا	لگا دیا	۲۴۴	۲	خلق عام	خلق عالم	۳۰۰	۱۱	کر پیدل	اور پیدل
۱۶۴	۱	کیا حال	میرا کیا حال	۲۴۶	۵	کچھ بہی	کچھ بھی	″	۹	پہاڑی پر	پہاڑی زمین پر
″	۱۱	بٹھایا	بٹھا دیا	۲۵۵	۱۶	اور اس	اور اسی	۳۰۱	۱	اور اسکی	اسکی
″	۲۰	ست جلا ڈالا	سی اسکو جلا ڈالا	۲۵۷	۱۷	اسیطاح	اسطرح	۳۰۲	۱۳	منارہ	منارہ
۱۸۸	۲۱	مصدرہ	مقصدورہ	۲۵۱	۱۰	منزل میں	منزلے میں	۳۰۴	۲	ورق چھپنے	[illegible]
۱۹۰	۱۰	جو لوگ	لوگ	۲۵۵	۹	انہیں	انھیں	۳۰۸	۲۳	دروازوں میں	دروازوں پر
″	۱۴	کو معاف	کو تو معاف	۲۶۱	۵	ہوتی ہیں	ہوتے ہیں	″	″	رہنے کے	رہنے کیلیئے
۱۹۴	۹	یہہ شعر	اگر یہہ شعر	″	″	لیا جاتا	کر لیا جاتا	۳۱۲	۱۱	بھی	ہی
″	۲	موقعہ	موقع	۲۶۵	۵	گلاتس	گانس	″	۱۵	بات	یہہ بات
۱۹۷	۱۹	کلیات بسیط	کلیات بسیط	۲۶۹	۱۹	دین توڑا	دین چھوڑا	۳۱۰	۱۰	تھی ایشر جسکا نام	تھی ایشر بڑکیا تھا سب سوتڑا آیمنی تھی ایشر جسکا نام
۲۰۳	۴	یا دگر ممالک	یا ممالک	۲۷۲	۶	ایسے ویسے	ویسے				
″	۵	مذہبی	اور مذہبی	″	۱۰	استمبھ پول	ہتھیا پول	″	۱۱	ایک شہر روم	ایک بھی شہر رو[illegible]
″	″	چنانچہ مثلاً	مثلاً	۲۷۹	۱۳	دالان	دالان در دالان	۳۱۲	۵	مہربانہ	مہربانانہ
۲۰۵	۹	چین منت	چین مت	۲۸۰	۱۹	بپر دلست	بہر دلیت	″	۲۱	تماشا خانوں	تماشا [illegible]
۲۰۹	۱۵	اعتماد	ذی اعتماد	۲۸۵	۱۰	ضروری	کار ضروری	۳۱۷	۲۳	لڑتے	لڑنے
″	۱۷	خصوص	خصوصاً	″	۱۴	دکھانا	دکھا دینا	۳۱۹	۷	یہہ لوگ بھی	یہہ لوگ یہہ بھی
۲۱۰	۹	اکثر یہہ	اکثریۃ	″	۱۹	مشاہد	مشاہدہ	″	۱۹	اسی میں	اسمیں
۲۱۱	۹	جیو ہتیا	جیو ہنسا	۲۸۱	۱۳	نہیں سکتا	نہیں کر سکتا	۳۲۰	۱	مرجانا	مرنا
۲۱۵	۴	ایک مسئلہ	ایک ایسا مسئلہ	۲۸۹	۲	بہت رئیسوں	بہت سے رئیسوں	″	۲	ہیں جیسا	ہیں کہ جیسا
۲۲۰	۲	اصلاحوں	اصطلاحوں	۲۹۰	۱۰	زمرد و الماس مروارید	زمرد و مروارید	۳۲۲	۹	علم عمل	علم و عمل
۲۲۳	۹	چھہ سات	چھہ یا سات	″	۲۰	عوام	اعوام	۳۲۵	۷	جنہیروں	جینروں
۲۲۷	۱۹	فرقہ مؤخر الذکر	مؤخر الذکر فرقے	۲۹۱	۲	زینت	زیب و زینت	۳۲۸	۷	کہاک	کہا کہ
۲۲۸	۱۱	اعتقاد	یہہ اعتقاد	″	۱۴	جہاں پاک	جناں پاک	″	۲	پتھروں	پتھر
″	۱۵	کبھی	کسی	۲۹۳	۵	کھوبا	کھو باگیا	۳۳۱	۱۷	حسرت افزا	حیرت افزا
۲۲۹	۲	مادہ صورت	مادہ اور صورت	″	۱۸	اڑاہی	ڈھائی				
۲۳۴	۱۵	عمر میں	عمر کو	۲۹۵	۸	بھی	ہی				

تمت بالخیر

